پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری

استاذ حدیث وفقہ ومرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

شائع کردہ

دفتر محاضرات علمیہ دارالعلوم دیوبند

محاضراتِ علمیہ

بر موضوع

رضاخانیت

(تعارف وتعاقب)

پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری
استاذ حدیث وفقہ ومرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند

شائع کردہ

دفتر محاضرات دارالعلوم دیوبند

نام کتاب

رضاخانیت

(تعارف وتعاقب)

پیش کردہ

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری
استاذ حدیث وفقہ ومرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

تعداد صفحات : ۲۴۰

سن اشاعت : 2015

شائع کردہ
دفتر محاضرات علمیہ دارالعلوم دیوبند

ملنے کا پتہ

مکتبہ دارالعلوم دیوبند

فہرستِ مضامین

پہلا محاضرہ: رضاخانیت کا تعارف

دوسرا محاضرہ: سنت و بدعت کی پہچان

تیسرا محاضرہ: علم غیب، حاضر وناظر اور نور وبشر کا مسئلہ

چوتھا محاضرہ: مختارکل کا مسئلہ اور اعمال شرکیہ

پانچواں محاضرہ: عملی بدعات

چھٹا محاضرہ : عباراتِ اکابر

پہلا محاضرہ

(رضاخانیت کا تعارف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انبیائے کرام کے دشمن

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ، وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الَّذِیْ بُعِثَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَعُلَمَآءِ اُمَّتِہٖ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ لِقَائِہٖ اَمَّابَعْدُ!

انسانی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت سے پہلے جب بھی لوگوں میں عملی اور اعتقادی گمراہی پھیلی تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، مگر اللہ کے پیغمبر جب بھی ہدایت کا پیغام لے کر اس دنیا میں آئے تو شیاطین الانس والجن نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ لوگ نہ ان کی بات مانیں نہ ہدایت قبول کریں؛ بلکہ کفر وشرک کے دَلدل میں پھنسے رہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ (سورۂ انعام، آیت:۱۱۲)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیاطین انسانوں میں سے اور

جنات میں سے بنائے جن میں سے بعض بعض کے دلوں میں چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے؛ تا کہ ان کو دھوکا میں ڈالیں۔

لیکن جب اللہ جل شانہ کی توفیق سے کچھ لوگ ایمان لے آئے تو شیاطین نے دو بارہ کوشش کی کہ ان کو ہدایت کے بعد گمراہی کے جال میں پھنسا دیں، یہود و نصاریٰ اور دوسری بگڑی ہوئی امتوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو اولاً شیاطین الانس والجن نے کوشش کی کہ کوئی آپ ﷺ کی بات نہ مانے اور نہ کوئی ایمان لائے، مگر اللہ جل شانہ کی طرف سے حضور اکرم ﷺ کے ذریعہ نورِ توحید کا پھیلنا مقدر ہو چکا تھا، سورۂ صف میں ہے:

﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَاللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (سورۂ صف، آیت:۸-۹)

ترجمہ: دشمنانِ اسلام چاہتے ہیں کہ نورِ الٰہی کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں، مگر اللہ تعالیٰ اپنی روشنی مکمل فرما کر رہیں گے خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو، اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے؛ تا کہ وہ اس کو تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کر دیں خواہ مشرکوں کو کتنا ہی برا معلوم ہو۔

اس لیے تھوڑے ہی عرصہ میں پورے جزیرۃ العرب میں اور اس کے بعد دنیا کے دوسرے حصوں میں آپ کا لایا ہوا دینِ حق پھیل گیا، اور بندگانِ خدا کی بڑی تعداد نے کفر وشرک چھوڑ کر آپ کی دعوت پر دین حق کو قبول کر لیا، تو شیاطین الانس والجن نے پینترا بدل کر محنت شروع کی؛ تا کہ آپ کی امت کو ایمان وتقوی کے راستے سے ہٹا کر الحاد وشرک اور فسق وفجور کی گھنگھور گھاٹیوں میں پہنچا دیں، اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئے، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئی ہے کہ آپ کی امت کے کچھ لوگ اگلی امتوں کی طرح گمراہی کے جال میں پھنستے رہیں گے، حدیث کی اکثر کتابوں میں حضور اکرم ﷺ

کا یہ ارشاد مروی ہے :

لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ .

(مشکاۃ المصابیح،ص:۴۵۸)

جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی امت کے کچھ لوگ گزشتہ امتوں کی بالکل قدم بہ قدم پیروی کریں گے، یعنی جو گمراہی اور بداعمالیاں یہود و نصاریٰ وغیرہ گمراہ امتوں نے اپنائی ہیں آپ کی امت کے بھی کچھ لوگ ضرور ان کو اپنائیں گے۔

ادیانِ سابقہ اور دینِ اسلام میں فرق

لیکن ادیانِ سابقہ اور دینِ اسلام میں دو اعتبار سے فرق ہے —— پہلا فرق یہ ہے کہ خاتم النبیین ﷺ سے پہلے چوں کہ سلسلۂ نبوت ختم نہیں ہوا تھا اس لیے انبیائے کرام علیہم السلام وقتاً فوقتاً مبعوث ہو کر امم سابقہ کی اصلاح و رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہتے تھے، اور اَحبار و علماء ان کا تعاون کرتے تھے؛ لیکن خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت پر چوں کہ سلسلۂ نبوت ختم ہو چکا ہے؛ اس لیے امت کی اصلاح کی پوری ذمہ داری وارثینِ انبیاء اور مجددینِ امت پر ڈالی گئی ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهُ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَ انْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ . (مشکاۃ المصابیح،ص:۳۶)

ترجمہ: ہر آئندہ نسل میں سے اس علم کے حامل ایسے عادل لوگ ہوتے رہیں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کے غلط انتساب اور جاہلوں کی تاویل کو دور کرتے رہیں گے۔

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا. (حوالۂ سابقہ)

ترجمہ: اللہ جلّ شانہٗ ضرور اس امت کے لیے ہر سو (۱۰۰) سال پر ایسے شخص

کو مبعوث فرماتے رہیں گے جو امت کے سامنے ان کا دین نکھار کر پیش کرے گا۔

اور دوسرا فرق یہ ہے کہ ادیانِ سابقہ کی حفاظت کی ذمہ داری علماء اور احبار پر ڈالی گئی تھی، جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰاةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَّحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰانِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ﴾ (سورۂ مائدہ، آیت:۴۴)

ترجمہ: ہم نے تورات نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت اور روشنی تھی، انبیاء جو کہ اللہ کے فرمانبردار تھے اس کے موافق یہود کو حکم دیا کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء بھی اس وجہ سے کہ ان کو اس کتاب (تورات) کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا اور وہی اس کتاب پر گواہ بھی تھے۔

اس لیے جب تک علماء اور احبار نے اپنی ذمہ داری محسوس کی؛ ادیانِ سابقہ محفوظ رہے، اور جب دنیا پرست علماء اور احبار کا غلبہ ہوا تو اللہ کی کتاب میں تحریف ہو کر تمام ادیان سابقہ مسخ ہو گئے ـــــ اور دینِ اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے فضل و کرم سے خود لی ہے؛ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾ (سورۂ حجر، آیت:۹)

ترجمہ: بے شک ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔

اس لیے بحمد اللہ اس کا تو اطمینان اور پورا یقین ہے کہ اہلِ باطل اس دین کے حسین چہرے کو مسخ کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے، اور قیامت تک یہ دین محمدی اپنی اصلی شکل و صورت میں باقی رہے گا؛ البتہ ایسا ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا کہ اہلِ باطل نئی نئی رسمیں اور بدعتیں ایجاد کر کے نہ صرف اپنی شقاوت میں اضافہ کریں گے؛ بلکہ بہت سے جاہلوں کی گمراہی کا سبب بھی بنیں گے۔

رسوم و بدعات رائج ہونے کے اسباب

یہاں یہ بات جان لینی چاہیے کہ تمدن و معاشرت کا ایک فطری اصول ہے کہ جب مختلف

تہذیبوں کا امتزاج ہوتا ہے تو غیر شعوری طور پر ایک تہذیب دوسری تہذیب کو متاثر کرتی ہے، جو قوم اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کا اہتمام نہیں کرتی وہ اپنے بہت سے امتیازی اوصاف کھو بیٹھتی ہے، خصوصیت کے ساتھ جو تہذیب مفتوح ومغلوب ہو وہ فاتح اور غالب تہذیب کے سامنے سپر ڈال دیتی ہے، مسلمان جب تک غالب اور فاتح رہے اور ان میں اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کی تب وتاب تھی اس وقت تک وہ دوسری تہذیبوں پر اثر انداز ہوتے رہے؛ لیکن جب ان کی ایمانی حرارت ٹھنڈی ہوگئی اور ان میں مِنْ حیثُ القوم اپنے خصائص کے تحفظ کا ولولہ نہ رہا تو وہ خود دوسری تہذیبوں سے متاثر ہونے لگے —— دورِ جدید میں مسلمانوں کا انگریزی تہذیب سے متاثر ہونا اس کی کافی شہادت ہے —— اس اجنبی اثر پذیری کا نتیجہ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ غیر اقوام کے رسوم ورواج کو دینی حیثیت دیدی جاتی ہے، اور اس کے جواز واستحسان کے ثبوت پیش کیے جاتے ہیں، یہی راز ہے کہ ہر علاقہ کے مسلمانوں میں الگ الگ رسوم وبدعات رائج ہیں، ہندوستان میں جو بدعات رائج ہیں وہ عرب علاقوں میں نہیں، اور مصر وشام کی بہت سی بدعات ہندوستان میں رائج نہیں۔

ہندوستان میں اسلام بڑی تیزی سے پھیلا؛ مگر افسوس ہے کہ ان نومسلموں کی دینی تعلیم وتربیت کا خاطر خواہ اہتمام نہ ہوسکا، اس لیے جو لوگ ہندو مذہب چھوڑ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے وہ اپنے سابقہ رسم ورواج سے آزاد نہ ہوسکے؛ بلکہ ہندو معاشرہ سے شدید اختلاط کی بناء پر ان مسلمانوں میں بھی بہت سی ہندوانہ رسمیں در آئیں؛ چنانچہ شادی اور مرگ کے موقع پر ہندوستان کے مسلمانوں میں جو خلافِ شرع رسمیں پائی جاتی ہیں اور جن کو مردوں سے زیادہ عورتیں جانتی ہیں، وہ سب ہندو مذہب کے جراثیم ہیں، جیسا کہ ایک نو مسلم عالم مولانا عبید اللہ سلفی نے "تحفۃ الہند" میں تحریر فرمایا ہے۔

"میرا مقصد یہ نہیں کہ خدانخواستہ ہندوستانی مسلمانوں کی ساری چیزیں ہندوانہ ہیں اور نہ یہ مطلب ہے کہ سارے مسلمان ان میں مبتلا ہیں؛ بلکہ میری مراد ان رسوم وعادات سے ہے جن کا ثبوت ہماری اسلامی شریعت میں نہیں؛ بلکہ ہندو معاشرہ میں ملتا ہے، بہت سے ایسے علاقے جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی، مسلمان وہاں بہت قلیل تعداد میں تھے اور

ان کو اسلامی تعلیم وتربیت کا موقع میسر نہیں آتا تھا، ان کے نام تک ہندوانہ تھے، وہ سر میں چوٹی تک رکھتے تھے، ظاہر ہے جن لوگوں کی یہ حالت ہو وہ بے چارے ہندوانہ بدعات میں مبتلا نہ ہوتے تو اور کر بھی کیا سکتے تھے؟!

(بحوالہ اختلاف امت اور صراط مستقیم، ص:۱۰۹-۱۱۰)

علاوہ ازیں ہمارے اس ملکِ ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ واشاعت زیادہ تر صوفیائے کرام کے ذریعہ ہوئی ہے جو اللہ کے بڑے مخلص بندے اور توحید کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، یہاں کے جن لوگوں نے ان کی دعوت اور ان کی خدا پرستانہ اور پاکبازانہ زندگی سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرلیا تھا، شیطان نے ان کے بارے میں اندازہ کرلیا کہ وہ ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے اور کھلے ارتداد میں مبتلا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے گا؛ اس لیے اس نے ان میں گمراہی پھیلانے کے لیے وہ حربہ استعمال کیا جس کا وہ عیسائیوں اور دوسرے بعض طبقوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب تجربہ کر چکا تھا، اس نے ان کے دل میں ڈالا کہ یہ بزرگانِ دین: خدا کے لاڈلے ہیں، خدا نے ان کو بہت سے اختیارات سپرد کر دیے ہیں، اور یہ خود حاجت روا اور مشکل کشا ہیں؛ لہٰذا ان ہی سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگو، مصیبتوں اور پریشانیوں میں ان کے نام کا وظیفہ پڑھو، حاجتی بن کر ان کے مزاروں پر جاؤ، ان کی قبروں کا سجدہ کرو، نذریں اور منتیں مانو، اور ان کے نام کے مرغے بکرے قربان کرو، چادر، گاگر اور پھول مالا چڑھاؤ، یہ تمہاری بگڑی بنادیں گے اور ناؤ پار لگائیں گے؛ چنانچہ جن لوگوں کی دینی تعلیم وتربیت نہ ہوسکی تھی اور اسلامی توحید کو انہوں نے پوری طرح نہیں سمجھا تھا، انہوں نے اس کو بزرگوں کے ساتھ عقیدت ومحبت کا تقاضا سمجھا، اور اس طرح ان کو بت پرستی کا "اچھا بدل" بھی مل گیا جس کے وہ اور ان کے باپ دادا ہمیشہ سے عادی تھے ـــــ یہ ہے مسلمانوں میں رسوم وبدعات کے رواج کی اجمالی تاریخ اور قبر پرستی اور اولیاء پرستی کے آغاز کی سرگزشت!

دارالعلوم دیوبند کے قیام سے پہلے رسوم و بدعات کی اصلاح کے سلسلہ میں کام کرنے والے ممتاز حضرات

امت محمدیہ میں جب سے اس گمراہی کا آغاز ہوا، علمائے امت اور مصلحینِ ملت نے اس کے خلاف قلمی اور زبانی جہاد شروع کیا، اور امت کو گمراہیوں سے نکالنے کے لیے بھرپور کوشش شروع فرمائی، ہمارے ملک میں جن اکابرینِ امت اور ہادیانِ ملت نے اللہ کی توفیق سے مشرکانہ خیالات واعمال اور رسوم و بدعات سے مسلمانوں کو بچانے میں نیابتِ رسول کا حق ادا کیا، ان میں تین حضرات سرِفہرست ہیں:

ایک: امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانی (متوفی سنہ ۱۰۳۴ھ)

دوسرے: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ)

تیسرے: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ (متوفی سنہ ۱۲۴۶ھ)

امام ربانی کے مکتوبات میں ایسے بہت سے مکتوبات ہیں، جن میں توحید کی تشریح کی گئی ہے، اور شرک کی جن اقسام وانواع میں مسلمان مبتلا تھے یا مبتلا ہونے کا امکان اور اندیشہ تھا ان کے بارے میں تنبیہ کی ہے، دفتر سوم، مکتوب نمبر: ۴۱ میں شرک کی ان سب صورتوں پر خاص طور سے تفصیلی کلام فرمایا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے تجدیدی کارناموں کے تقریباً ایک صدی بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا اصلاحی اور تجدیدی دور شروع ہوتا ہے، ان کی کتابوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے زمانے میں بھی جاہل مسلمانوں میں شرک کی وباء عام تھی، اس کو دیکھ کر ان کا دل تڑپتا تھا، آپ نے اس کا اظہار اپنی مختلف تصانیف میں کیا ہے، یہاں صرف دو حوالے پیش کیے جاتے ہیں:

تفهیماتِ إلٰهیة میں ایک جگہ ارقام فرماتے ہیں:

وَمِنْ أعظَمِ الْأمْرَاضِ فِيْ زَمَانِنَا هٰذَا عِبَادَتُهُمْ لِشُيُوْخِهِمْ أحْيَاءً وَلِقُبُوْرِهِمْ أمْوَاتًا ، وَ الجَهَلَةُ يَقْتَدُوْنَ بِكَفَرَةِ الهِنْدِ فِيْ أفْعَالِهِمْ .(۱/۶۴)

ترجمہ: ہمارے اس زمانے کا سب سے بڑا روگ یہ ہے کہ جاہل لوگ اپنے پیروں کی زندگی میں عبادت کرتے ہیں اور مرنے کے بعد ان کی قبروں کو پوجتے ہیں اور یہ جاہل مسلمان اپنے اعمال وافعال میں ہندوستان کے کافروں اور مشرکوں کی پیروی کرتے ہیں۔

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ مجددانہ شان کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ

كُلُّ مَنْ ذَهَبَ إلىٰ بَلْدَةِ أجْمِيْرَ أوْ إلىٰ قَبْرِ سَالاَرْ مَسْعُوْدٍ أوْ مَاضَاهَاهَا لِأجْلِ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَإنَّهُ أثِمَ إثْمًا أكْبَرَ مِنَ الْقَتْلِ وَالزِّنَا ، لَيْسَ مَثَلُهُ إلَّا مَثَلُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ المَصْنُوْعَاتِ أوْ مَثَلُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى.

(تفهيمات إلٰهية:۲/۴۵)

ترجمہ: جو کوئی اجمیر (خواجہ معین الدین چشتی ؒ کے مزار پر) یا (بہرائچ) سالار مسعود غازیؒ کی قبر پر یا اس کے مثل کسی اور مزار، یا درگاہ پر اپنی کوئی حاجت طلب کرنے کے لیے جائے، تو اس نے اتنا بڑا گناہ کیا جو خون ناحق اور زنا سے بھی زیادہ بڑا ہے، اس شخص کا حال بالکل ایسا ہے جیسا ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں اور لات وعزیٰ کی پرستش کرنے والے کا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اس پرجلال ارشاد سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ان کے زمانہ کے جاہل مسلمانوں میں قبر پرستی اور اولیاء کے مزارات پر جا کے حاجت طلبی کی وباء اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ شاہ صاحب جیسے حکیم وحلیم مصلح کی روح تڑپ اٹھی اور ان کے قلب کا غیظ اس طرح ان کی نوکِ قلم پر آ گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا وصال ۱۱۷۶ھ میں ہوا ہے، اس کے تقریباً چالیس پچاس سال بعد ان کے پوتے شاہ اسماعیل شہید کی اصلاحی جدوجہد کا دور شروع ہوتا ہے، آپ نے بھی ہوش سنبھالا تو وہی منظر دیکھا، جس نے ان کے دادا کی روح کو تڑپا دیا تھا؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ خراب صورتِ حال تھی، آپ نے عوام کی اصلاح کے لیے ایک طرف مواعظ

کا سلسلہ شروع کیا، جن کا خاص موضوع توحید وسنت کی طرف دعوت دینا تھا، تو دوسری طرف اردو زبان میں ایک مستقل کتاب "تقویۃ الایمان" تصنیف فرمائی جس میں قبر پرستی وغیرہ شرک کی ان سب شکلوں اور قسموں پر جو جاہل مسلمانوں میں رائج تھیں، اپنے دادا شاہ ولی اللہ صاحب والے جلالی انداز میں؛ بلکہ اپنے جدِ اعلیٰ فاروق اعظمؓ کے فاروقی انداز میں کلام کیا، اللہ ہی جانتے ہیں کہ اس کتاب کے ذریعہ اس کے کتنے بندے شرک کی تاریکیوں سے نکل کر توحید کے اجالے میں آئے اور بدعت کی تاریک راہوں میں بھٹکے ہوئے انسانوں نے سنت کی صاف روشنی میں جنت کا راستہ اپنایا۔

تقویۃ الایمان کے خلاف پروپیگنڈہ

"تقویۃ الایمان" کی یہ خالص اسلامی توحید، شاہ صاحب کے کچھ ہم عصر علماء کو ناگوار محسوس ہوئی اور اولیاء کی محبت میں غلو کرنے والوں نے محسوس کیا کہ جو شخص اس کتاب کو دیکھے گا وہ بدعات سے تائب ہوجائے گا؛ مگر ان کے پاس اس کا کوئی توڑ نہیں تھا؛ اس لیے انہوں نے پینترا بدل کر حملہ کیا اور عوام میں خوب پروپیگنڈہ کیا کہ "تقویۃ الایمان" کے مصنف نے اپنی اس کتاب میں رسول ﷺ اور اولیاء کرام کی شان میں سخت گستاخیاں کی ہیں؛ تاکہ عوام کتاب اور اس کے مصنف سے بدظن ہو کر اس سے استفادہ کرنا چھوڑ دیں؛ چنانچہ ہندوستان بھر کے اس وقت کے حامیانِ بدعت نے اس میں حصہ لیا، جن میں "علمائے بدایوں" پیش پیش تھے۔ ماہنامہ "فاران" کراچی کے فاضل ایڈیٹر جناب ماہر القادری صاحب بدایونی لکھتے ہیں کہ

"اب میں ان علماء کے نام درج کرتا ہوں جن میں اکثر وبیشتر حضرت اسماعیل شہیدؒ کے مسلک کے موافق نہ تھے اور بعض کھل کر مخالف تھے۔ بدایوں میں مفتی ابو الحسن عثمانی، مولوی فضل رسول عثمانی، مولوی علی بخش صدر الصدور، مدراس میں مولوی ارتضا گوپاموی، ناسک میں خان بہادر مولوی عبد الفتاح مفتی، کلکتہ میں قاضی نجم الدین کاکوروی، مراد آباد میں مولوی عبد القادر چیف، دہلی میں مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا

فضل امام خیر آبادی، مولانا فضل حق خیر آبادی، منشی فضل عظیم خیر آبادی (فرزند اکبر مولانا فضل امام خیر آبادی) مولوی محمد صالح خیر آبادی، (برادر مولانا فضل امام خیر آبادی) یہ تمام حضرات ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں منصبِ افتاء وقضاء اور سر رشتہ داری اور صدر الصدور کے عہدوں پر فائز تھے (بریلویت ماہر القادری کی نظر میں، ص: ۱۷)

پھر چودھویں صدی ہجری کے شروع میں پروپیگنڈہ کی اس مہم کا جھنڈا بریلی کے مولوی احمد رضا خاں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا، انہوں نے داعیٔ توحید وسنت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے خلاف کتابوں کے انبار لگادیے جن میں ستر ستر وجوہ سے آپ کو کافر ثابت کیا اور اللہ ورسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کا مجرم قرار دیا، تفصیل کے لیے دیکھئے، خاں صاحب کے رسالے الکوکبة الشِّھابیة اور سَلُّ السّیوفِ الھندیّة وغیرہ۔

اکابر دیوبند کے خلاف پروپیگنڈہ

پھر یہی حربہ انہوں نے خاندانِ ولی اللّٰہی کے علمی وروحانی وارثین اوران کے خاص مشن دعوتِ توحید وسنت کے علم بردار اکابر علمائے دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ وغیرہ کے خلاف استعمال کیا، ان حضرات کو خاں صاحب نے ختم نبوت کا منکر، اللہ تعالیٰ کا مُکَذِّب اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرنے والا قرار دے کر فتوی لگایا کہ یہ سب کافر ومرتد اور واجبُ القتل ہیں، اور جو کوئی ان کے کافر ومرتد ہونے میں شبہ کرے، وہ بھی کافر ومرتد اور واجب القتل ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے "تمہید الایمان" اور "حُسامُ الحرمین" وغیرہ)

پروپیگنڈے کا مقصد

خاں صاحب کا بزرگانِ دین کو کافر ومرتد کہنا اور اس کا پروپیگنڈہ کرنا بعینہٖ ایسا ہے جیسا روافض اور شیعہ نعوذ باللہ صحابۂ کرام کو کافر ومرتد کہتے ہیں اور شیخینؓ کی شان میں

گستاخی کرتے ہیں ـــــ جس کا مقصد عوام کو اُن اکابرین سے بدظن کر کے اپنی طرف متوجہ کرنا ہے؛ تاکہ لوگ ان حضرات کی بات پر کان نہ دھریں اور خاں صاحب کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنسے رہیں، ماہ نامہ ''فاران'' کراچی کے فاضل ایڈیٹر جناب ماہر القادری بدایونی اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''راقم الحروف جس گاؤں میں پیدا ہوا اور پلا بڑھا ہے، وہاں صد فیصد مسلمان بریلوی عقائد رکھتے تھے، ہم بچوں کو بچپن ہی سے یہ بتایا گیا تھا کہ وہابی دُرود شریف نہیں پڑھتے اور رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے کد اور عناد رکھتے ہیں، ایسے افتراء پردازوں اور جھوٹی افواہیں پھیلانے والوں کا نہ جانے کیا حشر ہوگا؟ اور دیوبندیوں کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی تنقیص کرتے ہیں اور یہ گلابی وہابی ہیں، اور وہابی ہوں یا دیوبندی یہ دونوں گروہ گمراہ ہیں؛ بلکہ کافر ہیں، بریلوی خیال کے علماء کی زبانی یہ باتیں سن سن کر راقم الحروف کے دل میں اہلِ حدیث اور دیوبندیوں کے خلاف شدید نفرت بیٹھ گئی تھی، میں کسی کتاب پر علمائے دیوبند کے نام تعظیمی القاب کے ساتھ لکھا ہوا دیکھتا تو ان الفاظ کو کاٹ کر اپنے قلم سے گالیاں لکھ دیتا''۔

(بریلویت ماہر القادری کی نظر میں، ص:۶۱-۶۲)

یہ تھا پروپیگنڈے کا اثر جس سے ماہر القادری صاحب جیسے حق کے متلاشی تو چھٹکارا پاسکتے تھے؛ لیکن اَن پڑھ اور دین سے ناواقف لوگوں کا پروپیگنڈے کے دَلدل سے نکلنا مشکل ہے۔

خاں صاحب کے کچھ حالات

خاں صاحب سرمہ اور فرنیچر کے مشہور شہر ''بریلی'' میں ۱۴/ جون ۱۸۵۶ء مطابق ۱۰/شوال ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے، پیدائشی نام ''محمد'' رکھا گیا، ان کی ماں نے ان کا نام ''امّن میاں''، باپ نے ''احمد میاں'' اور دادا نے ''احمد رضا'' رکھا۔

(اعلیٰ حضرت بریلوی ص:۱، مصنفہ نسیم بستوی)

اور خاں صاحب نے خود اپنا نام عبدُ المُصطفٰی رکھا، فتاوی رضویہ کی جلد یازدہم کے مقدمہ میں ہے:

آپ کی ولادت باسعادت ظہر کے وقت بہ روز شنبہ ۱۰/شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴/ جون ۱۸۵۶ء محلّہ: جسولی، شہر: بریلی، یوپی (انڈیا) میں ہوئی، پیدائشی نام: محمد، تاریخی نام: المختار (۱۲۷۲ھ) اور عرف احمد رضا قرار پایا اور خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے نام کے ساتھ عبد المصطفی لگا کر غلامیٔ بارگاہِ مصطفیٰ کا نشان قائم کیا۔

(حیات امام اہلِ سنت، فتاوی رضویہ کی جلد یازدہم کا مقدمہ، ص:۲)

اور ماہر القادری صاحب "زلزلہ" نامی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مولانا بریلوی کی شدتِ مزاج کا وہ عالم تھا کہ وہابیوں اور دیوبندیوں کو چڑانے کے لیے اپنا نام "عبدالمصطفی" رکھا؛ حالاں کہ کسی صحابی، تابعی، تبعِ تابعی، تفسیر، حدیث اور فقہ کے کسی امام کا نام عبدالمصطفی یا عبدالنبی یا عبدالرسول سننے یا پڑھنے میں نہیں آیا، عقیدت کا یہی وہ غلو ہے، جسے دین میں ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے" (بریلویت ماہر القادری کی نظر میں، ص:۱۱۰)

اور ان کے معتقدین ان کو "اعلیٰ حضرت" سے یاد کرتے ہیں، اس کے علاوہ ان کے معتقدین ان کو فاضل بریلوی، امام اہلِ سنت اور مجددِ مأۃ حاضرہ وغیرہ بھی کہتے ہیں:

خاں صاحب جسمانی اعتبار سے نحیف اور کمزور اور بہت سے امراض کے شکار تھے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے اعلیٰ حضرت بریلوی، ص:۲۰، اور حیات اعلیٰ حضرت، ص:۳۵)

خاں صاحب کا رنگ نہایت کالا تھا؛ اسی لیے حضرت مولانا چاند پوریؒ نے خاں صاحب کے رد میں ایک کتابچہ لکھا ہے، جس کا نام ہے: **الطِّینُ اللاَّزِب علی الأسودِ الکاذب** (چپکنے والی مٹی کالے کذاب پر) خاں صاحب کے بھتیجے حسنین رضا صاحب کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اعلی حضرت آغازِ عمر میں نہایت گندمی رنگ کے مالک تھے؛ لیکن جدوجہد نے آپ کا رنگ تبدیل کر دیا تھا اور ان کے چہرے کی رونق کو ختم کر دیا تھا۔ (اعلیٰ حضرت بریلوی، ص:۲۰، بحوالہ البریلویہ)

خاں صاحب کا گھرانہ علمی تھا، ان کے والد: نقی علی اور دادا: رضا علی دونوں عالم تھے،

خاں صاحب نے بھی اپنے باپ دادا کی پیروی کرتے ہوئے ابتدائی تعلیم مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی مرزا غلام قادر بیگ سے حاصل کی اور اکثر علوم اپنے والد نقی علی خاں سے پڑھے، خاں صاحب گھر کے خوش حال تھے؛ اس لیے فراغت کے بعد تصنیف وتالیف کے میدان میں قدم رکھا۔

خاں صاحب کی تیز مزاجی اور دُشنام طرازی

خاں صاحب کے مزاج میں انتہائی درجہ کی شدت اور قلم میں بے باکی اور دشنام طرازی تھی، ماہر القادری صاحب ''زلزلہ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علمائے دیوبند کے ان عقائد سے جو کتاب وسنت کے عین مطابق ہیں، بدایوں اور بریلی کے علمائے نے شدید اختلاف کیا، مولانا احمد رضا خان بریلوی تو ساری عمر علمائے دیوبند کی تضحیک وتکفیر ہی کا کام انجام دیتے رہے، ان مسائل میں ان کی شدت اور قلم کے بے باک اور دشنام طراز ہونے کا یہ عالم رہا ہے کہ ''وہابی، قادیانی، دیوبندی، نیچری، چکڑالوی جملہ مرتدین ہیں کہ ان کے مرد یا عورت کا تمام جہاں میں جس سے نکاح ہوگا، مسلم ہو یا کافر، اصلی مرتد انسان ہو یا حیوان، محض باطل اور زنا خالص ہوگا اور اولا د ولد الزنا''۔ (ملفوظات حصہ دوم، ص:۱۰۰ بحوالہ بریلویت ماہر القادری کی نظر میں ص:۱۰۹)

اور ''فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں'' نامی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ماہر القادری صاحب ارقام فرماتے ہیں:

''راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے مزاج کی شدت سنجیدگی کی حدود کی پابند نہ تھی، بریلوی مسلک مولانا احمد رضا خاں صاحب کی تکفیر کے فتوؤں کی وجہ سے مشہور ہوگیا، واقعہ یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان ان مسائل وعقائد میں علمائے بدایوں کے مقلد اور خوشہ چیں ہیں، مولانا فضل رسول بدایونی نے مولانا فاضل بریلوی کے پیدا ہونے سے پہلے ''وہابیہ'' کی مخالفت کی تھی، اسی عقیدت اور احترام کی بناء پر مولانا بریلوی نے مولانا فضل رسول بدایونی کے فرزند مولانا محبِّ رسول عبد القادر بدایونی

کی شان میں قصیدہ لکھا ہے؛ مگر ''اذانِ ثانی'' کے مسئلہ پر جب علمائے بدایوں نے مولانا احمد رضا خاں صاحب سے اختلاف کیا، تو بریلی سے اس قدر سخت اور کرخت اور اہانت آمیز جوابات دیے گئے کہ علمائے بدایوں کو سرکاری عدالت میں ''ازالۂ حیثیتِ عرفی'' کا دعوی دائر کرنا پڑا، نواب حامد علی خاں والیٔ رام پور نے بیچ میں پڑ کر اس مقدمہ کو ختم کرایا۔

مولانا فاضل بریلوی اور ان کے معتقد علماء کا خود اپنے مسلک کے علماء کے ساتھ یہ سلوک ہے تو پھر بہ دیگراں چہ می رسد!! (بریلویت ماہر القادری کی نظر میں، ص:۴۷)

خاں صاحب کی تکفیری مہم کی مفصل تاریخ

خاں صاحب کا محبوب مشغلہ علمائے امت کی تکفیر تھا، جس نے چودھویں صدی ہجری میں پورے ہندوستان میں ـــــ جو پہلے ایک ملک تھا اور اب تین حصوں میں بٹ گیا ہے اور جس میں دنیا کے سارے ملکوں سے زیادہ مسلمان آباد ہیں ـــــ وسیع پیمانہ پر اختلاف و افتراق اور جنگ وجدال کی آگ بھڑکائی تھی؛ اس لیے خاں صاحب کے اس اہم کارنامہ کی مفصل تاریخ پیش کی جاتی ہے۔

مولانا محمد عارف صاحب سنبھلی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں کہ

''جہاں تک ہمارا علم اور مطالعہ ہے، وسیع پیمانہ پر مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی تکفیری مہم کا جوش وخروش اس وقت شروع ہوا جب ۱۳۱۱ھ میں کانپور کے ایک جلسہ میں ـــــ جس کے خاص داعی اور محرک حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ تھے، اور جس میں ہندوستان بھر کے مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے اکابر علماء اور مشاہیر شریک تھے، اور خود مولوی احمد رضا خاں صاحب بھی شریک تھے ـــــ ندوۃ العلماء کے نام سے علمائے ہند کی ایک وسیع المقاصد انجمن یا مجلس کے قیام کا فیصلہ کیا گیا''۔

انجمن ندوۃ العلماء کے خلاف خاں صاحب کی جنگ

مولوی احمد رضا خاں صاحب کسی بات سے ناراض ہوکر جلسہ کے اختتام سے پہلے

ہی واپس ہو گئے، اور ندوۃ العلماء کے خلاف اشتہار بازی اور رسالہ بازی کی ایک طوفانی مہم شروع کر دی، خاں صاحب کے ایک خلیفہ مولوی محمود جان صاحب کاٹھیاواڑی نے ان کی ایک منظوم سوانح عمری "ذکرِ رضا" کے نام سے لکھی ہے، اس میں ان کے سب سے بڑے اور درخشاں کارنامہ کی حیثیت سے اس بات کو ذکر کیا ہے کہ

"اعلیٰ حضرت نے ندوہ اور ندوہ والوں کے رد میں بے گنتی اشتہار کے علاوہ سو (۱۰۰) کے قریب رسالے لکھے اور ندوہ کا نام ونشان مٹا دیا۔" (ذکر رضا، ص:۱۱)

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ندوۃ العلماء کے خلاف یہ تکفیری مہم ۱۳۱۳ھ سے چلانی شروع کی تھی، برسوں تک پورے زور وشور سے یہ گولہ باری ہوتی رہی، یہاں تک کہ حرمین شریفین کے علماء سے بھی ان کے کفر کا فتویٰ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حاصل کیا اور **فتاوَی الحرمین برجف ندوۃ المین** کے نام سے چھپوا کر ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا۔

ندوہ والوں کے پاس اگرچہ اصحابِ علم وقلم کی فوج کی فوج تھی؛ لیکن ان بریلوی خاں صاحب کے تکفیری اشتہاروں اور رسالوں کی نہ تھمنے والی بارش کو دیکھ کر انہیں بالآخر یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ خیریت اسی میں ہے کہ ان کی باتوں کا کوئی نوٹس نہ لو اور کوئی جواب نہ دو، بس اپنے کام میں لگے رہو۔

ندوۃ العلماء کے بعد اکابر علمائے دیوبند پر نظرِ عنایت

اکابر علمائے دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور ان کے رفقاء انگریزی حکومت کے خلاف ۱۸۵۷ء کی جنگ میں شاملی کے محاذ پر ناکام ہو جانے اور پورے ہندوستان پر انگریزوں کا پورا تسلط قائم ہو جانے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے؛ بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں ڈالا کہ اب اس ملک میں اللہ کے مقدس دین کی خدمت اور حفاظت کا خاص ذریعہ ایسے مدارس ہوں گے، جن میں مخصوص طرز کی دینی تعلیم وتربیت سے وہ افراد تیار کیے جائیں جو رسول اللہ ﷺ کی امانتِ علم وہدایت کے وارث وامین ہوں، اور دین کو اپنے جان ومال اور ہر چیز سے زیادہ

عزیز سمجھیں اور اپنی زندگیاں اسی کے لیے وقف کردیں۔

اس منصوبے کے مطابق ان حضرات نے سب سے پہلے ضلع سہارنپور کے قصبہ دیوبند میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا، اللہ نے اس میں برکت دی، اور چندہی برسوں میں اس شجرۂ طیبہ کے یہ ثمرات دیکھنے میں آئے کہ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی شیخ الہند، حضرت مولانا احمد حسن امروہوی اور بعد کے طبقات میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی حکیم الامت، حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہم اللہ جیسے حضرات پیدا ہوئے جو علمِ نبوت کے حامل ووارث ہونے کے ساتھ امت کے لیے ائمۂ رشدوہدایت اور ملتِ اسلامیۂ ہندیہ کے دین وایمان کے پاسبان بھی تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں یہ ٹھوس تعلیمی وتربیتی اور تعمیری کام اخلاص وللّٰہیت اور پوری خاموشی کے ساتھ ہوتا رہا، اس کے فضلاء ملک میں پھیلتے رہے جو جہاں جا کر بیٹھ گیا، اپنے اخلاص وللّٰہیت اور امت کی بے لوث دینی خدمت کی وجہ سے اس خطہ کے مسلمانوں کا مرجع بن گیا، پھر اسی مقصد کے لیے اسی طرز پر مختلف شہروں میں اور بھی متعدد مدرسے ان حضرات نے قائم کیے، یہ سب دارالعلوم دیوبند ہی سے نکلی ہوئی نہریں اور اسی شجرۂ طیبہ کی شاخیں تھیں، اور یہ امت مسلمہ ہندیہ کے دینی قلعے اور اسلامی شریعت کی چھاؤنیاں تھیں۔

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر کو ملک میں علم ودین کے لحاظ سے ایک خاص مرجعیت اور مرکزیت حاصل ہوگئی اور یہاں کے باخبر اور باشعور مسلمان دارالعلوم دیوبند کو ہندوستان میں دینِ محمدی کا مرکزی قلعہ سمجھنے لگے۔

ٹھیک اس وقت جب کہ دارالعلوم دیوبند اور اکابر علمائے دیوبند کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقبولیتِ عامہ کا یہ مقام حاصل ہوا، مولوی احمد رضا خاں صاحب نے —— جو تقریبًا دس سال سے ندوۃ العلماء کے پیچھے پڑے ہوئے تھے اور اپنے نزدیک ندوہ کی انجمن کو درہم برہم کرکے اس مہم کو سر کرچکے تھے —— اپنی نظرِ عنایت ان اکابر علمائے دیوبند کی طرف پھیردی، ۱۳۲۰ھ میں ان کی کتاب المعتمد المستند چھپی، جس میں پہلی دفعہ

اکابر جماعتِ دیوبند؛ حضرت مولانا نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ وغیرہ کی قطعی تکفیر کی اور لکھا کہ ''یہ ایسے کافر اکفر ہیں کہ جو کوئی ان کے کفر میں شک وشبہ کرے وہ بھی قطعی کافر اور جہنمی ہے''۔

صرفِ نظر کا فیصلہ

کافی مدت تک تو اکابرِ دارالعلوم دیوبند کو خاں صاحب کی اس کتاب اور اس میں کیے گئے تکفیری حملے کی اطلاع ہی نہیں ہوئی، پھر غالباً ۱۳۲۳ھ میں مولانا محمد مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ کو جو اس وقت دارالعلوم کے جوان العمر فاضل تھے، کہیں سے اس کا پتا چلا، انہوں نے کسی طرح کتاب حاصل کی اور اپنے استاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی احمد رضا خاں نے اب ہم لوگوں کی طرف رخ کیا ہے، مجھے جواب دینے کی اجازت دی جائے، میں ان سے نمٹ لوں گا، جب مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے زیادہ اصرار کیا تو شیخ الہندؒ ان کو ساتھ لے کر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو جماعتِ دیوبند کے مقتدا اور دارالعلوم کے سرپرست تھے، مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ نے وہی بات حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں عرض کی، حضرت نے فرمایا کہ ارے بھئی! تم کہاں تک اس شخص کی باتوں کا جواب دو گے؟ اور کہاں تک کتابیں لکھو گے؟ وہ تو روز روز نئے الزام گھڑے گا اور کتابوں پر کتابیں لکھے گا اور اشتہاروں پر اشتہار چھاپے گا، اس کو دنیا میں بس یہی کام ہے، شاید یہی اللہ نے اس کے لیے مقدر کر دیا ہے، ندوہ والوں کے ساتھ جو کچھ اس نے کیا ہے وہ سامنے ہے؛ اس لیے میری رائے تو یہی ہے کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور دینی خدمت کے لیے اپنے کام میں لگے رہو، اپنی آخرت کی فکر کرو ـــــ بہر حال اس وقت یہی طے پایا کہ خاں صاحب کی ان الزام تراشیوں کا کوئی جواب نہ دیا جائے، اس وقت تک مولوی احمد رضا خاں کے اس فتنہ کا عام مسلمانوں پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا؛ بلکہ کوئی خاص چرچا بھی نہیں ہوا تھا؛ کیوں کہ یہ کتاب المعتمد المستند عربی میں تھی۔

خاں صاحب کی فریب کاری اور ''حسام الحرمین'' کا فتنہ

غالباً اپنے اس تکفیری فتوے کی بے اثری دیکھ کر خاں صاحب نے ۱۳۲۳ھ کے آخر میں حرمین شریفین کا سفر کیا اور اکابر علمائے دیوبند کی تکفیر کا ایک فتوی مرتب کر کے، وہاں کے علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کی خدمت میں پیش کیا اور نہایت مکارانہ اور پُر فریب انداز میں ان حضرات سے فریاد کی کہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں پر بڑا سخت وقت آ گیا ہے، وہاں ارتداد اور زندقہ کی آندھیاں چل رہی ہیں، کچھ لوگ مسلمانوں ہی میں جن کو عوام، علماء اور مشائخ بھی سمجھتے ہیں، ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو نہایت خبیث قسم کے کافرانہ عقیدے رکھتے ہیں، رسول پاک ﷺ کی شان عالی میں گستاخیاں کرتے ہیں، عقیدۂ ختم نبوت کے منکر ہیں، اللہ تعالیٰ کو اور اس کے کلام کو معاذ اللہ جھوٹا کہتے ہیں اور لوگ ان کو عالم مولوی سمجھ کر ان کی باتوں کو قبول کر رہے ہیں، ہم غرباء اور ضعفاء سے جہاں تک ہو سکتا ہے ہم اس فتنہ کا مقابلہ کر رہے ہیں، لیکن ہمارے ملک میں اس فتنہ نے طوفانی آندھی اور سیلاب کی شکل اختیار کر لی ہے، آپ حضرات یعنی حرمین شریفین کے علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کی مدد کے بغیر اس فتنے کو روکنے میں ہم کامیاب نہیں ہو سکتے، آپ حضرات اللہ کے مقدس شہر مکہ مکرمہ کے اور اس کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کے پاک شہر مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں، ہندوستانی مسلمانوں کے قلوب میں آپ کی خاص عظمت اور وقعت ہے، اگر آپ حضرات ان مرتدین کی تکفیر کے اس فتوے کی تصدیق فرما دیں تو ہمارے ملک کے عام مسلمان اس فتنے سے محفوظ ہو جائیں گے، ورنہ یہ فتنہ ایسا شدید اور طوفانی ہے کہ ان کا ایمان پر قائم اور ثابت رہنا سخت مشکل ہے۔

الغیاث الغیاث یا خیل اللہ ❁ یا فُرسانَ عساکرِ رسولِ اللہ

المدد المدد اے خدا کے لشکر و ❁ المدد اے لشکر محمدی کے شہسوارو

الغرض مولوی احمد رضاں خاں صاحب نے حرمین شریفین کے ان علمائے کرام کے سامنے ـــــ جو اصل واقعات اور حالات سے بالکل بے خبر تھے اور اردو زبان نہ جاننے کی

وجہ سے اکابرِ جماعت دیوبند کی وہ کتابیں بھی نہیں پڑھ سکتے تھے جن کی طرف مولوی احمد رضا خاں نے انکارِ ختم نبوت اور رسول اللہ ﷺ کی توہین و تنقیص جیسے کافرانہ مضامین منسوب کیے تھے —— اپنا جعلی فتوی اس انداز میں اس تمہید کے ساتھ پیش کیا کہ گویا ہندوستانی مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت اب بس اسی فتوے سے اور اس پر علمائے حرمین کی تصدیقی مہریں لگ جانے سے وابستہ ہے، اگر یہ نہ ہوا تو خدانخواستہ وہ سب مرتد اور شدھی ہو جائیں گے —— خاں صاحب کا یہ مکارانہ پرفریب بیان "حسام الحرمین" کی تمہید میں دیکھا جاسکتا ہے۔

حرمین شریفین کے بہت سے نیک دل علماء نے مولوی احمد رضا خاں کی ان پرفریب باتوں کو حقیقت اور واقعہ سمجھا، اور انہوں نے خاں صاحب کے اس تکفیری فتوے پر تصدیقیں لکھ دیں، اور پھر یہی فتوی اردو ترجمہ کے ساتھ "حسام الحرمین" کے نام سے شائع ہوا، اور پروپیگنڈہ کی پوری طاقت کے ساتھ پورے ملک میں ہنگامہ اور شور برپا کر دیا گیا کہ جماعتِ دیوبند کے ان اکابر اور مشاہیر —— حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ —— کے متعلق مکہ، مدینہ کے علماء نے بھی یہی فتوی دیا ہے کہ یہ سب ایسے قطعی کافر اور مرتد ہیں کہ جو شخص ان کے کافر اور جہنمی ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر اور جہنمی ہے، اور ان میں سے ایک ایک کے قتل کرنے میں ہزار کافروں کے مارنے سے زیادہ ثواب ہے۔ مَعَاذَ اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰه.

اکابر علمائے دیوبند کی طرف سے مدافعت اور جواب کا فیصلہ

یہ واقعہ ۱۳۲۵ھ کا ہے، میں نے اپنے بعض اکابر سے سنا ہے کہ مولوی احمد رضا خاں کی اس مکارانہ چال نے اور بے پناہ پروپیگنڈوں نے ہندوستانی مسلمانوں میں ایک اضطراب پیدا کر دیا، اور بہت سے وہ لوگ جو مولوی احمد رضا خاں کی بدنامِ زمانہ فتوے بازی سے بالکل اثر نہیں لیتے تھے، علمائے حرمین کے نام سے اس فتنے میں مبتلا ہو گئے، اور

حالات ایسے ہو گئے کہ خاموشی اور صرفِ نظر کی کوئی گنجائش نہیں رہی، اور شرعاً یہ ضروری ہو گیا کہ اس افتراء پردازی کی تردید کی جائے، اور اللہ کے بندوں کو اس فتنے میں مبتلا ہونے سے بچایا جائے۔

اس فتوے میں جن چار بزرگوں کی کتابوں اور تحریروں پر کفر کا حکم لگایا گیا تھا، ان میں سے صرف دو اس وقت بقید حیات تھے، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ، ان دو بزرگوں نے اسی زمانہ میں اپنے اپنے بیانات دیے، جن میں صراحت کے ساتھ لکھا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے "حسام الحرمین" میں ہم لوگوں کی طرف جو عقائد اور جو مضامین منسوب کیے ہیں، وہ ان کا ہم پر محض افتراء اور بہتان ہے، ایسے عقیدے رکھنے والوں کو ہم خود خارج از اسلام سمجھتے ہیں —— ان بزرگوں کے یہ بیانات اسی زمانہ میں مختلف رسالوں میں شائع ہوئے تھے؛ بلکہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کا بیان تو "بسط البنان" کے نام سے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں بھی شائع ہوا تھا۔

اسی زمانہ میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ خاں صاحب اپنے تکفیری فتوے پر حرمین شریفین کے علماء کی تصدیق حاصل کر کے جب ہندوستان لوٹے تو حرمین شریفین کے بعض علماء کو معلوم ہوا کہ اس ہندوستانی مولوی (احمد رضا خان) نے جس تکفیری فتوے پر ہم سے تصدیق کرائی ہے، اس میں دوسرے فریق کے عقائد کے بارے میں غلط بیانی کی گئی ہے، ان لوگوں کے عقیدے ایسے نہیں ہیں، اس پر وہاں کے بعض علمائے کرام نے خود علمائے دیوبند کی طرف رجوع کر کے معاملہ کی تحقیق کرنا ضروری سمجھا؛ چنانچہ مولوی احمد رضا خاں نے اپنے فتوے میں اکابر علمائے دیوبند کی طرف جو عقیدے منسوب کیے تھے، اور اس کے سوا اور بہت سی باتیں جو ان کے بارے میں زبانی ان حضرات سے کہی تھیں، ان سب امور سے متعلق ان حضرات نے سوالات لکھ کر علمائے دیوبند سے ان کا جواب چاہا، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے ان کا مفصل جواب تحریر فرمایا اور وہ جواب حرمین شریفین کے علمائے کرام کے پاس بھیجا گیا، ان تمام حضرات نے ان جوابات پر اطمینان

ظاہر کیا اور لکھا کہ یہی عقیدے اہل سنت والجماعت کے ہیں اور ان میں کوئی بات بھی مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف نہیں ہے۔

یہ سوالات و جوابات ہندوستان اور حرمین شریفین کے علمائے کرام کی تصدیقات کے ساتھ اسی زمانہ میں اردو ترجمہ کے ساتھ کتابی صورت میں اَلْمُهَنَّدُ عَلَى الْمُفَنَّدِ معروف بہ التّصديقات لدفع التّلبيسات کے نام سے شائع ہو گئے تھے۔

الحمدللہ !ان چیزوں کی اشاعت سے وہ فتنہ جو ''حسام الحرمین'' کی وجہ سے ہندوستان میں برپا ہوا تھا، بڑی حد تک فرو ہو گیا، پھر اسی دور میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی ؒ اور حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوریؒ نے ''حسام الحرمین'' کے مفصل جوابات بھی لکھے جن میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ دکھلایا کہ خاں صاحب نے ''حسام الحرمین'' میں اکابر علمائے دیوبند کی طرف جن عقیدوں کو منسوب کیا ہے، ان کی حقیقت جعل اور فریب کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، ان رسالوں نے معاملہ کو اور بھی زیادہ منقح کر دیا۔

خاں صاحب: شریف مکہ کی عدالت میں

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ ''شہاب ثاقب'' میں احمد رضا خاں صاحب کے مکر و فریب اور جعل سازی کا حال بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

صاحبو! جب کہ مجدد بریلوی صاحب مکہ معظمہ میں وارد ہوئے، اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد ایک محضرِ طویل جناب شیخ محمد صاحب نقش بندی رام پوری سلمہ کی خدمت میں اس غرض سے پہنچا کہ شریف صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا جائے جس پر بہت سے حضرات کے دستخط اور مہریں تھیں کہ فلاں بن فلاں، فلاں شہر کا رہنے والا وہاں حاضر ہوتا ہے، یہ محض اعلیٰ درجہ کی خواہشاتِ نفسانی اور بدعات شیطانی میں مبتلا ہے، مسلمانوں کو عموماً اور علمائے کرام اور فضلائے عظام کی خصوصاً تضلیل و تفسیق کرتا ہے، اپنی شہرت اور خیالات فاسدہ کی وجہ سے سیکڑوں علماء کی تکفیر اور سب و شتم میں رسالے لکھ ڈالے ہیں،

عقائد فاسدہ لوگوں میں پھیلاتا رہتا ہے، اس نے زوج کو زوجہ سے، بیٹے کو ماں سے، بھائی کو بھائی سے جدا کرڈالا ہے، روزانہ نئے نئے فتنے برپا کرتا رہتا ہے، غرض کہ اسی قسم کے مضمون تھے اور کچھ عقائد بھی اس کے اس میں درج تھے، اور مقصد یہ تھا کہ شریف صاحب اس کی تنبیہ اور واقعی قرار سزا دیں۔

الحاصل اس محضر پر حضرت آفندی عبدالقادر شَیْبِی کنجی بردار خانۂ کعبہ شریف مطلع ہوئے، اس مضمون کو دیکھتے ہی بھرّا گئے، غصہ سے کانپ اٹھے، اور انہوں نے محضر لے لیا، اور کہا کہ میں محضر شریف کو دوں گا، الحاصل وہ محضر شریف صاحب کی خدمت میں پہنچا، شریف صاحب بھی نہایت غضبناک ہوئے اور ارادہ قید کرنے کا کیا، مجھے متعدد صحیح خبروں سے معلوم ہوا ہے کہ اس ارادہ پر شریف صاحب اور شَیْبِی صاحب عزم بالجزم کیے ہوئے تھے، مگر جناب شیخ محمد صاحب اور مولوی منور علی صاحب نے شَیْبِی صاحب کو بہت سمجھایا اور کہا کہ آپ ایسا نہ کریں، بلکہ اس سے اس کے خیالات وعقائد دریافت کرلیں، شاید کہ اس نے ان سے توبہ کرلی ہو ـــــ یہ حضرت اگرچہ مجدد بریلوی صاحب سے خود بھی تکلیف شاقہ اٹھائے ہوئے تھے، مگر غیرت قومی نے ان کی گوارہ نہ کیا کہ یہ قید خانہ کی سیر کرائے جاویں، ورنہ جملہ اہلِ ہند کی بدنامی ہوگی، کاش! یہ خیال ان کو دامن گیر نہ ہوتا ـــــ الحاصل اس رائے کو جب شَیْبِی صاحب نے مان لیا تو شریف صاحب سے بھی اس پر زور دیا گیا؛ چنانچہ شریف صاحب نے کہا: اُن کے عقائد کے بارے میں اُن سے سوال کرو، چوں کہ کوئی رسالہ مجدد بریلوی صاحب کا اس وقت موجود نہ تھا، اس لیے فقط اس تقریظ کی نسبت جو انہوں نے کسی رام پوری نام کے مولوی کے رسالہ کے اخیر میں لکھی ہے، اس میں ان سے تین سوال قائم کیے گئے۔

اوّل: یہ کہ تم نے یہ لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کو ازل سے ابد تک کی جملہ چیزیں معلوم ہیں۔ دوم: یہ لکھا کہ مثقال ذرہ بھی آپ ﷺ سے غائب نہیں۔ سوم: یہ کہ تم نے آخر تقریظ میں لکھا ہے: وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مَنْ هُوَ الأَوَّلُ وَالآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ، ان تینوں باتوں کی تفصیل اور جواب لکھو اور اپنا عقیدہ ظاہر کرو، اور جب تک اس کا جواب نہ

دیدو، اس وقت تک تم کو یہاں سے سفر کرنے کی اجازت نہیں، حالانکہ مجدد بریلوی صاحب حج سے فارغ ہو چکے تھے، مگر اس حکم کے آتے ہی سفر کرنے سے بند کر دیے گئے، اور ایک قسم کی قید میں پڑ گئے، بہت سٹ پٹائے، لینے کے دینے پڑ گئے کہ کہاں آئے تھے جناب مولانا خلیل احمد صاحب سلمہ کی فکر میں یہاں خود ہی پھنس گئے، آٹھ، دس روز تک اسی شش و پنج اور فکر والم میں رہے کہ کس طرح اس گردابِ بلا سے نکلوں اور کیوں کر چھٹکارا ہو؟! ہندوستان ہوتا تو شریف، شیبی، اہلِ مکہ سبھوں کی تکفیر کر کے ایک ہی تلوار سے قتل کر ڈالتا، مگر ہائے کیا کروں؟! حجاز ہے، دوسرا ملک ہے، یہاں آزادی نہیں، افسوس ریل بھی نہیں کہ بھاگ جاؤں، پر بھی نہیں کہ اڑ جاؤں، اگر اقرار کرتا ہوں تو قید خانہ اژدہا جیسا منہ لیے ہوئے تیار ہے، اور اگر انکار کرتا ہوں تو رسالہ مع مہر و دستخط کے موجود ہے، پھر معتقدین کو کیا منہ دکھاؤں گا؟! برسوں کی محنت برباد ہوئی جاتی ہے، مگر جب کوئی صورت خلاصی کی نہ ہوئی تو اپنا اصل پیشہ اور ذاتی عمل کام میں لائے خلط ملط اور گڑ بڑ عمل کیا۔

اوّل سوال کا جواب لکھا کہ ازل و ابد سے میری مراد وہ نہیں ہے جو کتب دینیہ اور دفاتر کلامیہ میں لیا جاتا ہے، میری مراد ازل سے ابتدائے دنیا ہے، اور ابد سے انتہائے دنیا، ماشاء اللہ، سبحان اللہ!!

صاحبو! ذرا سوچنے کی بات ہے کہ یہ کس قدر فریب دہی اور مکر کی بات ہے!! جب مسائلِ دینیہ خصوصا عقائد میں لفظ ''ازل'' کا آتا ہے، اس کے یہی معنی ہوتے ہیں: ما لَا ابتداءَ لہٗ یعنی جس کی ابتداء نہ ہو، اور اسی لیے خداوند کریم لفظ ازلی اور ابدی سے موصوف ہوتا ہے، مجدد صاحب تضلیلِ عالم کے واسطے عقیدہ تحریر کریں، اور ایک من گھڑت معنی اپنے دل میں لے لیں، بھلا اس کا کیوں کر اعتبار ہو سکتا ہے؟ آپ ہی فرمائیں کہ کوئی بولے لفظ آنب (آم) کا، اور اس سے املی مراد لیوے تو کوئی اس کی بات مان سکتا ہے؟ ہر گز نہیں، مگر ایسا نہ کرتے تو مساواتِ علم رسول ﷺ اور علم الٰہی کے مواخذہ میں گرفتار بھی ہو جاتے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ دیا کہ ''مثقال ذرہ'' نہیں کہا ہے، ترجمہ اردو سے عربی میں

غلط کیا گیا ہے۔

حضرات! ذرا اس مکر اور خداع کو خیال کیجئے، اس عبارت میں لفظ ''ذرہ بھر'' کا موجود ہے، پھر عربی میں اس کا ترجمہ: مقدار ذرہ ومثقال ذرہ نہیں تو اور کیا ہے؟ دیکھو کتب لغت اور محاوراتِ عرب کو کہ مثقال ذرہ اور اس کے امثال میں لفظ مثقال کے معنی مقدار اور وزن کے ہیں یا نہیں؟ اگر یہ جھوٹ اور فریب نہ کرتے تو چھٹکارا کیوں کر ہوتا؟! حالانکہ خود ان کا اور ان کے مقلدین کا مذہب یہی ہے کہ کوئی چھوٹی اور بڑی چیز رسول مقبول ﷺ سے غائب نہیں، افسوس صد افسوس! کہ مثل روافض تقیہ پر کمر باندھی اور جھوٹی باتیں بنائیں۔

تیسرے اعتراض کا جواب یہ دیا کہ عبارت میں چھاپہ والوں سے غلطی ہوئی ہے، میں نے یہ لکھا تھا: صَلَّى اللّٰهُ عَلَى مَنْ هُوَ مُظْهِرُ الأَوَّلِ وَالآخِرِ، مگر لفظ مُظْهِر کا رہ گیا۔

حضرات! ذرا غور فرمائیں کہ یہ کیا دھوکا دہی ہے؟ اس جواب سے ہر عاقل ان کا عاجز ہونا اور بغلیں جھانکنا اور فریب دینا سمجھ سکتا ہے، کیا جب رسالہ طبع ہونے کو گیا تھا کاپی کی تصحیح نہیں ہو سکتی تھی؟ ہم نے مانا کہ ایسا ہی ہوا تھا، مگر بعد چھپنے رسالہ کے جب آپ نے دیکھا یا آپ کے معتقدین نے تو غلط نامہ کیوں نہ چھپوا کر ملحق کر دیا تھا، تاکہ اس شرک صریح اور کفر خالص سے بچ جاتے، مگر جس کو نہ حیا ہو نہ جھوٹ بولنے سے کچھ گریز اس کو ایسی باتوں کی کیا پرواہ؟!

الحاصل یہ جوابات مع اظہار ان کے عقائد کے علم غیب میں شریف (مکہ) صاحب تک بعد ایک مدت کے پہنچے، جملہ ارا کین سمجھ گئے کہ محض بات بنانا ہے، کیوں کہ تحقیق جو کیا تو جواب غلط تھا، ذرہ بھر کے معنی جس سے پوچھے سبھوں نے مثقال ذرّۃ بتائے، ازل اور ابد کے معنی وہ خود ہی جانتے تھے، مگر ان کو اس کلام پر بھی بہت جوش آیا کہ وہ کہتا ہے: ابتدائے عالم سے انتہاء تک کہ جملہ ما کان وما یکون کا علم رسول اللہ ﷺ کو تھا، یہاں تک کہ شیخ شعیب مالکی سے جو آج کل مکہ معظمہ میں سب سے بڑے عالم ہیں، اور حلقۂ درس بھی حرم شریف میں ان کے برابر کسی کا نہیں ہوتا ہے، اور نیز شیخ صالح کمال کی جو مجدد بریلوی کے وکیل مفوض اور مختار عام بڑی مشکل سے ہو گئے تھے، گفتگو سخت کی نوبت آئی، شیخ صالح کمال مجدد صاحب کی طرف داری کرتے تھے، اور یہ دونوں علماء (یعنی شیخ شعیبی،

اور شیخ شعیب) جملہ اس کے خیالات وعقائد کا رد بہ دلائل واضحہ کرتے تھے، اور بالآخر شیخ صالح کو جب کوئی جواب موقع کا نہ بن پڑا، اور ان دونوں نے ان کو الزام دیا کہ اہل ضلال کی طرف داری کرتے ہو؟ اور پہلے بھی تم نے ایسا اور ایسا فلاں وجہ سے کیا تھا، تو رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہو کر شریف صاحب سے ان دونوں حضرات کی بابت کہا کہ آپ کی مجلس میں مجھ کو یہ لوگ اس قدر ذلیل کرتے ہیں، شریف صاحب نے گفتگو کرنے سے ان لوگوں کو منع کر دیا، ان دونوں حضرات نے چاہا کہ اس شخص کو ضرور سزا ہونی چاہیے، تا اینکہ خود عقائد فاسدہ سے توبہ کرے، مگر چونکہ شریف صاحب اپنی مجلس ہی میں جھگڑا دیکھ چکے تھے، انہوں نے فرمایا کہ اس شخص کو جلد یہاں سے نکال دینا چاہیے، تا کہ عوام پر اس کا کوئی اثر قبیح نہ پڑ جائے، چنانچہ وہاں سے حکم آیا کہ تم جلد یہاں سے چلے جاؤ، شریف صاحب کو جو جوش اور غضب اس شخص پر تھا، وہ حضّارِ مجلس ہی بیان کر سکتے ہیں، مگر بہ خوف انتشار عوام، دوم بغرض رعایائے اجنبیہ مناسب جانا کہ اس سے تعارض کرنا بہتر نہیں۔

(الشّہاب الثّاقب، ص:۲۳-۲۶، کتب خانہ اعزازیہ دیوبند)

فرنگی محل اور بدایونی علماء کی باری

پھر پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ھ کے بعد جب مقاماتِ مقدسہ پر یورپ کی اتحادی طاقتوں کا قبضہ ہو گیا، اور خلافتِ اسلامیہ نرغہ میں آ گئی اور ہندوستان میں تحریکِ خلافت اٹھی، اور یہاں تک کے نوے فیصد سے زیادہ علماء اپنے مسلکی اختلافات کو نظر انداز کر کے مقامات مقدسہ اور خلافت اسلامیہ کی حفاظت کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے، یہاں تک کہ وہ علمائے بدایوں بھی اس قافلہ میں شریک ہو گئے جو اب تک مولوی احمد رضا خاں کی تکفیری مہم میں ان کے پورے ہم نوا رہے تھے، تو مولوی احمد رضا خاں نے تحریکِ خلافت میں شریک ہونے والے ان تمام علماء کا نام ''فرقۂ گاندھویہ'' رکھا، اور اپنی عادت کے مطابق ان کے خلاف رسالوں اور اشتہاروں کی جنگ شروع کر دی، اور اس جنگ میں اپنا خاص نشانہ حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی

لکھنوی اور علمائے بدایوں کو بنایا۔

خاں صاحب کے بعد ان کی ذرّیت کا رویہ

خاں صاحب کا انتقال تو تحریکِ خلافت کے دَور (۱۳۴۰ھ) میں ہو گیا؛ لیکن وہ اپنے بعد اپنے اخلاف کی ایک خاص ٹولی چھوڑ گئے جس نے ان کے اس تکفیری کاروبار کو اسی طرح جاری رکھا، اگر کوئی صاحب اس رضا خانی بریلوی تکفیری فتنہ کے حدودِ اربعہ کو جاننا چاہیں تو اس کے لیے ان کو اس سلسلہ کی صرف ایک کتاب تَجَانُبُ أَهْلِ السُّنَّةِ عَنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ کا مطالعہ کافی ہوگا —— یہ کتاب ہمارے نزدیک خاں صاحب کے تکفیری مشن کا پورا آئینہ اور بریلوی فرقہ کا صحیفۂ جامعہ ہے۔

(ضمیمہ بریلوی فتنہ کا نیا روپ، ص:۲۱۲ تا ۲۲۳)

خاں صاحب کے زمانہ میں ہندوستان کے حالات اور خاں صاحب کی انگریز دوستی

پورے ہندوستان پر انگریزوں کا مکمل قبضہ تو پہلے ہی ہو چکا تھا؛ مگر ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر آزادئ وطن کے لیے جو آخری کوشش کی تھی وہ بھی ناکام ہو چکی تھی، لال قلعہ پر اسلامی پرچم کے بجائے یونین جیک لہرا رہا تھا، ایک ایک کر کے ہر اس شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، یا جلاوطن کر دیا گیا تھا، جس نے آزادئ وطن کے لیے تھوڑی بہت کوشش کی تھی، سیکڑوں علماء ہیں، جنہوں نے دار و رسن کی مظلومانہ موت کو لبیک کہا اور جامِ شہادت نوش فرما کر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے تو ہندوستان کے طول و عرض پر عیسیٰ مسیح کے مذہب کا جھنڈا لہرانے کے شوق میں عیسائی پادری سانپ بچھو کی طرح ظلمت کدۂ ہند کے چپہ چپہ میں رینگنے لگے تھے، ۱۸۵۷ء میں ''لارڈ مین گلشن'' ممبر پارلیمنٹ برطانیہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ

''خدا نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ سلطنتِ ہندوستان، انگلستان کے زیرنگیں ہے؛ تا کہ عیسی مسیح کی فتح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے، ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کار کی تکمیل میں صرف کرنی چاہیے، اور اس میں کسی طرح تساہل نہیں کرنا چاہیے''۔ (مقامع الحدید، ص:۵)

یہ تھے ہندوستان کے حالات، ان حالات میں خاں صاحب بریلوی اِعْلَامُ الْأَعْلَامِ بِاَنَّ هِنْدُوستان دَارُ الْإِسْلَام نامی کتابچہ لکھ کر اور ہزاروں کی تعداد میں شائع کر کے ہندوستان کو دار الاسلام بنانے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے، خاں صاحب خود اس کتابچہ کے صفحہ: ۲ پر لکھتے ہیں کہ

''ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ بلکہ علماء ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مذہب پر ہندوستان دار الاسلام ہے، ہرگز دار الحرب نہیں''۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک طرف جابر برطانیہ کے ساتھ جہاد کرنے والوں اور اس کے شدید ترین مخالفین کی بلا وجہ تکفیر کی جا رہی ہے تو دوسری طرف اس وقت کے ہندوستان کو جس پر حکومت برطانیہ کا تسلط تھا جو اسلام کے ایک ایک حلقہ کو توڑنے کے درپے تھی، دار الاسلام ثابت کرنے کی بھرپورے کوشش کی جا رہی ہے، ہر سمجھ دار آدمی اس سے بہ خوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اگر یہ انگریزوں کے اشارہ پر نہیں ہو رہا تھا تو کیا یہ انگریزوں کی دوستی سے کم تر کوئی چیز تھی؟۔

خاں صاحب کا وصال

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی ۲۵/صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء دو بج کر اڑتیس منٹ پر دار العمل سے کوچ کر کے دار الجزاء میں پہنچ گئے —— اور شہر بریلی میں مدفون ہوئے۔ (اعلی حضرت بریلوی اور سوانح اعلی حضرت وغیرہ)

خاں صاحب کی تصانیف کا تعارف

اس میں کوئی شک نہیں کہ خاں صاحب کثیر التصانیف اور بڑے لکھاڑ قسم کے آدمی تھے؛ مگر رضا خانی خاں صاحب کی تصانیف کی جتنی تعداد بیان کرتے ہیں، وہ مبالغہ سے خالی نہیں ہے؛ چنانچہ آج تک نہ کسی سوانح نگار نے خاں صاحب کی جملہ تصانیف کا مکمل تعارف پیش کیا ہے، نہ خاں صاحب کی جملہ تصانیف جن کا سوانح نگار تذکرہ کرتے ہیں طبع ہوئی ہیں؛ اس لیے ذیل میں خاں صاحب کی طبع شدہ مشہور تصانیف کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے:

(۱) العطایا النّبویّة في الفتاوی الرّضویّة: یہ خاں صاحب کے دارالافتاء سے صادر ہونے والے فتاوی اور مسائل کا مجموعہ ہے، جو کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ خاں صاحب کا سب سے بڑا تصنیفی کارنامہ ہے۔

(۲) کَنزُ الإیمانِ في ترجمةِ القرآن: یہ خاں صاحب کا ترجمہ کلام پاک ہے جو عام طور پر دستیاب ہے اور اس کے حاشیہ پر مولوی نعیم الدین مرادآبادی کی تفسیر خزائنُ العرفان في تفسیر القرآن ہے۔

(۳) احکام شریعت: اس میں مختلف مسائل ہیں اور تین حصوں پر مشتمل ہے۔

(۴) عرفانِ شریعت: اس میں بھی مختلف مسائل ہیں اور چند حصوں پر مشتمل ہے۔

(۵) فتاوی افریقہ: یہ فتاوی کا مجموعہ ہے اور اس کا پورا نام السّنیّة الأنیقة في فتاوی أفریقة ہے۔

(۶) ملفوظات: یہ خاں صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔

(۷) وصایا شریف: اس میں خاں صاحب کے کچھ احوال اور ایک وصیت نامہ ہے۔

(۸) حدائقِ بخشش: یہ خاں صاحب کے اشعار کا مجموعہ ہے، اس کے کل تین حصے ہیں؛ لیکن عام طور پر دو حصے دستیاب ہیں تیسرا حصہ جس کو مولوی حشمت علی خاں کے چھوٹے بھائی مولوی محبوب علی خاں لکھنوی نے مرتب کرا کے نابھ پریس نابھ (پنجاب)

سے شائع کیا ہے، وہ عام طور پر نہیں ملتا۔

(۹) مقاماتِ رضا۔

(۱۰) انوارِ رضا۔

(۱۱) اذکارِ حبیبِ رضا: یہ تینوں خاں صاحب کے مقالوں کے مجموعے ہیں۔

(۱۲) حسام الحرمین .

(۱۳) المعتمد المستند.

(۱۴) فتاوی الحرمین برجف ندوة المین: ان تینوں کا تعارف پہلے گذر چکا ہے۔

(۱۵) إهلاكُ الوهابين على توهينِ قبورِ المسلمين: اس میں قدیم قبرستان کی جگہ مکان تعمیر کرنے کا حکم بیان کرتے ہوئے، وہابیوں کو خوب برا بھلا کہا گیا ہے۔

(۱۶) سَلُّ السّيوف الهندية.

(۱۷) الكوكبة الشّهابيّة: ان دونوں رسالوں میں ندوہ والوں اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کا کفر ثابت کیا گیا ہے۔

(۱۸) سُبُلُ الأَصْفِيَاء في حكمِ الذَّبْحِ لِلْأَوْلِيَاء: اس میں اولیا کے نام پر جانور ذبح کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

(۱۹) أَبَرُّ المَقَالِ فِيْ استحسانِ قُبلةِ الإجلالِ: اس میں قدم بوسی وغیرہ کے مستحسن ہونے کا بیان ہے۔

(۲۰) إقَامةُ القيامة على طَاعِنِ القِيَامِ لنبي تهامة: اس میں میلاد کے وقت قیام کرنے کا ثبوت ہے۔

(۲۱) أَعْجَبُ الإِمْدَادِ فِيْ مُكَفِّرَاتِ حُقُوْقِ العِبَاد: اس میں بندوں کے باہمی حقوق کا بیان ہے۔

(۲۲) بَذْلُ الْجَوَائِزعلى الدّعاءِ بَعْدَ صَلاةِ الجنائز: اس میں نمازِ جنازہ کے بعد دعا کرنے کا ثبوت ہے۔

(۲۳) شِفَاءُ الوَاله فِيْ صُوَرِ الحَبِيْبِ ومزاره ونعاله: اس میں یہ ثابت کیا گیا

ہے کہ نعلین شریفین اور مقامات مقدسہ کے نقشے بنانا اور رکھنا جائز اور باعث برکت ہے۔

(۲۴) لَمعَةُ الضُّحٰی فِيْ إِعْفَاءِ اللُّحٰی: اس میں ڈاڑھی رکھنے کا وجوب اور منڈانے کی حرمت کو ثابت کیا گیا ہے۔

(۲۵) مُنِیْرُ العَیْنِ فِيْ حُکْمِ تَقْبِیْلِ الإِبْهَامَیْنِ: اس میں اذان واقامت کے وقت انگوٹھے چومنے کا ثبوت ہے۔

(۲۶) نَهْجَةُ السَّلَامَةِ فِيْ تقبیلِ الإِبْهامَیْنِ فِيْ الإِقَامَةِ: اس میں بھی انگوٹھے چومنے کا ثبوت ہے۔

(۲۷) النَّهيُ الأَکِیْدُ عَنِ الصَّلَاةِ وَرَاءَ عِدٰی التَّقلیدِ، ملقّب بہ "کاشفِ مکائدِ لامذہباں": اس میں غیر مقلدین کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

(۲۸) إِتْیَانُ الأَرْوَاحِ لِدِیَارِهِمْ بَعْدَ الرَّوَاحِ: اس میں روح کے پرواز کر جانے کے بعد اپنے گھر آنے کا بیان ہے۔

(۲۹) الحُجَّةُ الفَائِحَةُ فِيْ تَطْیِیْبِ التَّعَیُّنِ وَالفَاتِحَة: اس میں فاتحہ، تیجا اور چالیسواں وغیرہ کا جواز ثابت کیا گیا ہے۔

(۳۰) إِعْلَامُ الأَعْلَامِ بِأَنَّ هِنْدُوْسْتَان دَارُالإِسْلَامِ: اس میں حکومت برطانیہ کے زمانہ میں ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی نفی اور دارُالاسلام ہونے کا اثبات ہے۔

(۳۱) صَفَائِحُ اللَّجینِ فِيْ کَوْنِ التَّصَافُحِ بِکَفَّی الْیَدَیْنِ: اس میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کا ثبوت ہے اور غیر مقلدین کا رد ہے۔

(۳۲) جَلِيُّ الصَّوْتِ لِنَهْيِ الدَّعْوَةِ أَمَامَ المَوْتِ: اس میں میت کے گھر کھانا کھانے کو ناجائز ثابت کیا گیا ہے۔

(۳۳) جُملُ النّورِ فِي نَهْيِ النِّسَاءِ عَنْ زِیَارَةِ القُبُوْرِ: اس میں عورتوں کے لیے زیارت قبور کے لیے جانے کو ناجائز ثابت کیا گیا ہے۔

(۳۴) بَرَکَاتُ الإِمْدَادِ لِأَهْلِ الاسْتِمْدَادِ: اس میں اہل اللہ سے استعانت واستمداد کا جواز ثابت کیا گیا ہے۔

(۳۵) سُبْحَانَ السُّبُّوْحِ عَنْ عَيْبِ كِذْبٍ مَقْبُوْحٍ ،ملقب بہ ''دوصد تازیانہ بر فرق جہول زمانہ'' اس میں مسئلہ امکان کذب کا ابطال ہے۔

(۳۶) رسالہ تعزیہ داری: اس میں تعزیہ داری کی حرمت کو ثابت کیا گیا ہے۔

(۳۷) خالص الاعتقاد: اس میں ایک تمہید کے بعد حضورِ اکرم ﷺ کے لیے علم غیب ثابت کیا گیا ہے، اس کی تمہید کا نام رِمَاحُ القَهَّارِ عَلٰى كُفْرِ الكُفَّارِ ہے۔

(۳۸) إِيْذَانُ الأَجْرِ فِيْ أَذَانِ القَبْرِ: اس میں دفن کے وقت قبر پر اذان دینے کا ثبوت ہے۔

(۳۹) الإنْتِبَاهُ فِيْ حَلِّ نِدَاءِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: اس میں نعرۂ رسالت کی حلت کو ثابت کیا گیا ہے۔

(۴۰) الأَمْنُ وَالْعُلٰى: اس میں حضورِ اکرم ﷺ کے مختارِ کل ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔

(۴۱) تمهيدُ الإيمان: اس میں اکابر علمائے دیوبند کا کفر ثابت کیا گیا ہے۔

(۴۲) الصَّمْصَامُ عَلٰى مُشَكِّكٍ فِيْ اٰيَةِ عُلُوْمِ الْأَرْحَامِ: اس میں علوم ما فی الارحام کو خدا کی ذات کے ساتھ خاص ہونے کا مطلب بیان کیا گیا ہے۔

(۴۳) ختمُ النّبوّة: اس میں حضور اکرم ﷺ کی خاتمیت کا اثبات ہے۔

(۴۴) اَسْوَءُ الْعِقَابِ عَلَى الْمَسِيْحِ الْكَذَّابِ: اس میں غلام احمد قادیانی کے کفر کو بہ چند وجوہ ثابت کیا گیا ہے۔

(۴۵) الدَّوْلَةُ المَكِّيَّةِ بِالمَادَّةِ الغَيْبِيَّةِ: اس میں حضورِ اکرم ﷺ کے لیے علمِ غیب ثابت کیا گیا ہے۔

(۴۶) أَنْباءُ المصطفٰى: اس میں بھی حضورِ اکرم ﷺ کے لیے علمِ غیب کو ثابت کیا گیا ہے۔

سلسلۂ رضا خانیت کی اہم شخصیات کا تعارف

مولوی احمد رضا خاں کے تعارف کے بعد ان کے مکتبِ فکر کی ترویج وتبلیغ میں ممتاز اور نمایاں کارنامہ انجام دینے والوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) مولوی نعیم الدین مرادآبادی

رضا خانیوں کے نزدیک خاں صاحب کے بعد سب سے ممتاز قائد اور رہبر مولوی نعیم الدین مرادآبادی ہیں جو خاں صاحب کے ہم عصر تھے، یہ بھی خاں صاحب کی طرح حامیانِ توحید وسنت سے عداوت رکھتے تھے؛ چناں چہ انہوں نے خاں صاحب کی تائید میں چند کتابیں تحریر کر کے رضا خانیت کو خوب تقویت پہنچائی ہے؛ اسی لیے رضا خانی ان کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں اور صدرُ الافاضل کہتے ہیں، ان کی سب سے اہم تصنیف قرآن کریم کی وہ تفسیر ہے جو خزائنُ العرفان کے نام سے خاں صاحب کے ترجمہ کنز الإیمان کے ساتھ شائع ہوئی ہے، دوسری تصنیف أطیبُ البیان ہے جو تقویۃُ الإیمان کے رد میں لکھی گئی ہے، تیسری الکلمۃُ العلیا ہے جس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کو ثابت کیا گیا ہے اور فتاوی صدرُ الافاضل ان کے فتاوی کا مجموعہ ہے، انہوں نے مرادآباد میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا، جس کا نام پہلے "مدرسہ اہل السنۃ" رکھا تھا پھر بدل کر "جامعہ نعیمیہ" کر دیا جو مرادآباد میں آج بھی موجود ہے، اس مدرسہ کے فضلاء اپنے آپ کو نعیمی لکھتے ہیں، ان کی ولادت ۱۸۸۳ء میں اور وفات ۱۹۴۸ء میں ہوئی ہے۔

(۲) مولوی امجد علی اعظم گڈھی

رضا خانیوں میں دوسرے ممتاز قائد مولوی امجد علی ہیں، یہ گھوسی ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے، اور مدرسہ حنفیہ جون پور میں تعلیم حاصل کر کے ۱۳۲۰ھ میں فارغ ہوئے، پھر بریلی میں ایک مدت قیام کر کے خاں صاحب سے خوب استفادہ کیا اور رضا خانیت کی تائید میں چند کتابیں لکھیں، ان کی سب سے اہم کتاب "بہارِ شریعت" ہے جو "بہشتی زیور" کے مقابلہ میں لکھی گئی ہے، اسی کارنامہ کی وجہ سے رضا خانی ان کو "صدرُ الشریعہ" کہتے

ہیں، ان کی وفات ۱۹۴۸ء مطابق ۱۳۶۸ھ میں ہوئی۔

(۳) مولوی حشمت علی پیلی بھیتی

تیسرے بے باک اور بدزبان لیڈر مولوی حشمت علی ہیں، ان کی پیدائش لکھنؤ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں حاصل کی، پھر بریلی آکر مولوی امجد علی سے بقیہ تعلیم حاصل کی، اور ۱۳۴۰ھ میں فارغ ہوکر رضا خانیت کی ترویج میں منہمک ہوگئے، یہ بہت بدزبان اور فحش گو تھے، حامیانِ توحید وسنت کو بہت برا بھلا کہتے تھے؛ اس لیے رضا خانی ان کو ''مظہرِ اعلیٰ حضرت اور غیظ المنافقین'' کہتے ہیں، بالآخر ان کی زبان میں کینسر ہوگیا جس نے ان کو ۱۳۸۰ھ میں موت کے گھاٹ اتار دیا، اور پیلی بھیت میں مدفون ہوئے، ان کی مشہور کتاب ''اصلاحِ بہشتی زیور'' ہے، اور تجانُبُ أهلِ السُّنَّة کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ درحقیقت ان ہی کی تصنیف ہے؛ مگر مصلحۃً مولوی محمد طیب قادری کے نام سے شائع کی گئی ہے۔

(۴) مفتی احمد یار خاں نعیمی بدایونی

چوتھے ممتاز قائد مفتی احمد یار خان ہیں، انہوں نے ابتدائی تعلیم بدایوں میں حاصل کی، پھر مولوی نعیم الدین مرادآبادی کی خدمت میں حاضر ہوکر تعلیم کی تکمیل کی؛ اس لیے یہ اپنے آپ کو ''نعیمی'' لکھتے ہیں، انہوں نے رضا خانیت کی ترویج میں کئی کتابیں لکھی ہیں، جن میں مشہور یہ ہیں:

(۱) علم القرآن

(۲) نورِ عرفان

(۳) جَاءَ الحَقُّ وَزَهَقَ البَاطِل

(۴) رحمتِ الٰہ بہ وسیلۂ اولیاء

(۵) سلطنتِ مصطفیٰ

(۶) فتاوی نعیمیہ

ان کی وفات ۱۹۷۱ء میں ہوئی ہے۔

رضاخانیت و بریلویت

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حامیانِ توحید وسنت کے خلاف جو مہم شہر بریلی سے شروع کی تھی، اس نے بعد میں ایک مستقل مکتبِ فکر کی صورت اختیار کر لی، جس کو رضا خاں کی طرف منسوب کر کے "رضاخانیت" اور بریلی کی طرف منسوب کر کے "بریلویت" کہا جاتا ہے، اب رضاخانیت اور بریلویت ایک مستقل مکتبِ فکر کا نام ہے، جس کی بنیاد دو امروں پر ہے: ایک انبیاء واولیاء کی عقیدت ومحبت میں حد سے زیادہ غلو کرنا اور دوسرے رسوم و بدعات کو ضعیف اور کمزور حتیٰ کہ موضوع احادیث کا سہارا لے کر جائز ومستحسن گردانا۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس سے پہلے بھی دین سے ناواقف لوگ شرک آمیز عقائد اور بدعات کی طرف مائل ہوئے ہیں؛ مگر جب مجددینِ ملت اور مصلحینِ امت نے ان کو راہِ سنت سے آگاہ کیا تو انہوں نے اس سے توبہ کر لی اور بدعت کو چھوڑ کر راہِ سنت اختیار کر لی؛ کیونکہ اس سے پہلے شرکیہ عقائد اور بدعات کو سندِ جواز نہیں دی گئی تھی؛ لیکن خاں صاحب اور ان کے حامیوں کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے شرکیہ عقائد اور بدعات کو سندِ جواز دے کر ہدایت کی راہیں مسدود کر دیں۔ اب جاہل لوگ ان ہی خرافات وبدعات کو دین سمجھنے لگے ہیں اور حامیانِ توحید وسنت کو نعوذ باللہ کافر ومرتد بلکہ کافروں سے بدتر خیال کرتے ہیں، اس لیے علمائے دین کی سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ سنت وبدعت کی حدودِ اربعہ کو اچھی طرح سمجھیں اور لوگوں کو بتائیں کہ فلاں فلاں امور سنت ہیں اور فلاں فلاں چیزیں سنت کے دائرے سے خارج ہیں، ان سے اجتناب کرنا نہایت ضروری ہے۔

رضاخانیت کی تردید میں کام کرنے والے حضرات

علمائے دیوبند میں سے جن حضرات نے رضاخانیت کی تردید میں کام کیا ہے، ان کی فہرست طویل ہے، ان سب کا تعارف پیش کرنا دشوار ہے، اس لیے ذیل میں صرف ان

حضرات کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے، جنھوں نے اس سلسلہ میں نمایاں اور اہم خدمات انجام دی ہیں اور جن کا پوری امت مسلمہ پر عظیم احسان ہے۔

قطبُ الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ

آپ قصبہ گنگوہ میں ۶/ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گنگوہ ہی میں حاصل کی، اس کے بعد اپنے ماموں کے ہمراہ کرنال تشریف لے گئے، ان سے فارسی کی کتابیں پڑھیں، پھر مولوی محمد بخش رام پوری سے صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں، ۱۲۶۱ھ میں دہلی تشریف لے گئے، اور حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتویؒ سے اکثر کتابیں اور بعض کتابیں مفتی صدرالدین آزردہ سے پڑھیں، اور کتبِ حدیث شاہ عبدالغنی مجددی سے پڑھ کر ۱۲۶۷ھ میں فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے بیعت ہو گئے اور خلافت حاصل کی، ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں انگریزوں کے خلاف شاملی میں جنگ کی، اس جرم میں چھ ماہ جیل میں رہے، رہائی کے بعد درس وتدریس اور رشد وہدایت کا سلسلہ شروع فرمایا اور تادمِ حیات یہ سلسلہ جاری رہا، ۱۲۹۷ھ میں جب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کا وصال ہوگیا تو آپ کو دارالعلوم دیوبند کا سرپرست منتخب کیا گیا، ۱۳۱۴ھ میں مظاہر علوم سہارنپور کے بھی سرپرست بنائے گئے، ۹/ جمادی الاخری ۱۳۲۳ھ بہ روز جمعہ اذانِ جمعہ کے بعد آپ کا وصال ہوگیا اور گنگوہ میں ایک باغ میں آسودۂ خواب ہیں۔

آپ ہی نے سب سے پہلے رائج الوقت بدعات وخرافات سے لوگوں کو آگاہ کیا، اور دین کو بدعات وخرافات سے نکھار کر اصلی شکل وصورت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا؛ اس لیے آپ بلاشبہ چودھویں صدی ہجری کے مجدد ہیں۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ

آپ کی پیدائش ۱۲۶۸ھ میں بریلی میں ہوئی، جہاں آپ کے والد ماجد مولانا

ذوالفقار علی صاحبؒ سرکاری محکمہ تعلیم سے وابستہ تھے، ابتدائی تعلیم اپنے چچا مولانا مہتاب علی صاحبؒ سے حاصل کی قدوری اور شرح تہذیب وغیرہ کتابیں پڑھ رہے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا، آپ اس میں داخل ہوگئے دارالعلوم کے نصاب کی تکمیل کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے حدیث کی کتابیں پڑھیں، ۱۲۹۰ھ میں خود بانیٔ دارالعلوم نے آپ کے سر پر دستارِ فضیلت باندھی، ۱۲۹۱ء میں مدرسِ چہارم کی حیثیت سے دارالعلوم میں آپ کا تقرر ہوا، جس سے بہ تدریج ترقی کر کے ۱۳۰۸ھ میں صدارت کے منصب پر فائز ہوئے، آپ کے دورِ صدارت میں دارالعلوم کو عالم گیر شہرت حاصل ہوئی۔

۱۳۳۰ھ میں حضرت شیخ الہندؒ نے ہندوستان سے برطانوی اقتدار کو ختم کرنے کے لیے ایک اسکیم تیار کی، اس سلسلہ میں ۱۳۳۳ھ میں حجازِ مقدس کا سفر کیا، غالب پاشا اور انور پاشا سے جو اس وقت ترکی کے وزیر جنگ تھے، ملاقات کر کے بعض اہم امور طے فرمائے، آپ حجاز سے براہِ بغداد بلوچستان ہوتے ہوئے سرحد کے آزاد قبائل میں پہنچنا چاہتے تھے کہ اچانک جنگِ عظیم کے دوران شریف حسین والیٔ مکہ نے آپ کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا، حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا عزیز گل صاحبؒ وغیرہ کو گرفتار کیا گیا، ان کو پہلے مصر، پھر مالٹا پہنچا دیا گیا، جنگِ عظیم ختم ہونے پر آپ کو ہندوستان آنے کی اجازت ملی، ۲۰/ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ کو آپ ممبئی پہنچے، مالٹا سے واپسی کے بعد اگرچہ آپ کی صحت جواب دے چکی تھی اور قویٰ پیرانہ سالی کی وجہ سے نہایت ضعیف ہو چکے تھے؛ مگر اس کے باوجود آپ نے بڑی شد و مد کے ساتھ سیاسی کاموں میں حصہ لیا، طبیعت اس بارِ گراں کی متحمل نہ ہو سکی۔ جب حالت زیادہ تشویشناک ہوگئی تو بہ غرضِ علاج ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے یہاں دہلی لے جایا گیا۔ حکیم اجمل خاں بھی شریک علاج تھے؛ مگر وقت موعود آپہنچا تھا، ۱۸/ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ کی صبح کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا، جنازہ دہلی سے دیوبند لایا گیا اور اگلے روز "قبرستانِ قاسمی" میں آپ کو دفن کیا گیا۔

آپ کی فِرقِ باطلہ کی تردید میں متعدد کتابیں ہیں، رضا خانیت کے رد میں جُھدُ الْمُقِلْ فِیْ تَنْزِیْہِ الْمُعِزِّ وَالْمُذِلِ آپ کی مشہور کتاب ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ

آپ اپنے وطن انبیٹھہ میں ۱۲۶۹ھ میں پیدا ہوئے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، ابتدائی تعلیم انبیٹھہ اور نانوتہ میں حاصل کی، ۱۲۸۵ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، چھ ماہ بعد مظاہر علوم سہارنپور چلے گئے، وہاں سے ۱۲۸۸ھ میں فارغ ہوئے، پھر ۱۲۸۹ھ میں دوبارہ دیوبند تشریف لائے اور فنون کی تکمیل فرمائی، دارالعلوم دیوبند سے علوم وفنون کی تکمیل کے بعد مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس ہو گئے۔

۱۲۹۳ھ میں مولوی جمال الدین مدارُ المہام بھوپال کے اصرار پر آپ کو بھوپال بھیج دیا گیا؛ مگر وہاں آپ کا دل نہ لگا اور چند ماہ کے بعد حج کے لیے چلے گئے، واپسی کے بعد حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ نے آپ کو بھاول پور بھیج دیا، ۱۲۹۷ھ میں آپ نے دوبارہ حج کا ارادہ فرمایا، اس موقع پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے جن سے آپ کو شرفِ بیعت حاصل تھا، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کو لکھا کہ مولوی خلیل احمد حاضر خدمت ہو رہے ہیں، آپ ان کی حالت پر مطلع ہو کر مسرور ہوں گے، حضرت حاجی صاحب نے آپ کی باطنی حالت دیکھی تو بہت خوش ہوئے، اور سر سے دستار اتار کر سر پر رکھ دی اور اسی کے ساتھ اپنی جانب سے تحریری خلافت عطا فرمائی، بعد میں اس اجازت نامہ پر حضرت گنگوہی نے بھی دستخط فرمائے۔

حج سے واپسی کے بعد حضرت گنگوہیؒ نے آپ کو مدرسہ مصباح العلوم بریلی کا صدر مدرس مقرر فرمایا، ۱۳۰۸ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند مدرس ہو کر تشریف لائے، ۱۳۱۴ھ میں یہاں سے بہ حیثیت صدر مدرس مظاہر علوم سہارن پور تشریف لے گئے، ۱۳۲۵ھ میں آپ کو مظاہر علوم سہارنپور کا ناظم منتخب کیا گیا، ۱۳۴۴ھ میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے

گئے، ۱۵/ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں آسودۂ خواب ہیں ــــ آپ کی متعدد تصانیف ہیں، جن میں سب سے مشہور ابوداؤد شریف کی عربی شرح "بذل المجہود" ہے اور رضاخانیت کی تردید میں "براہینِ قاطعہ" اور المُہنَّدُ عَلی المُفَنَّد نہایت عمدہ کتابیں ہیں۔

حکیمُ الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ

آپ اپنے وطن تھانہ بھون میں ۵/ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے، قرآن شریف حافظ حسین علی صاحب سے حفظ کیا، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے وطن میں حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانویؒ سے پڑھیں، ۱۲۹۵ھ کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، ۱۲۹۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، تجوید وقراءت مکہ مکرمہ میں قاری محمد عبداللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے پڑھی، شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے بیعت ہوئے اور خلافت پائی اور حضرت گنگوہیؒ نے آپ کی اصلاح فرمائی۔

۱۳۰۱ھ میں پہلے مدرسہ فیضِ عام کانپور میں صدر مدرس مقرر ہوئے، پھر جامع العلوم کانپور کی مسندِ صدارت کو زینت بخشی، ۱۳۱۵ھ میں کانپور سے تھانہ بھون آگئے، اور بیعت وارشاد، تصنیف وتالیف میں مشغول ہوگئے، ہزاروں علماء وصلحاء اور عوام وخواص آپ سے بیعت ہوئے، سیکڑوں تصانیف اور مواعظ شائع ہوئے اور بہت بڑی مخلوق نے آپ سے ہدایت پائی۔

۱۵/ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ کی شب میں آپ کی وفات ہوئی اور تھانہ بھون میں اپنے ذاتی باغ میں حسبِ وصیت تدفین عمل میں آئی ــــ بدعات وخرافات اور رضاخانیت کی تردید میں آپ کے فتاوی اور بے شمار مواعظ موجود ہیں۔

حضرت مولانا مرتضی حسن صاحب چاند پوری رحمہ اللہ

چاند پور ضلع بجنور آپ کا وطن تھا، ۱۳۰۴ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، کامیاب استاذ اور مشہور واعظ تھے، مناظرہ میں اپنی مثال آپ تھے، عرصۂ دراز تک مدرسہ امدادیہ دربھنگہ اور مرادآباد میں صدارتِ تدریس پر فائز رہے، دارالعلوم دیوبند میں نظامتِ تعلیم کے کچھ دنوں ذمہ دار رہے اور تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، پھر اسفار کی کثرت کی وجہ سے آپ کو شعبۂ تبلیغ کا ناظم بنادیا گیا، ۱۳۵۰ھ میں دارالعلوم سے سبکدوش ہوکر دربھنگہ (بہار) چلے گے، وہاں کافی دنوں تک صدارتِ تدریس پر فائز رہے، اخیر عمر میں اپنے وطن میں قیام پذیر ہوگئے، اور وہیں ۱۳۷۱ھ میں وفات پائی، آپ نے رضاخانیت کے رد میں متعدد رسائل ارقام فرمائے ہیں جو ''رسائل چاند پوری'' کے نام سے مشہور ہیں، آپ کا ذاتی کتب خانہ آٹھ ہزار کتابوں پر مشتمل تھا، جسے ان کے صاحب زادے نے دارالعلوم دیوبند میں منتقل کردیا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ

آپ کا وطن الہ داد پور، ٹانڈا، ضلع: فیض آباد ہے، آپ کے والد محترم مولانا سید حبیب اللہ صاحب بانگر مئو ضلع اناؤ میں ہیڈ ماسٹر تھے، وہیں آپ ۱۹/شوال ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم پرائمری اسکول میں حاصل کرنے کے بعد بارہ سال کی عمر میں (۱۳۰۹ھ) آپ دیوبند تشریف لائے، اور ابتدائی درجۂ عربی میں داخلہ لیا ۱۳۱۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد والد بزرگ وار کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، روانگیٔ حجاز سے پہلے حضرت گنگوہیؒ سے آپ بیعت ہو چکے تھے، حجاز پہنچ کر مسجدِ نبوی میں حدیث شریف کا کامیاب درس دیا، پھر شیخ الہندؒ کے ساتھ گرفتار ہوکر مالٹا چلے گئے، ۱۳۳۸ھ میں مالٹا سے ہندوستان واپس تشریف لائے، یہاں ملکی حالات کے پیشِ نظر سیاسی امور میں بھرپور حصہ لیا، اور ملک کی آزادی کے لیے

وہ سب کچھ کیا جو ایک محبِّ وطن کو کرنا چاہیے، متعدد بار جیل جانا پڑا اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے، جب تک ملک کو آزاد نہیں کرا لیا، ملک وملت نے آپ کو ''شیخ الاسلام'' کے نام سے یاد کیا۔

۱۳۴۶ھ میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی علاحدگی کے بعد دارالعلوم دیوبند کی مسندِ صدارت پر فائز کیے گئے، اور آخر عمر تک اسی عہدہ پر قائم رہے، ۱۲/ جمادی الاولی ۱۳۷۷ھ میں وفات پائی، اور'' قبرستان قاسمی'' میں آسودۂ خواب ہیں، آپ کے ہزاروں شاگرد اور لاکھوں مرید ملک و بیرون ملک میں پھیلے ہوئے ہیں، آپ کی متعدد تصانیف ہیں، رضاخانیت کے رد میں الشِّهَابُ الثَّاقِب آپ کی نہایت عمدہ تصنیف ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کا وطن سنبھل ہے، وہیں ۱۸/ شوال المکرّم ۱۳۲۳ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم پہلے سنبھل میں اور کچھ دن مدرسہ عبدالرب دہلی میں حاصل کی، پھر دارالعلوم مئو میں پڑھا، آخر میں دارالعلوم دیوبند میں دو سال رہ کر ۱۳۴۵ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد امروہہ کے مدرسہ چلّہ میں تین سال درس دیا، چار سال تک دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں شیخ الحدیث رہے، ۱۳۵۳ھ میں بریلی سے ''الفرقان'' کے نام سے ایک ماہ نامہ جاری کیا اور رضاخانیت کی خوب تردید کی، اس کے علاوہ رضاخانیوں سے آپ نے کئی کامیاب مناظرے کیے، اور رضاخانیت کے رد میں متعدد کتابیں لکھیں، جن میں بوارِق الغیب نہایت عمدہ کتاب ہے، آپ ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے، اور آخر عمر تک دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے اور ۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کی، پھر

سیالکوٹ اور ملتان کے علماء سے استفادہ کیا، اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لائے، اور ۱۳۶۱ھ- ۱۹۴۱ء میں حضرت مدنی قدس سرہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی، ۱۳۴۷ھ سے آخر عمر تک نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، ۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ میں انتقال ہوا، آپ نے رضاخانیت کے رد میں کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں؛ بلکہ آپ کی زیادہ تر تصنیفات اسی موضوع پر ہیں اور بہت عام فہم ہیں۔

رضاخانیت کے رد میں اہم کتابیں

رضاخانیت کے رد میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے اہم کتابوں کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے؛ تاکہ طلبہ اس سے استفادہ کریں:

(۱) براہینِ قاطعہ: یہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی تصنیف ہے، اور ''انوارِ ساطعہ'' کے رد میں لکھی گئی ہے، اس میں پہلے بدعت کی تعریف پھر بدعاتِ مروجہ کی تردید کی گئی ہے۔

(۲) المهند علی المفند: یہ بھی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی تصنیف ہے، اس میں علمائے حرمین شریفین کے ۲۶/ سوالوں کے جوابات ہیں۔

(۳) تنشیط الاذان: یہ بھی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی تصنیف ہے، اس میں اذانِ خطبہ مسجد کے اندر پڑھنے کا ثبوت ہے۔

(۴) جهد المقل: یہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ کی تصنیف ہے اس میں عموم قدرتِ باری تعالیٰ کو ثابت کیا گیا ہے، یعنی امکانِ کذب اور امکانِ نظیر کے مسئلہ پر بحث کی گئی ہے۔

(۵) الشہاب الثاقب: یہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی تالیف ہے، حسام الحرمین میں مولوی احمد رضا خاں نے اکابر علمائے دیوبند کی طرف جن کفریہ عقائد کی نسبت کی تھی، ان کی تردید کی گئی ہے اور اکابر کی ان عبارتوں کا مطلب بیان

کیا گیا ہے جن سے خاں صاحب نے دھوکا دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔

(۶) السحاب المدرار: یہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری کا رسالہ ہے، اس میں حفظ الایمان، براہین قاطعہ اور تحذیر الناس کی ان عبارتوں کی تشریح و توضیح کی گئی ہے جن کو کاٹ چھانٹ کر خاں صاحب نے اکابر علمائے دیوبند پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔

(۷) الجُنة لِأهل السّنّة: یہ مفتی عبدالغنی صاحب صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی کی تصنیف ہے، اور رضاخانیت کے رد میں بہت مفصل اور عمدہ کتاب ہے۔

(۸) بوارق الغیب: یہ مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے، اور علم غیب کے مسئلہ پر لاجواب کتاب ہے۔

(۹) ازالۃُ الرّیب: یہ مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر رحمہ اللہ کی تصنیف ہے، اور علمِ غیب کے مسئلہ پر بہت مفصل کتاب ہے۔

(۱۰) راہِ سنت: یہ بھی مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدرؒ کی تصنیف ہے، اس میں تمام بدعاتِ مروجہ کی تردید کی گئی ہے۔

(۱۱) اختلاف امت اور صراط مستقیم: کا وہ حصہ جو دیوبندی بریلوی اختلاف کی وضاحت کرتے ہوئے، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے، یہ رضاخانیت کے رد میں بہترین عام فہم کتاب ہے۔

تمّت بالخیر
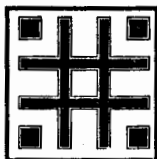
دوسرا محاضرہ

(سنت و بدعت کی پہچان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قیام دار العلوم کے وقت ہندوستان کا عمومی ماحول

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی اَمَّا بَعۡدُ!

ہندوستان کی تاریخ میں تیرھویں صدی ہجری مسلمانوں کے لیے انتہائی پرآشوب دور ہے، ایک طرف انگریزوں کی دوسوسالہ حکومت نے مسلمانوں کو دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے پستی کی انتہاء تک پہنچا دیا تھا، تو دوسری طرف برادرانِ وطن سے طویل اختلاط نے مسلمانوں کو رسوم و بدعات اور خرافات کا خوگر بنا دیا تھا، کہیں عیسائی پادری اور ہندو پنڈت مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کی بھرپور کوشش کررہے تھے، تو کہیں جاہل صوفیاء اور جاہ پرست نام نہاد علماء مسلمانوں کی دولتِ ایمانی کو اولیاء کے مزاروں پر بھینٹ چڑھا رہے تھے۔

الغرض ضلالت و گمراہی کا یہ عالم تھا کہ کوئی نیچریت و دہریت کو روشن خیالی سے تعبیر کررہا تھا تو کوئی رسوم و بدعات و خرافات کو دین کا شعار سمجھ رہا تھا، کوئی حدیث کا منکر تھا، تو کوئی نبوت کا مدعی، ایک طرف عدمِ تقلید پھیل رہی تھی تو دوسری طرف قبر پرستی اور تعزیہ پرستی کی آندھیاں چل رہی تھیں، اور اسلام کی کسم پرسی کا عالم بالکل ایسا ہو چکا تھا، جیسا

حضورِ اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت دینِ ابراہیمی کا تھا، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں کہ

''۱۲۴۴ھ...... وہ زمانہ تھا جس میں معصیت وبددینی کی گھنگھور گھٹائیں امنڈ امنڈ کر عالم کو محیط ہوتی جاتی تھیں، بطحائی پیغمبر کے لگائے ہوئے باغیچہ کو ویران کرنے کی کوشش میں صرف دشمن ہی نہیں؛ بلکہ دوست نما اصحاب بھی لگے ہوئے تھے، بھولے بھالے مسلمان زمانہ کی روش کے ایسے غلام بن چکے تھے کہ قومی رسم اور برادرانہ رواج ان کو جس کروٹ لٹاتا، وہ لیٹتے اور جس پہلو بٹھاتا وہ بیٹھتے تھے، دین کی بے خبری جس کو جہالت کہا جاتا ہے، اکثر ایمان لائے ہوئے دلوں اور اسلام کا کلمہ پڑھی ہوئی زبانوں پر بھی اس قدر چھائی ہوئی تھی، جس طرح برسات کے موسم میں سیاہ اور گنجان بادل آفتاب پر چھا جاتے ہیں اور دن کو رات بنا چھوڑتے ہیں۔

غرض کچھ ایسی کایا پلٹی اور ظلمت برسی ہوئی تھی کہ بددینی کا نام دین تھا اور بربادی کا نام شادی، جہل کا نام علم تھا اور خرافات اور شعبدہ بازی کا نام کشف وکرامت''۔

(تذکرۃ الرشید، حصہ اول، ص:۹)

آگے تحریر فرماتے ہیں کہ

''جس طرح کسی زمانہ میں اہل عرب نے بیت اللہ ــــ زَادَھا اللّٰہ شرفًا ــــ کو ایامِ سال کی مقدار پر بتوں سے سجایا اور نیکوکاری سمجھا تھا، اسی طرح ہندوستان میں بددینی و بدعقیدگی کے گویا روزانہ نئے مخترعہ خیالات جزو اسلام بنائے جاتے، اور تائیدِ دین متین سمجھی جاتی تھی، کسی طرف نیچریت کا غلبہ تھا اور کسی جانب اعتزال ودہریت کا، کہیں رفض وتشیُّع کا زور تھا اور کہیں خروج کا، ایک جانب عدم تقلید پھیل رہی تھی تو دوسری طرف قرآنیت اور مرزائیت کا بیج پڑ رہا تھا، یہاں ڈھولک وستار کھڑک رہے تھے، تو وہاں بازاری عورتوں کے گانے پر وجد وحال گرم تھا، یہاں گور پرستی وتعزیہ پرستی ہو رہی ہے تو وہاں اولیاء اللہ کی توہین اور بدزبانی، غرض افراط وتفریط نے وہ مٹی خراب کر رکھی تھی کہ الامان! اور اعتدال سے محرومیت نے وہ ناس مار رکھا تھا کہ الحفیظ!'' (حوالہ سابقہ، ص:۱۰)

تاریخِ ہند کے اس تاریک ترین زمانہ میں اور ضلالت وگمراہی کے اس سیاہ ترین دور میں صادق ومصدوق ﷺ کی پیشین گوئی کے موافق مسلمانانِ ہند کی رشد وہدایت کے لیے اللہ تعالی نے دو شخصوں کا انتخاب فرمایا، ایک قاسم العلوم والخیرات حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ اور دوسرے فقیہُ النفس قطبُ الارشاد حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ جن میں سے اوّل الذکر نے اسلام کا خارجی حملوں سے دفاع کرتے ہوئے، اصولِ دین کو نکھار کر لوگوں کے سامنے پیش کیا اور دشمنانِ اسلام کو ہر میدان میں شکست فاش دی، اور آخر الذکر نے داخلی اصلاحات کرتے ہوئے فروعِ دین کو رسوم وبدعات سے نکھار کر مسلمانانِ ہند کے سامنے صحیح شکل وصورت میں پیش کیا، اور مسلمانوں کو راہِ سنت سے آگاہ فرمایا۔

اِحیائے سنت اور حضرت گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ

ہمارے اس محاضرہ کا موضوع چونکہ "سنت وبدعت" ہے؛ اس لیے حضرت گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی داخلی اصلاحات کی قدرے تفصیل پیش کی جاتی ہے؛ تاکہ معلوم ہوجائے کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے احیائے سنت کے لیے کس طرح محنت کی تھی جو اس قدر بارآور ہوئی کہ پورے ہندوستان کا نقشہ بدل دیا گیا، اور جہاں بدعت وضلالت کی تیز وتند آندھیاں چل رہی تھیں، وہاں سنت وہدایت کی پُربہار ہوائیں چلنے لگیں۔

حضرت گنگوہیؒ نے داخلی اصلاحات کا فریضہ انجام دینے سے پہلے اپنے آپ کو علم وعمل اور اتباعِ سنت نبویہ کے زیور سے آراستہ کیا، اس طرح آپ کی ذاتِ مبارکہ جہاں لوگوں کے لیے نمونۂ عمل تھی، وہاں آپ کی بات اس قدر وقیع سمجھی جاتی تھی کہ دوست اور دشمن سبھی اس کو ماننے پر مجبور تھے۔

پہلی امتیازی شان

اصلاح کے سلسلہ میں آپ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جس کی اصلاح مقصود ہوتی تھی، اس کی حیثیتِ عرفی کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے، اس طرح نکیر فرماتے تھے کہ اس کو ناگوار معلوم نہ ہو، اور اظہارِ حق اور احیائے سنت کے وقت طعن و تشنیع اور تحقیر و تذلیل سے کلی اجتناب فرماتے تھے، چاہے مخاطب آپ سے چھوٹا اور کم رتبہ ہی کیوں نہ ہو؛ کیوں کہ مخالف پر طعن و تشنیع کرنا، اس کو حقیر و ذلیل سمجھنا، اکثر و بیشتر حق بات قبول کرنے سے اس کو روک دیتا ہے، اس سلسلہ کا ایک واقعہ پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ آپ کے طرزِ عمل کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے، اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اصلاح کا یہ طریقہ کتنا موثر اور مفید ہوتا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قُدِّسَ سِرُّہٗ پہلے میلاد وغیرہ بدعات کے سلسلہ میں نرم گوشہ رکھتے تھے، قطب الارشاد حضرت گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی اصلاحی کوششوں سے آپ نے مضبوط موقف اختیار کیا ہے، جانبین سے اس سلسلہ میں کافی لمبی مکاتبت ہوئی ہے جو "تذکرۃ الرشید" وغیرہ کتابوں میں موجود ہے، اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت تھانویؒ کے تمام شکوک و شبہات کا کس قدر رخندہ پیشانی سے ازالہ فرمایا، اور حضرت تھانویؒ پر کتنا عظیم احسان فرمایا ہے، خود حضرت تھانوی قُدِّسَ سِرُّہٗ "یادِ یاراں" میں اس کی تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں کہ

"میں مدت تک مسائلِ اختلافیہ میں اہل الحق و اہل البدعۃ کے متعلق باوجود صحتِ عقیدہ کے ـــــ الحمد للہ ـــــ ایک غلطی میں مبتلا رہا اور اس غلطی پر بہت سے خیالات اور بہت سے اعمال متفرع رہے یعنی بعض اعمال رسمیہ مثلاً مجلسِ متعارف میلاد شریف و امثالہ سے جو محققین بعض مفاسد کی وجہ سے عوام الناس کو مطلقًا اور ان عوامُ الناس کے ساتھ خواص کو بھی روکتے ہیں ـــــ ان مفاسد کو تو میں ہمیشہ مذموم اور ان کے مباشر کو ہمیشہ ملوم سمجھتا تھا اور یہ صحت عقیدہ کی تھی اور عوامُ الناس کو ہمیشہ ان مفاسد پر متنبہ کرتا رہتا

تھا؛ لیکن یہ بات میرے خیال میں جم رہی تھی کہ علت نہی کی وہ مفاسد ہیں، جہاں علت نہ ہوگی معلول بھی نہ ہوگا، پس خواص جو کہ ان مفاسد سے مبرا ہیں، ان کو روکنے کی ضرورت نہیں، اور اسی طرح عوام الناس کو بھی علی الاطلاق روکنے کی حاجت نہیں؛ بلکہ ان کو نفسِ اعمال کی اجازت دے کر ان کے ان مفاسد کی اصلاح کر دینا چاہیے؛ بلکہ اس اجازت دینے میں یہ ترجیح اور مصلحت سمجھتا تھا کہ اس طریق سے تو عقیدہ کی بھی اصلاح ہو جائے گی، جس کا فساد مدارِ نہی ہے، اور بالکل منع کرنے میں عوام مخالف سمجھیں گے اور عقیدہ کی اصلاح بھی نہ ہوگی ـــــ ایک مدت اس حالت میں گزر گئی اور باوجود دائمی درس و تدریسِ فقہ وحدیث وغیرہما کے کبھی ذہن کو اس کے خلاف کی طرف انتقال والتفات نہیں ہوا، حضرت قدس اللہ سرہ کا شکر یہ کس زبان سے ادا کروں کہ خود ہی غایت رافت وشفقت سے مولوی منور علی صاحب در بھنگوی مرحوم سے اس امر میں میری نسبت تاسُّف ظاہر فرمایا۔

اور اسی غلطی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ بھی واقع ہوا تھا کہ بعضے درویشوں سے ـــــ جن کی حالت کا انطباق شریعت پر تکلف سے خالی نہ تھا ـــــ میں نے بہ خیال خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدِرَ بعض اذکار واشغال کی تلقین بھی حاصل کر لی تھی اور آمد ورفت اور صحبت کا بھی اتفاق ہوتا تھا، اور لزوم مفاسد کی نسبت وہی خیال تھا کہ خواص کے عقائد خود درست ہوتے ہیں وہاں مفسدہ لازم نہیں، اور عوام کو حق و باطل پر تقریراً متنبہ کرتے رہنا رفعِ مفسدہ کے لیے کافی ہے، سو حضرتؒ نے خصوصیت کے ساتھ اس پر بھی تاسُّف ظاہر فرمایا ـــــ غایتِ کرم یہ قابلِ ملاحظہ ہے کہ جیسا حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ غایتِ کرم وحیا سے بالمشافہ کسی پر عتاب نہ فرماتے تھے، اسی طرح حضرت قُدِّسَ سِرُّهٗ نے باوجود حاضری كَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ کے بالمشافہ کبھی اس سے تعرض نہیں فرمایا، اور اس سے زیادہ لطف وکرم یہ کہ اگر کبھی کسی نے اعتراض کیا تو میرے فعل میں تاویل اور اس کو محملِ حَسَن پر محمول فرمایا۔

اور اسی غلطی کی ایک فرع یہ تھی کہ حضرت پیر ومرشد قبلہ وکعبہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تقریر در بابِ ممانعت تنازع واختلاف مسائلِ معہودہ میں اجمالاً ارشاد فرمائی

اور مجھ کو اس کی تفصیل کا حکم دیا؛ چونکہ میرے ذہن میں وہی خیال جما ہوا تھا، اس کی تفصیل بھی اسی کے موافق عنوان سے حیز تحریر میں لایا، اور حضرت حاجی صاحبؒ کے حضور میں اس کو سنایا چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ـــــ بہ وجہ لزوم خلوت وقلتِ اختلاط مع العوام وبناء بر غلبۂ حسن ظن ـــــ عوام کی حالت اور جہالت اور ضلالت پر پورا التفات نہ تھا، لامحالہ اس مفصل تقریر کو پسند فرمایا اور کہیں کہیں اس میں اصلاح اور کمی بیشی بھی فرمائی، اور ہر چند کہ وہ عنوان میرا تھا، مگر چونکہ اصل معنون حضرتؒ نے از خود ارشاد فرما کر قلم بند کرنے کا حکم دیا تھا، لہٰذا حضرت نے اس تقریر کو اپنی ہی طرف سے لکھوایا اور خود اپنے دستخط ومہر سے مزین فرمایا، اور اپنی طرف سے اشاعت کی اجازت دی جو بہ عنوان ''فیصلۂ ہفت مسئلہ'' شائع کر دیا گیا، جس کو بعضے کم سمجھوں نے اپنی بدعات کا مؤید سمجھا، وَاَنّٰی لَھم ذلك ؟! کیوں کہ ان مفاسد کا اس میں بھی صراحۃً رد ہے، صرف خوش عقیدہ، خوش فہم لوگوں کو البتہ رخصت و وسعت اس میں مذکور ہے، جس کا مبنیٰ وہی خیالِ مذکور ہے کہ عوام کے مفاسد کا خواص پر کیوں اثر پڑے۔

غرض حضرت قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ نے اس سب کے متعلق مولوی منور علی صاحب سے تذکرہ فرمایا، مولوی صاحب نے احقر سے ذکر کیا تو حضرت کے قوتِ فیضان سے اجمالاً تو مجھ کو فوراً اپنی غلطی پر تَنَبُّہ ہو گیا؛ لیکن زیادہ بصیرت کے لیے میں نے اس بارے میں مکاتبت کی بھی ضرورت سمجھی؛ چنانچہ چند بار جانبین سے تحریرات ہوئیں اور وہ تحریرات سوانح میں چھپ چکی ہیں۔

بالجملہ نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ کو بصیرت وتحقیق کے ساتھ اپنی غلطی پر بفضلہٖ تعالی اطلاع ہو گئی، اور اس پر اطلاع ہونے سے ایک بابِ عظیم علم کا جو کہ مدت تک مغلق تھا مفتوح ہو گیا، جس کا مُلَخَّص یہ ہے کہ مدارِ نہی فی الواقع فسادِ عقیدہ ہی ہے؛ لیکن فسادِ عقیدہ عام ہے خواہ فاعل اس کا مباشر ہو، خواہ اس کا سبب ہو، پس فاعل اگر جاہل عامی ہے تو خود اسی کا عقیدہ فاسد ہوگا، اگر وہ خواص میں سے ہے تو گو وہ خود صحیح العقیدہ ہو؛ مگر اس کے سبب سے دوسرے عوام کا عقیدہ فاسد ہوگا اور فساد کا سبب بننا بھی ممنوع ہے اور گو تقریر سے اس

فساد پر تنبیہ عوام کی ممکن ہے؛ مگر کل عوام کی اس سے اصلاح نہیں ہوتی، اور نہ سب تک اس کی تقریر پہنچتی ہے، پس اگر کسی عامی نے اس خاص کا فاعل ہونا سنا، اور اصلاح کا مضمون اس تک نہ پہنچا، تو یہ شخص اس عامی کے ضلال کا سبب بن گیا، اور ظاہر ہے کہ اگر ایک کی ضلالت کا بھی کوئی شخص سبب بن جائے تو برا ہے، اور ہر چند کہ بعض مصلحتیں بھی فعل میں ہوں؛ لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل میں مصلحت اور مفسدہ دونوں مجتمع ہوں اور وہ فعل شرعاً مطلوب بالذات نہ ہو، وہاں اس فعل ہی کو ترک کر دیا جائے گا؛ پس اس قاعدہ کی بناء پر ان مصلحتوں کی تحصیل کا اہتمام نہ کریں گے؛ بلکہ ان مفاسد سے احتراز کے لیے اس فعل کو ترک کر دیں گے؛ البتہ جو فعل ضروری ہے اور اس میں مفاسد پیش آویں، وہاں اس فعل کو ترک نہ کریں گے؛ بلکہ حتی الامکان ان مفاسد کی اصلاح کی جاوے گی؛ چنانچہ احادیثِ نبویہ و مسائلِ فقہیہ سے یہ سب احکام و قواعد ظاہر ہیں، ماہر پر مخفی نہیں"۔

(یاد یاراں، ص: ۷-۱۰)

دوسری امتیازی شان

قطبُ الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی اصلاحِ امت کے سلسلہ میں دوسری امتیازی شان یہ تھی کہ آپ غلط اور منکر بات کو بالکل برداشت نہیں کرتے تھے، ملامت کی پروا کیے بغیر جو بات آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں حق سمجھتے تھے، اس کا برملا اور کھلم کھلا اظہار فرماتے تھے، اور ایسا طرز اختیار فرماتے تھے کہ کسی کو آپ کے عمل سے غلط فہمی نہ ہو؛ چنانچہ جب حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کا رسالہ "فیصلہ ہفت مسئلہ" جو درحقیقت حضرت تھانویؒ کا لکھا ہوا ہے، حضرت گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی خدمت میں کسی نے پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ

"اسے حمام میں جھونک دو" ـــــ کسی نے کہا کہ اپنے شیخ کا رسالہ حمام میں جھونک رہے ہیں! فرمایا کہ شیخ کے ہاتھ پر ہم نے جو بیعت کی ہے، وہ تصوف میں کی ہے، فقہ میں نہیں کی ہے، فقہ میں وہ ہمارے تابع ہیں"[1] (مجالسِ حکیم الاسلام، ص: ۱۲۹)

(۱) ضیاءُ القلوب میں حضرت حاجی صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ نے حضرت گنگوہیؒ کے ═

الحاصل قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے جہاں خیر خواہی کے ساتھ مسلمانوں کو بدعاتِ مروجہ سے آگاہ کیا، وہاں ایسا عملی نمونہ بھی پیش فرمایا کہ کسی کو آپ کے عمل سے حق و باطل اور سنت و بدعت کے سمجھنے میں ادنیٰ التباس واشتباہ نہ ہو۔

احیائے سنت اور اکابرینِ دارالعلوم دیوبند

اور انہی دو بنیادی باتوں کو حضرت گنگوہیؒ کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف

کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے حضرت گنگوہیؒ کے ارشاد کی مکمل تائید ہوتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ

''و نیز ہر کس ازیں فقیر محبت و عقیدت و ارادت دارد، مولوی رشید احمد صاحب سَلَّمَہٗ و مولوی محمد قاسم سلمہ را کہ جامعِ جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند بجائے من فقیر راقم اوراق، بلکہ بہ مدارِج فوق از من شمارند، اگر چہ بظاہر معاملہ برعکس شد کہ اوشاں بجائے من، و من بہ مقام اوشاں شد'' (ضیاءُ القلوب، ص:۶۰)

ترجمہ: اور نیز ہر شخص جو اس فقیر سے محبت و عقیدت اور ارادت رکھتا ہے، وہ مولوی رشید احمد صاحب سلمہ اور مولوی محمد قاسم صاحب سَلَّمَہٗ کو جو تمام کمالات علومِ ظاہری اور باطنی کے جامع ہیں، مجھ فقیر راقمُ الحروف کی جگہ بلکہ بہ درجہا او پر خیال کرے، اگر چہ بہ ظاہر معاملہ برعکس ہو گیا ہے کہ وہ میری جگہ اور میں ان کی جگہ ہو گیا۔

نیز حضرت حاجی صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ نے رسالہ ''فیصلۂ ہفت مسئلہ'' کے آخر میں جو وصیت فرمائی ہے، اس سے بھی حضرت گنگوہیؒ کے ارشاد کی تائید ہوتی ہے، آپ وصیت فرماتے ہیں کہ

''اور اس تمام تحقیق کے بعد بھی فقیر کی یہ وصیت ہے کہ ظنیات میں اپنے علم و تحقیق پر وثوق نہ کریں، اور اہلُ اللہ کی صحبت و خدمت اختیار کریں، خصوص عزیزی مولوی رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے وجود بابرکت کو ہندوستان میں غنیمتِ کبریٰ و نعمتِ عظمیٰ سمجھ کر اُن سے فیوض و برکات حاصل کریں کہ مولوی صاحب موصوف جامع کمالاتِ ظاہری اور باطنی کے ہیں''۔

(فیصلہ ہفت مسئلہ، ص:۱۲)

علی صاحب تھانویؒ نے اپنا کر احیائے سنت کے سلسلہ میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جو محتاجِ بیان نہیں —— اور حضرت گنگوہیؒ کے خلیفۂ اجل محدثِ جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ نے ایک طرف حضرت گنگوہیؒ کے ایماء پر "براہینِ قاطعہ" تصنیف فرما کر بدعاتِ مروجہ سے لوگوں کو آگاہ کیا تو دوسری طرف علمائے حرمین شریفین کے چھبیس سوالوں کے جواب باصواب تحریر فرما کر مسلکِ دارالعلوم کی ایسی وضاحت فرمائی کہ حرمین شریفین اور مصر وشام کے علماء نے نہ صرف خراجِ تحسین پیش کیا؛ بلکہ تصدیقات سے بھی اس کو مزین کیا —— اور قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ قدس سرہ کا چونکہ قیامِ دارالعلوم کے بعد بہت جلد انتقال ہو گیا تھا، اس لیے آپ داخلی اصلاحات کی طرف خصوصی توجہ نہ فرما سکے؛ لیکن خارجی حملوں سے اسلام کا دفاع کرتے ہوئے آپ نے اصولِ دین کو نکھارا ہے، وہ آپ کی اتنی عظیم خدمت ہے کہ اس کا کوئی بدل پیش نہیں کیا جا سکتا —— اور حامیانِ بدعت نے جب ان اکابر پر بے بنیاد الزام لگا کر ان کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی تو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ نے اپنی مایۂ ناز کتاب "الشہاب الثاقب" تصنیف فرما کر حامیانِ بدعت کی جعل سازی کو عالم آشکارا کر دیا، اور مذکورہ چاروں اکابر کی طرف جو غلط عقیدے منسوب کیے گئے تھے، ان کی مکمل تردید کر کے لوگوں کے دلوں میں ان کی عقیدت کو راسخ فرما دیا —— اور جب حامیانِ بدعت نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ دیوبندی خدا کو جھوٹا کہتے ہیں تو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ نے جُهْدُ المُقِلّ فِي تَنْزِيْهِ الْمُعِزِّ وَالْمُذِلِّ لکھ کر اس کی مکمل تردید فرمائی۔

یہ ہیں دارالعلوم دیوبند کے اکابر کی احیائے سنت کے سلسلہ میں خدماتِ جلیلہ اور انھی اکابر کے نقشِ قدم پر چل کر قرآن وحدیث کی روشنی میں لوگوں کو حق وباطل اور سنت و بدعت سے آگاہ کرنا دارالعلوم دیوبند کا بنیادی مقصد ہے ؎

یوں سینۂ گیتی پر روشن اسلاف کا یہ کردار رہے
آنکھوں میں رہیں انوارِ حرم، سینہ میں دل بیدار رہے

بدعت کے اسباب اور علماء کی ذمہ داریاں

سنت و بدعت کی حقیقت جاننے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ امت میں بدعات کیسے پھیلتی ہیں؟ اور اس سلسلہ میں علمائے حقانی کی کیا ذمہ داری ہے؟

(۱) جہالت

امت میں جو بدعات پھیلتی ہیں، اس کے متعدد اسباب و محرکات ہیں، ان میں سب سے اہم سبب جہالت ہے، یعنی لوگوں کا دین سے ناواقف ہونا اور بدعت کی قباحت کو نہ پہچاننا؛ کیونکہ بدعت میں گونہ ظاہری خوبی اور نمائشی حسن ہوتا ہے، ناواقف آدمی اس کی ظاہری خوبی اور نمائشی حسن کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور باطن میں جو خرابیاں ہوتی ہیں، اس کی طرف اس کی نظر نہیں جاتی، لہٰذا علمائے حقانی کا یہ فریضہ ہے کہ بدعات میں جو خرابیاں ہیں، وہ لوگوں کو بتائیں اور بدعات سے بچنے کی لوگوں کو تاکید کریں۔

(۲) غیروں کی تقلید

بدعات کے پھیلنے کا دوسرا اہم سبب غیروں کی تقلید ہے، تمدن و معاشرت کا یہ ایک فطری اصول ہے کہ جب مختلف تہذیبوں کا امتزاج ہوتا ہے تو غیر شعوری طور پر ایک تہذیب دوسری تہذیب کو متاثر کرتی ہے؛ اس لیے جو قوم اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کا اہتمام نہیں کرتی، وہ اپنے بہت سے امتیازی اوصاف کھو بیٹھتی ہے، خصوصاً جو تہذیب مفتوح و مغلوب ہوتی ہے، وہ فاتح اور غالب تہذیب کے سامنے سپر ڈال دیتی ہے، مسلمان جب تک غالب و فاتح رہے اور ان میں اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کی تب و تاب تھی، اس وقت تک وہ دوسری تہذیبوں پر اثر انداز ہوتے رہے؛ لیکن جب ان کی ایمانی حرارت ٹھنڈی پڑ گئی اور ان میں مِنْ حَیْثُ الْقَوْمِ اپنے خصائص کے تحفظ کا ولولہ نہ رہا تو وہ خود دوسری تہذیبوں سے متاثر ہونے لگے دورِ جدید میں مسلمانوں کا انگریزی

تہذیب سے متاثر ہونا، اس کی کافی شہادت ہے ــــــ اس سلسلہ میں علماء پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی تہذیب سے آگاہ کریں اور اس کی خوبیاں سمجھائیں اور دوسری تہذیبوں سے دور رہنے کی تاکید کرتے رہیں۔

(۳) شہرت پسندی

بدعات کے شیوع کا تیسرا سبب حب جاہ اور شہرت پسندی کا جذبہ ہے، یہ ایک نفسیاتی بیماری ہے کہ لوگ ہر نئی چیز کو ــــــ بہ شرطے کہ اس پر کوئی خوش نما غلاف چڑھا دیا گیا ہو ــــــ دوڑ کر اُچکتے ہیں، اس لیے شہرت پسندی کے خواہاں دین میں جِدَّتیں پیدا کرتے اور بدعتیں ایجاد کرتے رہتے ہیں؛ اس لیے علمائے حقانی کا فرضِ منصبی ہے کہ جاہ پرست علماء اور شہرت پسند صوفیاء کی ایجاد کردہ بدعتوں سے لوگوں کو آگاہ کریں۔

(۴) مداہنت

بدعات کے پھیلنے کا چوتھا سبب مُدَاهَنَتْ فِی الدین ہے یعنی علماء کا غلط اور مُنکر باتوں پر نکیر نہ کرنا، اور چشم پوشی سے کام لینا کیوں کہ جب علماء غلط اور مُنکر باتوں پر نکیر نہیں کریں گے اور چشم پوشی سے کام لیں گے تو معتقدین سکوت کو جواز پر محمول کر کے اُن منکرات پر بے جھجک عمل شروع کردیں گے؛ اس لیے علمائے حقانی پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ خیر خواہی کے جذبہ سے شفقت و مہربانی کے ساتھ لوگوں کو بھلی باتوں سے اور سنت سے آگاہ کریں، اور بدعات و مُنکرات پر نکیر کرتے رہیں، ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ (سورۂ آل عمران، آیت: ۱۰۴)

ترجمہ: تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے، جو خیر کی طرف بلایا کرے اور نیک کام کرنے کو کہا کرے اور برے کاموں سے روکا کرے اور ایسے ہی لوگ پورے کامیاب ہیں۔

(۵) اتباع ہوٰی

بدعات کے پھیلنے کا ایک اہم سبب اتباعِ ہوٰی یعنی خواہشِ نفس کی پیروی ہے، دنیا میں جتنی قومیں گمراہ ہوئی ہیں اُن کا واحد سبب اتباعِ ہوٰی ہے؛ اس لیے شریعت نے لوگوں کو خواہشِ نفس کی پیروی کرنے سے سختی کے ساتھ روکا ہے؛ مگر پھر بھی وقتاً فوقتاً کچھ لوگ ایسے پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو خواہشِ نفس کی پیروی کر کے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں، اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں؛ اس لیے علمائے حقانی کا یہ فریضہ ہے کہ لوگوں کو گمراہ جماعتوں سے آگاہ کرتے رہیں، اور اُن کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کی تردید میں کوتاہی نہ کریں۔

سنت و بدعت کی بحث

سنت کی اہمیت وفضیلت اور بدعت کی قباحت وشناعت اظہر من الشّمس ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (سورۂ آل عمران، آیت:۳۱)

ترجمہ: آپ فرمادیجیے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف کردیں گے، اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے اور مہربان ہیں۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَا اَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴾ (سورۂ نساء، آیت:۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو شخص روگردانی کرے سو ہم نے آپ کو ان کا نگراں بنا کر نہیں بھیجا۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا اَطِيعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ ﴾ (سورۂ محمد، آیت:۳۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو، اور (اللہ اور رسول کی مخالفت کر کے) اپنے اعمال کو برباد مت کرو۔

نیز ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ وَمَا آتاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوْا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ (سورۂ حشر، آیت:۷)

ترجمہ: اور رسول تم کو جو کچھ دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے تم کو روکیں اس سے رُک جاؤ اور اللہ سے ڈرو! بے شک اللہ تعالیٰ (مخالفت کرنے پر) سخت سزا دینے والا ہے۔

ان تمام آیات سے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، اتباع اور امتثال امر کی اہمیت اور تاکید صاف معلوم ہوتی ہے، اور اللہ کے رسول ﷺ کے طریقہ کو چھوڑ کر دوسروں کا چلایا ہوا طریقہ اپنانا خواہ کلی طور پر ہو یا کسی خاص بات میں ممنوع ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوْا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهِ ، ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (اَنعام، آیت:۱۵۳)

ترجمہ: اور یہ دین میرا راستہ ہے، جو سیدھا ہے، پس تم اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، اس کا تم کو اللہ نے تاکیدی حکم دیا ہے؛ تاکہ تم دوسری راہوں سے بچو۔

نیز ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾

(سورۂ نساء، آیت:۱۱۵)

ترجمہ: اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا، اس کے بعد کہ اس کے سامنے ہدایت کا راستہ ظاہر ہو چکا ہے، اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چلے گا

تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔

ان آیاتِ قرآنی سے معلوم ہوا کہ راہِ خداوندی، طریقۂ نبوی اور سوادِ اعظم کی روش کو چھوڑ کر کوئی اور روش اپنانا خواہ عقائد میں ہو یا اعمال میں، درجہ بہ درجہ نہایت ناپسندیدہ عمل ہے۔

قرآنِ کریم کے علاوہ احادیثِ شریفہ میں بھی سنت کی اہمیت اور بدعت کی قباحت کو مختلف انداز سے سمجھایا گیا ہے، ذیل میں چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وصیت کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَ إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ؛ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ . (مشکاۃ شریف، ص:۳۰)

ترجمہ: میں تم کو تاکیدی حکم دیتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا اور امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کا، اگر چہ وہ حبشی غلام ہو؛ کیوں کہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا، وہ بہت اختلافات دیکھے گا، پس تم لازم پکڑو میری سنت کو اور ہدایت مآب خلفائے راشدین کی سنت کو، مضبوطی سے تھام لو اس کو اور ڈاڑھوں سے پکڑ لو اس کو، اور نئی نئی باتوں سے بچو؛ کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(۲) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ، وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ . (مشکاۃ شریف، ص:۲۷)

ترجمہ: بہترین بات اللہ کا کلام (قرآن مجید) ہے، اور بہترین طریقۂ زندگی محمد

ﷺ کا طریقۂ زندگی ہے، اور بدترین چیز بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ أُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبٰى، قِيْلَ: وَمَنْ أَبٰى ؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ ، وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ أَبٰى . (حوالۂ بالا)

ترجمہ: میری پوری امت جنت میں داخل ہوگی؛ مگر جس نے انکار کیا، آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کس نے انکار کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَا بُنَيَّ إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ وَلَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ غِشٌّ لِأَحَدٍ فَافْعَلْ ، ثُمَّ قَالَ : يَا بُنَيَّ ! وَ ذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِيْ وَمَنْ أَحَبَّ سُنَّتِيْ فَقَدْ أَحَبَّنِيْ وَمَنْ أَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيْ فِي الْجَنَّةِ . (مشکاۃ شریف، ص:۳۰)

ترجمہ: اے بیٹے! اگر تو قدرت رکھتا ہے کہ صبح اور شام اس حال میں کرے کہ تیرے دل میں کسی شخص کی طرف سے کھوٹ اور کدورت نہ ہو تو ایسا کر، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے بیٹے! یہ میری سنت ہے، اور جو شخص میری سنت سے محبت کرتا ہے، بے شک وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِيْ فَلَهٗ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ. (حوالۂ بالا)

ترجمہ: جس نے میری سنت کو مضبوطی سے تھاما؛ جب کہ میری امت میں بگاڑ پیدا ہو چکا ہو تو اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

(۶) امام مالک بن انسؒ مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تَرَكْتُ فِيْكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا ، كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهٖ. (مشکوۃ شریف، ص:۳۱)

ترجمہ: میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں؛ جب تک تم دونوں کو مضبوطی سے

تھامے رہو گے ہر گز گمراہ نہیں ہو گے، وہ دو چیزیں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہیں۔

(۷) نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الإِسْلَامِ . (حوالۂ بالا)

ترجمہ: جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی بے شک اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد کی۔

(۸) اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا وَلَا صَلَاةً وَلَا صَدَقَةً وَلَا حَجًّا وَلَا عُمْرَةً وَلَا جِهَادًا وَلَا صَرْفًا وَلَا عَدْلًا، يَخْرُجُ مِنَ الإِسْلَامِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعْرَةُ مِنَ العَجِيْنِ. (سنن ابن ماجہ، ص:۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ تو روزہ قبول فرماتے ہیں، نہ نماز، نہ صدقہ، نہ حج، نہ عمرہ، نہ جہاد، نہ کوئی فرض عبادت، نہ نفل عبادت، وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے، جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔

(۹) نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً إِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ ، فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ إِحْدَاثِ بِدْعَةٍ . (مشکاۃ شریف، ص:۳۱)

ترجمہ: جب کوئی قوم کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو اس کے مثل سنت اٹھالی جاتی ہے، پس چھوٹی سے چھوٹی سنت پر عمل کرنا کوئی بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

(۱۰) ایک اور روایت میں ہے:

مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِيْ دِيْنِهِمْ إِلَّا نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ، ثُمَّ لَا يُعِيْدُهَا إِلَيْهِمْ إِلٰى يَوْمِ القِيَامَةِ. (حوالۂ بالا)

ترجمہ: جب کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت گھڑ لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بہ قدر سنت ان سے چھین لیتے ہیں، پھر قیامت تک اس کو ان کی طرف واپس نہیں لوٹاتے۔

(۱۱) عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ. متفقٌ عليه

(مشکاۃ شریف، ص:۲۷)

ترجمہ: جس نے ہمارے اس دین میں ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے، وہ مردود ہے۔

(۱۲) حضرت علی کرّمَ اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْمَدِيْنَةُ حَرَامٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ اِلٰى ثَوْرٍ فَمَنْ اَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا اَوْ آوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَ لَا عَدْلٌ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ (مشکاۃ، ص:۲۳۸، باب حرم المدینۃ)

ترجمہ: مدینہ منورہ مقامِ عَیر سے مقامِ ثور تک حرم ہے، پس جس نے اس میں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی، تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور لوگوں کی سب کی لعنت ہے، نہ اس کی فرض عبادت قبول کی جاتی ہے، نہ نفل عبادت۔

ان ارشادات سے ہر شخص بہ خوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں سنت کی کتنی اہمیت ہے، اور بدعت کتنی مبغوض و مذموم چیز ہے۔

بدعت کی قباحت کی وجوہ

رہا یہ سوال کہ بدعت اس قدر مبغوض کیوں ہے؟ اس پر اکابرِ امت نے طویل کلام کیا ہے، یہاں اختصار کے ساتھ چند وجوہ پیش کی جاتی ہیں:

پہلی وجہ

بدعت کی نحوست اور تاریکی لوگوں کو سنت کے نور سے محروم کردیتی ہے، جیسا کہ حدیث نمبر:۹، اور ۱۰، سے ظاہر ہے، یہی وجہ ہے کہ حامیانِ بدعت جتنا بدعت کا اہتمام کرتے ہیں، اتنا سنت کا نہیں کرتے۔

دوسری وجہ

بدعت کے علاوہ آدمی جو بھی گناہ کرتا ہے، اُسے یہ احساس ہوتا ہے کہ میں ایک غلط کام کررہا ہوں، وہ اس پر پشیمان ہوتا ہے اور اس سے توبہ کرلیتا ہے؛ مگر بدعت ایسا منحوس گناہ ہے کہ کرنے والا اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتا؛ بلکہ نیکی سمجھتا ہے؛ اس لیے اس کو اپنی غلطی کا کبھی احساس نہیں ہوتا اور مرتے دم تک توبہ سے محروم رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے گنہ گاروں کو توبہ کی توفیق ہوجاتی ہے؛ مگر بدعت کے مریض کو کبھی شفا نہیں ہوتی، اِلَّا یہ کہ خدا تعالیٰ کی خاص رحمت اس کی دست گیری کرے، اور اس کی برائی اس کے سامنے کھل جائے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ حَجَبَ التَّوْبَةَ عَنْ كُلِّ صَاحِبِ بِدْعَةٍ ، رواه الطّبراني في الأوسط. (مَجْمَعُ الزَّوَائِد:۱/۱۸۹)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی سے توبہ کو روک دیا ہے۔

تیسری وجہ

دین اسلام کی تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوچکی، اور وہ تمام باتیں جن سے حق تعالیٰ شانہٗ کا قرب اور رضا حاصل ہوسکتی تھی، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا، اب جو شخص دین کے نام پر کوئی بدعت گھڑ کر لوگوں کو اس کی دعوت دیتا ہے، وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین نعوذ باللہ ناقص اور ادھورا ہے، اور آپ نے احکامِ خداوندی پہنچانے میں خیانت کی ہے، اور قرب ورضائے خداوندی کا جو راستہ اس بے وقوف کو معلوم ہوا ہے وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں ہوا، یا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ شریعت کا جو فہم اور منشائے خداوندی کا جو ادراک اس کو ہوا ہے وہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ تابعین عظام کو، الغرض جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظامؒ نے نہیں کیا، آج جو شخص اس کو عبادت اور دین بتاتا ہے وہ نہ صرف سلفِ

صالحین پر؛ بلکہ آنحضرت ﷺ کی فہم وادراک پر حملہ کرتا ہے، اور اپنی فہم کو ان کی فہم پر ترجیح دیتا ہے، ابن ماجشون رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کو فرماتے ہوئے سنا کہ

مَنِ ابْتَدَعَ فِي الإِسْلَامِ بِدْعَةً يَرَاهَا حَسَنَةً فَقَدْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَانَ الرِّسَالَةَ لأَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ فَمَالَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ دِيْنًا، فَلَا يَكُوْنُ الْيَوْمَ دِيْنًا. (الاعتصام:۱/۴۹)

ترجمہ: جو شخص دینِ اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے اور اس کو اچھا سمجھتا ہے، وہ گمان کرتا ہے کہ محمد ﷺ نے احکامِ خداوندی کے پہنچانے میں خیانت کی ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، پس جو بات اس وقت دین نہیں تھی، وہ آج بھی دین نہیں ہوسکتی۔

چوتھی وجہ

بدعت کے مذموم ومبغوض ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ بدعت سے دین میں تحریف و تغیر لازم آتا ہے، پس جو لوگ بدعات ایجاد کرتے ہیں، وہ دراصل دینِ اسلام کے چہرے کو مسخ کرتے ہیں اور اس میں تحریف وتغیر کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے تحریف وتبدیل کا راستہ کھولتے ہیں، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّيْ فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ ، وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا، لَيَرِدَنَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَ يَعْرِفُوْنَنِي ، ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ، فَأَقُوْلُ: إِنَّهُمْ مِنِّيْ ، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ ، فَأَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي، متفق عليه .

(مشکاۃ شریف، ص:۴۸۸، باب الحوض والشّفاعة)

ترجمہ: بے شک میں تمہارا پیش رو ہوں گا حوض کوثر پر، جو شخص میرے پاس آئے گا وہ اس کا پانی پیئے گا، اور جو اس کا پانی پیئے گا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا، یقیناً کچھ لوگ میرے پاس آئیں

گے جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان آڑ کردی جائے گی تو میں کہوں گا: یہ تو میرے آدمی ہیں، مجھے جواب دیا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا ایجاد کیا، پس میں کہوں گا: خدا کی پھٹکار ان لوگوں پر جنہوں نے میرے بعد میرے دین کو بدل ڈالا!

سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ: سے معلوم ہوا کہ بدعت گھڑ لینے سے دین میں تحریف وتغیر لازم آتا ہے؛ اس لیے شریعت کی نگاہ میں کفر وشرک کے بعد سب سے زیادہ مبغوض چیز بدعت ہے۔

سنت وبدعت کی تعریفات

سنت کی اہمیت اور بدعت کی قباحت پہچاننے کے بعد اب دونوں کی تعریفات اور اقسام اور ان کو پہچاننے کے لیے قواعد وضوابط کا جاننا ضروری ہے، طلبہ کے لیے سب سے اہم بحث یہی ہے؛ اس لیے اس کو قدرے تفصیل سے لکھا جاتا ہے، طلبہ کو چاہیے کہ اس کو بغور پڑھیں اور یاد کریں!

سنت کے لغوی معنی

لفظ سنت کا مادہ ہے، سین اور دو (۲) نون، اس مادہ کے اصلی معنی ہیں: جَرَيَانُ الشَّيْءِ واطِّرَادُهُ(۱) فِيْ سَهُوْلَةٍ (۲)

کسی چیز کا بہنا اور آسانی کے ساتھ جاری ہونا، یہ مادہ جہاں جہاں پایا جاتا ہے سب جگہ یہ بنیادی معنی ضرور موجود ہوتے ہیں، مثلاً:

(۱) سَنَنْتُ الْمَاءَ (ن) سَنًّا عَلٰى وَجْهِيْ: میں نے اپنے چہرے پر آہستہ آہستہ پانی گرایا جو سہولت کے ساتھ بہتا چلا گیا۔

(۲) نیز جب آپ لوہے کو سان پر چلا کر تیز کرتے ہیں تو کہتے ہیں: سَنَنْتُ

(۱) اِطِّرادُ الأنْهَار: جاری ہونا. (۲) مقاييس اللغة لابن فارس ، مادة: سنّ. ۱۲

الحَدِيْدَةَ(ن) سَنًّا: میں نے سان سے لوہا تیز کیا یعنی لوہے کو سان پر چلایا۔

(۳) رَجُلٌ مَسْنُوْنُ الْوَجْهِ: کتابی یعنی لمبوترے چہرے والا آدمی، کَاَنَّ اللَّحْمَ قَدْ سُنَّ عَلٰى وَجْهِهٖ: گویا گوشت اس کے چہرے پر بہادیا گیا ہے۔

(۴) حَمَأٌ مَسْنُوْنٌ: بدبودار کیچڑ، کَاَنَّهٗ قَدْ صُبَّ صَبًّا: گویا اس میں خوب پانی انڈیلا گیا ہے۔

(۵) اِمْضِ عَلٰى سَنَنِكَ وسُنَنِكَ: اپنی روش پر چلتا رہ۔

(٦) کہا جاتا ہے: جَآءَ تِ الرِّيْحُ عَلٰى سَنَائِنَ: ہوا ایک ہی انداز پر چلتی رہی۔

(مقاييس اللّغة ، مادة: سنّ)

(۷) قرآن کریم میں متعدد جگہ سنت اللہ کا ذکر آیا ہے، جس کے معنی ہیں عادتِ جاریہ، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

هِيَ الْعَادَةُ الَّتِي تَتَضَمَّنُ أنْ يَفْعَلَ فِيْ الثَّانِيْ مِثْلَ مَا فَعَلَ بِنَظِيْرِهٖ فِيْ الأوَّل. (مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ:۱۳/۲۰)

ترجمہ: سنت وہ عادت ہے جس میں یہ بات پائی جائے کہ دوسرے معاملہ میں بھی ایسا ہی فیصلہ کرے، جیسا کہ اس کی نظیر میں پہلی بار کیا تھا۔

خود علامہ نے اپنی اس عبارت کا خلاصہ یہ نکالا ہے کہ يَحْكُمُ فِيْ الأمُوْرِ الْمُتَمَاثِلَةِ بِأحْكَامٍ مُتَمَاثِلَةٍ: ایک جیسے معاملات میں ایک جیسے فیصلے کرنے کا نام ''عادت'' ہے، پس عادتِ جاریہ میں جو لفظ ''جاریہ'' ہے، وہ ''صفتِ کاشفہ'' ہے۔

(۸) سنت کے مشہور معنی ہیں سیرت اور طریقہ، خالد بن زہیر ہُذَلی کہتا ہے:

فَلَا تَجْزَ عَنْ مِنْ سُنَّةٍ أنْتَ سِرْتَهَا
فَأوَّلَ رَاضٍ سُنَّةً مَنْ يَّسِيْرُهَا

(مقاييس اللّغة)

ترجمہ: تو ہرگز نہ گھبرا کسی ایسے طریقہ سے جس پر تو چل رہا ہے؛ کیوں کہ کسی طریقے کو سب سے پہلے وہی شخص پسند کرتا ہے، جو اس پر چلتا ہے۔

الغرض اس مادہ کے مختلف استعمال آپ کے سامنے ہیں، سب میں جاری ہونے اور چلتے رہنے کے معنی قدرے مشترک ہیں، اور یہ سب لغوی معنی ہیں۔

سنت کے اصطلاحی معنی

سنت کے اصطلاحی معنی تین ہیں:

(۱) فن حدیث اور اصول فقہ کی اصطلاح میں سنت ان باتوں کو کہتے ہیں: جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہیں، خواہ وہ آپ کے ارشادات ہوں، یا آپ ﷺ کا کیا ہوا کوئی کام ہو، یا آپ کی فرمائی ہوئی کوئی تائید ہو، اور متقدمین کے نزدیک تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال بھی سنت کے مصداق میں داخل تھے، اور یہی احناف کی رائے ہے؛ لیکن متاخرین نے امام شافعیؒ کی رائے سے متاثر ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال کو سنت سے خارج کر دیا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں کتاب الإعتصام بالكتاب و السّنة کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں:

وَ الْمُرَادُ ...... بِالسُّنَّةِ مَا جَآءَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ وَتَقْرِيْرِهِ وَمَا هَمَّ بِفِعْلِهِ ، وَالسُّنَّةُ فِي أَصْلِ اللُّغَةِ الطَّرِيْقَةُ ، وَفِيْ إِصْطِلَاحِ الْأُصُوْلِيِّيْنَ والمُحَدِّثِيْنَ مَا تَقَدَّمَ .

(فتح الباری:۱۳/ ۲۴۵)

ترجمہ: سنت سے مراد وہ چیزیں ہیں جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہیں، یعنی آپ کے اقوال وافعال اور آپ کی تائیدات اور وہ چیزیں جن کے کرنے کا آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا، اور سنت کے اصل لغوی معنی ہیں: طریقہ۔ اور اصولی حضرات اور محدثین کے نزدیک سنت کے معنی وہ ہیں جو پہلے بیان ہو چکے۔

اور علامہ ابو اسحاق شاطبی مالکی رحمہ اللہ "الموافقات" میں ارقام فرماتے ہیں کہ

يُطْلَقُ لَفْظُ السُّنَّةِ عَلٰى مَا جَاءَ مَنْقُوْلًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْخُصُوْصِ مِمَّا لَمْ يُنَصَّ عَلَيْهِ فِي الْكِتَابِ العَزِيْزِ .

ترجمہ: سنت کا لفظ ان امور کے لیے بولا جاتا ہے جو صرف نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں اور قرآنِ پاک میں ان کو بیان نہیں کیا گیا۔

نورُ الانوار میں ہے:

اَلسُّنَّةُ: تُطْلَقُ عَلٰى قَوْلِ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِعْلِهٖ وَ سُكُوْتِهٖ وَعَلٰى اَقْوَالِ الصَّحَابَةِ وَ اَفْعَالِهِمْ . (ص:۱۷۵)

ترجمہ: سنت کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور سکوت پر ہوتا ہے، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال پر بھی۔

وجہِ تسمیہ

اور نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال وتقریرات کو سنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ امت میں جاری ہوتے ہیں یعنی امت کے لیے وہ ایک معمول اور دستور العمل ہیں، اصول فقہ کی کتابوں کے آغاز میں جو چار اصولِ شرع کا تذکرہ آتا ہے، جن میں دوسرا نمبر سنت کا ہے، اس سے سنت کے یہی معنی مراد ہیں۔

(۲) علمِ فقہ کی اصطلاح میں سنت احکامِ خمسہ (فرض، واجب، سنت، حرام اور مکروہ تحریمی) میں سے ایک حکم ہے، پس فقہائے کرام کے نزدیک سنت وہ حکم شرعی ہے جو فرض اور واجب نہ ہو، اور آنحضرت ﷺ نے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا ہو۔

مراقی الفلاح میں ہے:

وَ السُّنَّةُ لُغَةً :الطَّرِيْقَةُ وَلَوْ سَيِّئَةً ، وَاصْطِلَاحًا: الطَّرِيْقَةُ الْمَسْلُوْكَةُ فِي الدِّيْنِ مِنْ غَيْرِ لُزُوْمٍ. (طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص:۳۵)

ترجمہ: سنت کے لغوی معنی ہیں: طریقہ۔ اگرچہ برا ہو، اور اصطلاح میں ایسے دینی طریقہ کو کہا جاتا ہے جس کو لازم قرار دیئے بغیر اپنایا گیا ہو۔

اور دستورُ العلماء میں ہے:

وَ السُّنَّةُ بِضَمِّ الْاَوَّلِ وَتَشْدِيْدِ الثَّانِيْ فِي اللُّغَةِ :الطَّرِيْقَةُ مَرْضِيَّةً اَوْ غَيْرَ

مَرْضِيَّةٍ، وَفِي الشَّرْعِ : هِيَ الطَّرِيقَةُ الْمَسْلُوْكَةُ الْجَارِيَةُ فِي الدِّيْنِ مِنْ غَيْرِ افْتِرَاضٍ وَلاَ وُجُوْبٍ سَوَاءٌ سَلَكَهَا الرَّسُوْلُ عَلَيْهِ الصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ أَوْغَيْرُهُ مِمَّنْ هُوَ عَلَمٌ فِي الدِّيْنِ .(دستور العلماء:۲/۱۸۴)

ترجمہ:سنت (پہلے حرف کے ضمہ اور دوسرے حرف کی تشدید کے ساتھ)لغت میں طریقہ کو کہا جاتا ہے،خواہ پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ اور شریعت میں وہ اپنایا ہوا رائج دینی طریقہ ہے جو فرض اور واجب نہ ہو،خواہ اس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنایا ہو یا آپ کے علاوہ ایسی شخصیت نے اپنایا ہو جو دین میں ممتاز درجہ رکھتا ہو۔(یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو اپنایا ہو)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وَ السُّنَّةُ عِنْدَ الْحَنَفِيَّةِ مَا فَعَلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ او صَحْبُهُ بَعْدَهُ. (ص:۳۶)

ترجمہ:احناف کے نزدیک سنت وہ عمل ہے جس کو حضورِ اکرم ﷺ نے کیا ہو یا آپ ﷺ کے بعد آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا ہو۔

وجہِ تسمیہ

اور فرض وواجب کے علاوہ احکامِ شرعیہ کو سنت ؛اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی امت میں رائج اور معمول بہا ہوتے ہیں۔

(۳)اور عرفِ شرع میں سنت ان اقوال واعمال اور عقائد کو کہا جاتا ہے جن کو رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنایا ہے،حافظ ابن رجب حنبلی ؒ ارشادِ نبوی: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ کی وضاحت کرتے ہوئے اِرقام فرماتے ہیں:

وَ السُّنَّةُ هِيَ الطَّرِيْقُ الْمَسْلُوْكُ فَيَشْتَمِلُ ذٰلِكَ التَّمَسُّكَ بِمَاكَانَ عَلَيْهِ هُوَ وَخُلَفَاؤُهُ الرَّاشِدُوْنَ مِنَ الإِعْتِقَادَاتِ وَالأَعْمَالِ وَالأَقْوَالِ وَهٰذِهِ هِيَ السُّنَّةُ الْكَامِلَةُ وَلِهٰذَا كَانَ السَّلَفُ قَدِيْمًا لاَ يُطْلِقُوْنَ إِسْمَ

السُّنَّةِ إِلَّا عَلٰى مَا يَشْمُلُ ذٰلِكَ كُلَّهُ . (جامع العلوم والحکم، ص:۱۸۹)

ترجمہ: سنت وہ طریقہ ہے جس کو اپنایا گیا ہو، پس یہ ارشادِ نبوی ان عقائد اور اعمال و اقوال کو مضبوطی سے تھامنے کو شامل ہوگا، جن پر آپ علیہ السلام اور آپ کے خلفائے راشدین گامزن تھے اور یہی سنتِ کاملہ ہے؛ اسی لیے اسلاف قدیم زمانہ میں لفظِ سنت کا اطلاق ایسے معنی پر کرتے تھے، جو ان سب باتوں کو شامل ہو۔

اور علامہ شاطبی مالکی رحمہ اللہ سنت کے مختلف معنی بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

وَ يُطْلَقُ أَيْضًا فِيْ مُقَابَلَةِ الْبِدْعَةِ، فَيُقَالُ: "فُلَانٌ عَلٰى سُنَّةٍ" إِذَا عَمِلَ عَلٰى وَفْقِ مَاعَمِلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ ذٰلِكَ مِمَّا نُصَّ عَلَيْهِ فِي الْكِتَابِ أَوْ لَا، وَيُقَالُ: "فُلَانٌ عَلٰى بِدْعَةٍ" إِذَا عَمِلَ عَلٰى خِلَافِ ذٰلِكَ .

وَيُطْلَقُ أَيْضًا لَفْظُ السُّنَّةِ علٰى مَا عَمِلَ عَلَيْهِ الصَّحَابَةُ، وُجِدَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ أَوِ السُّنَّةِ أَوْ لَمْ يُوجَدْ ؛ لِكَوْنِهٖ اتِّبَاعًا لِسُنَّةٍ ثَبَتَتْ عِنْدَهُمْ لَمْ تُنْقَلْ إِلَيْنَا أَوْ اجْتِهَادًا مُجْتَمِعًا عَلَيْهِ . (الموافقات:۴/۴)

ترجمہ: نیز سنت کا لفظ بدعت کے مقابلے میں بھی بولا جاتا ہے؛ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ "فلاں سنت پر ہے" جب وہ نبی کریم ﷺ کے عمل کے موافق کام کرے، چاہے وہ کام قرآنِ پاک میں صراحۃً بیان کیا گیا ہو، یا بیان نہ کیا گیا ہو، اور کہا جاتا ہے کہ "فلاں بدعت پر ہے" جب وہ اس کے خلاف کام کرے۔ نیز لفظِ سنت کا اطلاق اس کام پر بھی ہوتا ہے جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا ہے، چاہے وہ کام کتاب وسنت میں صراحۃً موجود ہو یا صراحۃً موجود نہ ہو؛ کیوں کہ وہ کام ایسی سنتِ نبوی کی اتباع کی وجہ سے ہوگا جو ان کے نزدیک ثابت ہے، اور ہم تک وہ سنت منقول ہو کر نہیں پہنچی یا متفق علیہ اجتہاد کی بناء پر ہوگا۔

محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نور اللہ مرقدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد: اَلْوِتْرُ لَيْسَ بِحَتْمٍ كَصَلَاتِكُمُ الْمَكْتُوْبَةِ لٰكِنْ سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی وضاحت کرتے ہوئے اِرقام فرماتے ہیں:

لَا يَصِحُّ أَنْ يَسْتَدِلَّ بِهٰذَا عَلٰى أَنَّ الْوِتْرَ لَيْسَ بِوَاجِبٍ لأَنَّ لَفْظَ السُّنَّةِ فِيْ تَعْبِيْرِ الشَّرِيْعَةِ يُرَادُ بِهَا الطَّرِيْقَةُ الْمَسْلُوْكَةُ ، لَا السُّنَّةُ الَّتِيْ اصْطَلَحَ عَلَيْهَا فُقَهَاءُ الْأُمَّةِ ، فَإِنَّ الإِطْلَاقَ بِالْمَعْنٰى الْمُصْطَلِحِ مُسْتَحْدَثٌ ، رُبَّمَا نَجِدُ إِطْلَاقَ السُّنَّةِ عَلَى الْفَرَائِضِ الْمُتَّفَقِ عَلَيْهَا، وَنَظَائِرُهَا كَثِيْرَةٌ جِدًّا. (معارف السنن:۴/۱۷۹)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد سے یہ استدلال کرنا درست نہیں ہے کہ وتر واجب نہیں بلکہ سنت ہے؛ اس لیے کہ عرفِ شرع میں لفظِ سنت سے مراد ایسا طریقہ ہوتا ہے جس کو اپنایا گیا ہو، سنت کے وہ معنی مراد نہیں جو فقہائے امت نے وضع کیے ہیں کیوں کہ سنت کا اصطلاحی معنی میں استعمال حادث ہے، اور بہت سی جگہ ہم دیکھتے ہیں کہ سنت کا اطلاق متفق علیہ فرائض پر کیا جاتا ہے، اور اس کی نظیریں بے شمار ہیں۔

اور حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی تحریر فرماتے ہیں کہ

''سنت: طریقہ کو کہتے ہیں، پس عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور عادات میں آنحضرت ﷺ نے جو طریقہ اپنایا وہ سنت ہے، اور اس کے خلاف بدعت ہے'' (اختلافِ امت اور صراط مستقیم:۱/۹۵)

الغرض یہ سنت کے شرعی معنی ہیں اور عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ میں سنت کے یہی معنی مراد ہیں، اور بدعت کے مقابلہ میں جب سنت کا لفظ بولا جاتا ہے تو یہی معنی مراد ہوتے ہیں، اور اس سے پہلے سنت کے جو معنی بیان کیے گئے ہیں، وہ فقہائے کرام کی مخصوص اصطلاح ہے۔

معجم لغۃِ الفقہاء[1] میں ہے:

❁ السُّنَّةُ :بِضَمِّ أَوَّلِهِ وَفَتْحِ ثَانِيهِ، ج: سُنَنٌ: الطَّرِيْقَةُ وَالسِّيْرَةُ .

---

(۱) یہ محمد رُواس قلعہ جی اور حامد صادق قُنَیبی کی ترتیب دی ہوی عربی اور انگریزی ڈکشنری ہے، اور ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی سے شائع ہوئی ہے۔۱۲

(۱)عِنْدَ الْأُصُوْلِيِّيْنَ:مَا أُثِرَعَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَقْرِيْرٍ
وَ عِنْدَ الْمُحَدِّثِيْنَ: مَا أُثِرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَقْرِيْرٍ أَوْ صِفَةٍ ، عَلٰى هٰذَا فَالسُّنَّةُ إِمَّا قَوْلِيَّةٌ وَ إِمَّا فِعْلِيَّةٌ وَإِمَّا تَقْرِيْرِيَّةٌ وَإِمَّا وَصْفِيَّةٌ

(۲) اَلطَّرِيْقَةُ الْمَشْرُوْعَةُ فِي الدِّيْنِ ضِدُّ الْبِدْعَةِ.

(۳) مَاكَانَ فِيْ مَشْرُوْعِيَّةٍ دُوْنَ الْوَاجِبِ وَفَوْقَ الْمَنْدُوْبِ.

(معجم لغۃ الفقھاء،ص:۲۵۰)

ترجمہ:سنت (پہلے حرف کے ضمہ اور دوسرے حرف کے فتحہ کے ساتھ) کے معنی ہیں طریقہ اور سیرت۔

(۱)اور اصولیوں کے نزدیک سنت وہ قول یا فعل یا تائید ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے، اور محدثین کے نزدیک وہ قول یا فعل یا تائید یا وصف ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے، اس تعریف پر سنت یا تو قولی ہوگی یا فعلی یا تائیدی یا وصفی۔

(۲)سنت وہ طریقہ ہے جو دین میں مشروع ہے، بدعت کی ضد۔

(۳)سنت وہ حکمِ شرعی ہے جو واجب سے ادنیٰ اور مندوب سے اعلیٰ ہے۔

وجہِ تسمیہ

حضورِ اکرم ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کے اقوال وافعال اور عقائد کو سنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ امت کے لیے یہ باتیں دستورُ العمل ہیں، پس ان کا رواج اور چلن ہوا؛ اس لیے ان کو سنت کا نام دیا گیا۔

بدعت کے لغوی معنی

ب،د،ع: کے بنیادی لغوی معنی دو (۲) ہیں:

(۱) کسی چیز کو بغیر سابق نمونہ کے بنانا اور شروع کرنا، کہا جاتا ہے: أَبْدَعْتُ الْقَوْلَ: میں نے انوکھی بات کہی، اور أَبْدَعْتُ الْفِعْلَ: میں نے نیا کام شروع کیا، ارشادِ خداوندی

ہے: ﴿ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾: اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو بغیر سابق نمونہ کے پیدا کیا، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ ﴾: میں کوئی انوکھا (بالکل نیا) رسول نہیں ہوں، اور امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

البِدْعَةُ كُلُّ شَيْءٍ عُمِلَ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ . (مرقاۃ:۱/۲۱۶)

ترجمہ: بدعت ہر وہ نئی چیز ہے، جو سابق نمونہ کے بغیر بنائی گئی ہو۔

اور مُغرِب میں ہے:

البِدْعَةُ : اِسْمٌ مِنِ ابْتَدَعَ الْأَمْرَ : إِذَا ابْتَدَاهُ وَ أَحْدَثَهُ . (مغرب:ص۳۰)

بدعت: ابتداع کا اسم ہے اور اِبْتَدَعَ الْأَمْرَ کے معنی ہیں: ابتداء کرنا اور ایجاد کرنا۔

(۲) کسی چیز کا ختم ہو جانا اور تھک جانا، کہا جاتا ہے: أُبْدِعَتِ الرَّاحِلَةُ: اونٹنی تھک گئی اور ہلاک ہوگئی، حدیث شریف میں ہے:

إِنَّ رَجُلاً أَتَاهُ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّيْ أُبْدِعَ بِيْ فَاحْمِلْنِيْ .

(ابوداؤد، کتاب الادب)

ترجمہ: ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری اونٹنی ہلاک ہوگئی اور میں بے سہارا ہو گیا ہوں، پس آپ مجھے کوئی سواری عنایت فرمایئے۔

بدعت کے اصطلاحی معنی

بدعت کے اصطلاحی معنی علمائے امت نے مختلف انداز سے بیان کیے ہیں؛ مگر وہ صرف تعبیر کا فرق ہے، سب کی عبارتوں کا خلاصہ ایک ہے، ذیل میں چند تعریفات پیش کی جاتی ہیں، ان کو بہ غور ملاحظہ فرمائیں:

(۱) امام نووی رحمہ اللہ نے بدعت کے اصطلاحی معنی یہ بیان کیے ہیں:

إِحْدَاثُ مَالَمْ يَكُنْ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(مرقاۃ:۱/۲۱۶)

ترجمہ: ایسی چیز ایجاد کرنا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نہیں تھی۔

(۲) اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے یہ تعریف کی ہے:

اَلْبِدْعَةُ: مَاأُحْدِثَ وَ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَصْلٌ فِي الشَّرْعِ. (فتح الباری، ۱۳/۲۵۳)

ترجمہ: بدعت وہ چیز ہے جو نئی شروع کی گئی ہو اور شریعت میں اس کی کوئی اصل نہ ہو۔

(۳) امام شافعی علیہ الرحمۃ نے بدعت کی تعریف اس طرح کی ہے:

مَا أُحْدِثَ يُخَالِفُ كِتَابًا أَوْ سُنَّةً أَوْ أَثَرًا أَوْ إِجْمَاعًا فَهٰذِهٖ بِدْعَةُ الضَّلَالِ. (حوالۂ بالا)

جو چیز کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ یا آثارِ صحابہ یا اجماعِ امت کے خلاف ایجاد کی گئی ہو وہ بدعتِ ضلالہ ہے۔

(۴) اور حافظ ابن رجب حنبلیؒ لکھتے ہیں:

الْمُرَادُ بِالْبِدْعَةِ: مَا أُحْدِثَ مِمَّا لَا أَصْلَ لَهُ فِي الشَّرِيْعَةِ يَدُلُّ عَلَيْهِ، أَمَّا مَا كَانَ لَهُ أَصْلٌ مِنَ الشَّرْعِ يَدُلُّ عَلَيْهِ فَلَيْسَ بِبِدْعَةٍ وَإِنْ كَانَ بِدْعَةً لُغَةً. (جامع العلوم والحکم، ص:۱۹۳)

ترجمہ: بدعت سے مراد ایسی نئی بات ہے جس کی شریعت میں کوئی ایسی اصل نہ ہو جو اس پر دلالت کرے، رہی وہ بات جس کی شریعت میں کوئی ایسی اصل ہو جو اس پر دلالت کرتی ہو تو وہ شرعاً بدعت نہیں ہے، اگرچہ لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت ہے۔

(۵) اور امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

وَ الْبِدْعَةُ فِي الْمَذْهَبِ: إِيْرَادُ قَوْلٍ لَمْ يَسْتَنَّ قَائِلُهَا أَوْ فَاعِلُهَا فِيْهِ بِصَاحِبِ الشَّرِيْعَةِ وَ أَمَاثِلِهَا الْمُتَقَدِّمَةِ وَ أُصُوْلِهَا الْمُتْقِنَةِ.

(مفردات القرآن، ص:۳۷)

ترجمہ: دین میں بدعت کے معنی ہیں: ایسی بات پیش کرنا جس کا کہنے والا یا کرنے والا صاحبِ شریعت کے نقشِ قدم پر نہ چلا ہو اور شریعت کی سابق مثالوں اور اس کے محکم اصولوں پر گامزن نہ ہوا ہو۔

(۶) اور حافظ بدرُ الدین عینیؒ ارقام فرماتے ہیں:

وَ الْبِدْعَةُ فِي الْأَصْلِ : إِحْدَاثُ أَمْرٍ لَمْ يَكُنْ فِي زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ. (عمدۃ القاری، ۵/۳۵۶)

ترجمہ: بدعت اصل میں ایسی چیز کے ایجاد کرنے کو کہتے ہیں، جس کا وجود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو۔

(۷) علامہ ابو اسحاق شاطبیؒ بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلْبِدْعَةُ طَرِيْقَةٌ فِي الدِّيْنِ مُخْتَرِعَةٌ تُضَاهِي الشَّرِيْعَةَ يُقْصَدُ بِالسُّلُوْكِ عَلَيْهَا مَايُقْصَدُ بِالطَّرِيْقَةِ الشَّرِيْعَةِ. (الاعتصام، ۱/۳۷)

بدعت: دین میں ایجاد کیا ہوا وہ طریقہ ہے جو شریعت کے مشابہ ہو اور اس پر عمل کرنے کا مقصد وہی ہو جو شرعی طریقہ کا ہوتا ہے (یعنی فلاحِ دارین کے قصد سے اس پر عمل کیا جائے)

(۸) اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ لکھتے ہیں:

"بدعت کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب و سنت اور قرونِ مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے" (فوائدِ عثمانیؒ بر ترجمۂ شیخ الہندؒ، ص: ۷۱۸)

(۹) اور مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ لکھتے ہیں:

"بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو یعنی قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں اس کا ثبوت نہ ملے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ اور تابعین اور تبعِ تابعین کے زمانہ میں اس کا وجود نہ ہو اور اس کو دین سمجھ کر کیا یا چھوڑا جائے" (تعلیم الاسلام، حصہ چہارم، ص: ۲۷)

ان تمام تعریفوں کا حاصل یہ ہے کہ بدعت ایسے نئے دینی کام کو کہتے ہیں جس کے جواز کی کوئی دلیل شرعی نہ ہو، یعنی قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس شرعی میں سے کوئی اس کے جواز پر دلالت نہ کرے ـــــ اور امام نوویؒ اور حافظ بدر الدین عینیؒ نے جو یہ فرمایا

ہے کہ ”بدعت ایسی چیز کے ایجاد کرنے کو کہتے ہیں جس کا وجود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو“ اس سے وجودِ خارجی مراد نہیں ہے“؛ بلکہ وجودِ شرعی مراد ہے، اور وجودِ شرعی نام ہے ”دلیلِ جواز کے ہونے“ کا، پس جس چیز کا جواز حضور اکرم ﷺ کے قول و عمل یا تقریر سے صراحۃً یا اشارۃً ثابت نہ ہوسکے، اس کا وجودِ شرعی قیامت تک نہیں ہوسکتا، اور جس چیز کا جواز آپ کے قول و عمل یا تقریر سے ثابت ہے، اس کا وجودِ شرعی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہو چکا، چاہے اس کا ظہور بعد میں ہوا ہو؛ لہٰذا حافظ بدرالدین عینیؒ اور امام نوویؒ کی بیان کردہ تعریف کا حاصل بھی یہی ہے کہ بدعت ایسے نئے دینی کام کو کہتے ہیں جس کے جواز کی کوئی دلیل شرعی نہ ہو؛ چنانچہ فریق مخالف کے مشہور عالم مولوی محمد صالح صاحب بھی بدعت کی یہی تعریف کرتے ہیں کہ

(۱۰) اصطلاحِ شرع میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جو امورِ دینیہ سے سمجھی جائے؛ مگر کسی دلیلِ شرعی سے اس کا ثبوت نہ ملتا ہو، نہ کتاب سے نہ احادیثِ نبویہ سے، نہ اجماع مجتہدین سے، نہ قیاس شرعی سے (تحفۃ الاحباب، ص:۹۵)

وجہِ تسمیہ

بدعت کے اصطلاحی معنی اس کے دو لغوی معنی میں سے پہلے معنی سے ماخوذ ہیں۔

لفظِ بدعت کا استعمال

اوپر بدعت کے جو معنی بیان کیے گئے ہیں، وہ اصطلاحی معنی ہیں؛ یعنی شرعی معنی ہیں اور احادیثِ نبویہ میں جہاں کہیں لفظ بدعت آیا ہے، وہاں یہی معنی مراد ہیں؛ مگر قرونِ اولیٰ میں کبھی ہر نئی بات کو بدعت کہہ دیا جاتا تھا، خواہ اس کے جواز کی دلیل ہو یا نہ ہو، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کے بارے میں یہ ارشاد:

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ : یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔

یہ لفظ بدعت کا لغوی معنی میں استعمال ہے اور بدعتِ لغوی بدعتِ شرعی سے عام ہے،

امام شافعی رحمہ اللہ نے اسی عام معنی کا لحاظ کر کے بدعت کی دو قسمیں کی ہیں: ایک بدعت محمودہ اور دوسری بدعت مذمومہ، فتح الباری میں ہے:

قَالَ الشَّافِعِیُّ: اَلْبِدْعَةُ بِدْعَتَانِ : مَحْمُوْدَةٌ وَّ مَذْمُوْمَةٌ ، فَمَا وَافَقَ السُّنَّةَ فَهُوَ مَحْمُوْدٌ وَمَاخَالَفَهَا فَهُوَ مَذْمُوْمٌ. (۲۵۳/۱۳)

ترجمہ: امام شافعی نے فرمایا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعتِ محمودہ اور بدعتِ مذمومہ، پس جو سنت کے موافق ہو وہ محمود ہے اور جو سنت کے خلاف ہو وہ مذموم ہے۔

اور علامہ عِزُّ الدین بن عبد السلامؒ نے اسی عام معنی کو پیش نظر رکھ کر بدعت کی پانچ قسمیں کی ہیں: (۱) واجب (۲) حرام (۳) مندوب (۴) مکروہ (۵) اور مباح۔

محدثِ جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ ''براہینِ قاطعہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''تمام علماء اول سے آخر تک متفق ہیں اس بات پر کہ بدعت لغت میں امرِ جدید کو کہتے ہیں، اور کتبِ شرعیہ میں جو اطلاق اس لفظ پر ہوتا ہے تو کسی جگہ تو اس کے معنی یہ لیتے ہیں کہ جو امر بعد فخرِ عالم علیہ السلام کے حادث ہوا مطلقاً خواہ محمود ہو یا مذموم اعنی اس کے جواز کی دلیل شرع میں موجود ہو یا نہ ہو، اس کی دو قسمیں کرتے ہیں: قسم اول کو محمود کہ جس کی دلیل جواز کی شرع میں ہے، دوسری مذموم کہ دلیل اس کے جواز کی نہیں، پس اول کو بدعتِ حسنہ نام رکھتے ہیں اور ملحق بالسنہ جانتے ہیں، اور دوسری قسم بدعتِ ضلالہ ہے، پس یہ حد بدعت کی عام کہلاتی ہے ـــــ اور کسی جگہ بدعت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جو امرِ حادث ہو خلاف طریقۂ مرضیہ شارع علیہ السلام کے، یعنی اس کے جواز کی دلیل شریعت میں نہ ہو اور یہ معنی خاص ہیں اور کتبِ شرعیہ میں اس سے ہی بحث ہوتی ہیں''

(براہینِ قاطعہ، ص:۳۰)

الحاصل عام معنی یعنی لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت کبھی اچھی ہوتی ہے اور کبھی بری مگر خاص معنی یعنی شرعی اصطلاح کے اعتبار سے بدعت کبھی اچھی نہیں ہوتی، ہمیشہ قبیح ہوتی ہے۔

بدعتِ اعتقادی اور بدعتِ عملی

بدعتِ شرعی کی دو قسمیں ہیں: ایک بدعتِ اعتقادی اور دوسری بدعتِ عملی، اعتقادی بدعت یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ ایسے عقائد و نظریات اختیار کرے جو آنحضرت ﷺ اور سلفِ صالحین کے عقائد و نظریات کے خلاف ہوں، جیسے حضورِ اکرم ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ ﷺ عالم الغیب، حاضر و ناظر اور مختارِ کل ہیں، اسی طرح شیعہ، خوارج، معتزلہ، قدریہ اور جبریہ وغیرہ گمراہ فرقوں کے عقائدِ باطلہ، یہ سب اعتقادی بدعات ہیں، اور یہ سب فرقے شرعی اصطلاح میں اہلِ بدعت ہیں اصولِ حدیث کی کتابوں میں ان کے لیے یہی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

اور عملی بدعت یہ ہے کہ عقیدہ تو درست ہو اور ایسے اعمال اختیار کرے جو آنحضرت ﷺ اور سلفِ صالحین سے منقول نہیں ہیں، جیسے مزاروں کو پختہ بنانا، ان پر گنبد تعمیر کرنا اور قبروں پر چراغ روشن کرنا وغیرہ۔

بدعتِ حقیقی اور بدعتِ اضافی

علامہ ابو اسحاق شاطبی رحمہ اللہ نے بدعت شرعی کی ایک اور اعتبار سے دو قسمیں کی ہیں: ایک بدعتِ حقیقی، دوسری بدعتِ اضافی —— بدعت حقیقی وہ ہے جو اصولِ شریعت کے بالکلیہ خلاف ہو، جیسے حضورِ اکرم ﷺ کو عالم الغیب، حاضر و ناظر اور مختارِ کل جاننا، پختہ مزارات بنانا وغیرہ —— اور بدعت اضافی وہ ہے جو مِن وَجہٍ جائز ہو اور مِن وَجہٍ ناجائز ہو یعنی ذات کے اعتبار سے جائز ہو؛ مگر کیفیات و قیودات کی وجہ سے ناجائز ہو، جیسے مروجہ میلاد کہ فی نفسہٖ حضورِ اکرم ﷺ کی ولادتِ مبارکہ اور سیرتِ طیبہ کا تذکرہ کرنا امرِ محمود ہے؛ مگر مروّجہ طریقے پر ناجائز اور بدعت ہے، اسی طرح تیجا، ساتواں، دسواں اور چالیسواں کہ فی حدِّ ذاتہٖ ایصالِ ثواب جائز ہے؛ مگر ایصالِ ثواب کے لیے دنوں کی تعیین بدعت ہے۔

بدعات کو پہچاننے کے اصول

بدعت کی تعریف و تقسیم کے بعد ذیل میں چند اصول ذکر کیے جاتے ہیں، جن سے بدعات کے پہچاننے میں مدد ملے گی۔

(۱) جس فعل کا سبب اور مُحرِّک حضورِ اکرم ﷺ کے زمانہ میں موجود ہو اور کوئی مانع بھی نہ ہو، اس کے باوجود نہ حضورِ اکرم ﷺ نے اس کو کیا ہو، نہ صحابۂ کرام کو اس کے کرنے کا حکم دیا ہو، نہ ترغیب دی ہو، تو ایسا کام کرنا بدعت ہے، جیسے مُروَّجہ میلاد کا سبب (یعنی حضورِ اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت) اس وقت موجود تھا اور صحابۂ کرامؓ کو آپ ﷺ سے گہرا عشق اور عقیدت و محبت تھی؛ لیکن اس کے باوجود نہ کسی نے آپ ﷺ کا یوم ولادت منایا نہ حضورِ اکرم ﷺ نے اس کا حکم دیا، جب سبب اور محرک موجود تھا اور میلاد کا مروجہ طریقہ موجود نہیں تھا تو بعد میں قیاس و اجتہاد سے ثابت کرنے کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش ہے —— اسی طرح آپ کی دو ازواج مطہرات حضرت خدیجہ الکبریٰؓ اور حضرت زینب امُّ المساکینؓ اور آپ ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ اور آپ ﷺ کی تین صاحب زادیاں حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ، اور جملہ صاحب زادے آپ کی زندگی میں اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے؛ مگر آپ ﷺ نے نہ ان کا تیجا کیا، نہ ساتواں، نہ دسواں، نہ چالیسواں کیا، تو بعد میں ان امور کے ایجاد کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

(۲) شریعت نے جو چیز مطلق رکھی ہے اس میں اپنی طرف سے قیود لگانا بدعت ہے، مثلاً شریعت نے زیارتِ قبور کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا، پس کسی بزرگ کی قبر پر جانے کے لیے ایک وقت مقرر کر لینا اور اس کو ضروری سمجھنا بدعت ہوگا۔

اسی طرح شریعت نے آنحضرت ﷺ، بزرگانِ دین اور عام مسلمانوں کے ایصالِ ثواب کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا، آدمی جب چاہے ایصالِ ثواب کر سکتا ہے؛ لہٰذا اس کے لیے خاص خاص اوقات اور خاص خاص صورتیں تجویز کرنا اور ان کی پابندی کو

ضروری سمجھنا بدعت ہوگا۔

(۳) مطالباتِ شرعیہ کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس کی روح اور قالب یا معنی اور صورت دونوں کو شریعت نے متعین کر دیا ہے، جیسے نماز کہ روح اس کی ذکر اللہ ہے، جیسا کہ ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴾ سے واضح ہے، اور اس کے ساتھ نماز کے قالب اور ظاہری صورت کو بھی شریعت نے متعین کر دیا ہے کہ ہر رکعت میں قیام کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدے ہوں گے وغیرہ وغیرہ، اس قسم کے مطالبات میں روح اور معنی کے ساتھ ظاہری صورت بھی چونکہ مطلوب ہے؛ اس لیے ظاہری صورت میں کسی قسم کی ترمیم یا اضافہ کرنا بدعت ہوگا۔

اس کے برخلاف شرعی مطالبات کی دوسری قسم وہ ہے جس کی روح کا مطالبہ کر کے قالب اور صورت کے متعلق آزادی بخشی گئی ہے، مثلاً جہاد کی روح اعلاءِ کلمۃ اللہ اور کفر و شرک کی شوکت وقوت کا ازالہ ہے؛ لیکن شریعت نے جہاد کی کوئی خاص صورت متعین نہیں فرمائی ہے، عہدِ نبوت میں صحابہ کرامؓ جہاد کے فریضہ کو تلوار اور تیر و کمان وغیرہ آلات و ذرائع اختیار کر کے ادا کرتے تھے؛ لیکن موجودہ دور میں جنگ کے آلات بدل گئے، آج ایٹم بم اور میزائل و راکٹ وغیرہ نئے آلاتِ حرب استعمال ہونے لگے ہیں؛ لہٰذا جو شخص ان جدید آلاتِ حرب کو استعمال کر کے جہاد کا فریضہ انجام دے گا، وہ یقیناً شریعت کے مطالبہ کی تعمیل کرنے والا ہوگا، اس پر یہ الزام نہیں لگایا جا سکتا ہے کہ نئے آلاتِ حرب استعمال کر کے بدعت کا ارتکاب کر رہا ہے۔

(۴) جو کام بذاتِ خود مستحب اور مندوب ہے؛ مگر اس کا ایسا التزام کرنا کہ رفتہ رفتہ اس کو ضروری سمجھا جانے لگے اور اس کے تارک کو ملامت کی جانے لگے تو وہ کام مستحب کے بجائے بدعت بن جاتا ہے، مثلاً سلام پھیرنے کے بعد داہنی جانب گھوم کر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہونا سنت ہے؛ مگر اس کا ایسا التزام کرنا کہ لوگ اس کو ضروری سمجھنے لگیں، اور تارک کو ملامت کرنے لگیں تو یہ مستحب عمل بدعت ہو جائے گا، یا مثلاً نمازِ جمعہ کی پہلی رکعت میں ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿ هَلْ اَتٰكَ

حَدِيْثُ الغَاشِيَةِ﴾ پڑھنا مسنون ہے؛ مگر اس کا ایسا التزام کرنا کہ لوگ اس کو ضروری سمجھنے لگیں اور تارک کو ملامت کرنے لگیں تو یہ مسنون عمل بدعت بن جائے گا۔

(۵) جو کام فی نفسہٖ جائز ہے، اگر اس کے کرنے میں کفار وفجار اور گمراہ لوگوں کی مشابہت لازم آئے تو اس کا ترک اولیٰ ہوگا؛ کیوں کہ بہت سی احادیث میں آنحضرت ﷺ نے کفار وفجار کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، اس قاعدے سے معلوم ہوا کہ تمام وہ اعمال وافعال جو اہلِ بدعت کا شعار بن جائیں، ان کا ترک لازم ہے بشرطیکہ وہ اعمال فرض اور واجب نہ ہوں، حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات شرحِ مشکاۃ میں اِرقام فرماتے ہیں کہ

إِنَّ كُلَّ سُنَّةٍ تَكُوْنُ شِعَارَ أَهْلِ البِدْعَةِ تَرْكُهَا اَوْلٰى. (مرقاۃ،۴/۶۳)

ترجمہ: ہر وہ کام جو اہلِ بدعت کا شعار ہو اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔

اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ، وَ أَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ ،وَ أَحْيِنَا عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ، وَ أَمِتْنَا عَلَى الدِّيْنِ الْقَوِيْمِ ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ ، وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ ، بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

تمّت بالخير

تیسرا محاضرہ

(علم غیب، حاضر و ناظر اور نور و بشر کا مسئلہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ أَمَّا بَعْدُ:

دوسرے محاضرہ میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں:(۱) بدعتِ اعتقادی (۲) اور بدعتِ عملی ۔بدعتِ اعتقادی یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ ایسے عقائد و نظریات اختیار کرے جو آنحضرت ﷺ اور سلف صالحین کے عقائد ونظریات کے خلاف ہوں، جیسے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ ﷺ عالم الغیب، حاضر و ناظر اور مختار کل ہیں —— اور بدعتِ عملی یہ ہے کہ عقیدہ تو درست ہو؛ البتہ اعمال ایسے اختیار کرے جو آنحضرت ﷺ اور سلفِ صالحین سے منقول نہیں ہیں، جیسے مزاروں کو پختہ بنانا، ان پر گنبد تعمیر کرنا اور قبروں پر چراغ روشن کرنا، وغیرہ، اس محاضرے میں رضاخانی فرقہ کے کچھ اعتقادی بدعات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

[۱]: علمِ غیب کا مسئلہ

"علمِ غیب" مرکبِ اضافی ہے اس کو سمجھنے کے لیے اس کے دونوں اجزاء کو الگ الگ سمجھنا ضروری ہے، علم کی حقیقت تو سبھی حضرات جانتے ہیں ؛البتہ غیب کی وضاحت ضروری ہے، جو درج ذیل ہے:

غیب کی تعریف

"غیب اور مغیب" دونوں غَابَ یَغِیْبُ کے مصدر ہیں اور غَابَ الشَّیءُ عَنْ فُلَانٍ کے معنی ہیں پوشیدہ ہونا، پس غیب کے لغوی معنی ہیں: ایسی چیز جو ہم سے پوشیدہ ہو، اس کی جمع غُیُوْب آتی ہے، اور مَغِیْبُ کی جمع مَغِیْبَاتٌ ہے۔ قاموس میں ہے:

اَلغَیْبُ مَاغَابَ عَنْكَ.

ترجمہ: غیب وہ چیز ہے جو آپ سے پوشیدہ ہو۔

اور مُغرِب میں ہے:

اَلْغَیْبُ مَاغَابَ عَنِ الْعُیُوْنِ وَ اِنْ کَانَ مُحَصَّلاً فِی الْقُلُوْبِ.

ترجمہ: غیب وہ ہے جو نگاہوں سے اوجھل ہو، چاہے وہ دلوں میں موجود ہو۔

اور عرفِ شرع میں غیب ہر وہ چیز ہے جو بندوں سے پوشیدہ ہے حافظ عمادُ الدین اسماعیل بن کثیرؒ سُدّی مفسرؒ کے حوالے سے ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور نبیٔ کریم ﷺ کے کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

أَمَّا الْغَیْبُ: فَمَا غَابَ عَنِ الْعِبَادِ مِنْ أَمْرِ الْجَنَّةِ وَ أَمْرِ النَّارِ وَ مَا ذُکِرَ فِی الْقُرْآنِ. (تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۱)

ترجمہ: غیب: وہ ہے جو بندوں سے پوشیدہ ہو، جیسے جنت اور دوزخ کے حالات اور جو کچھ قرآنِ پاک میں بیان کیا گیا ہے۔

ایک شبہ کا جواب

غیب کی اس تعریف پر کسی کو اگر یہ شبہ ہو کہ جنت اور دوزخ وغیرہ کے حالات تو ہمیں معلوم ہیں ان کو غیب کہنا کیوں کر درست ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وحی والہام کے ذریعہ جن امورِ غیبیہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو مطلع فرمایا ہے، اور انبیائے کرام کے بتلانے سے ہم ان کو جانتے ہیں، وہ سب چیزیں ہم سے پوشیدہ ہیں، حواسِ ظاہرہ سے ہم

ان کا ادراک کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے؛ اس لیے ان کو غیب کہنا درست ہے قرآنِ پاک میں بھی ایسی چیزوں کو غیب کہا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

﴿ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ﴾ (سورہ بقرہ، آیت:۳)

''جو یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا'' (یعنی جو چیزیں ان کے عقل و حواس سے مخفی ہیں، جیسے دوزخ، جنت ملائکہ وغیرہ ان سب کو اللہ اور رسول کے ارشاد کی وجہ سے حق اور یقینی سمجھتے ہیں) (فوائدِ عثمانی'' برترجمہ شیخ الہند'')

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن امورِ غیبیہ کے کچھ احوال ہم جانتے ہیں، ان کو بھی غیب ہی کہا جائے گا؛ کیوں کہ وہ ہم سے پوشیدہ ہیں اور ان کے کچھ حالات کا ہمیں جو علم ہے وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے توسط سے ہے اور انبیائے کرام کو وحی والہام کے ذریعہ حاصل ہوا ہے، حواس کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

مغیبات کے جاننے کی چار قسمیں اور ان کے احکام

مغیبات کے جاننے کی بنیادی قسمیں دو ہیں: (۱) ذاتی (۲) اور عطائی، پھر عطائی کی دو قسمیں ہیں: (۱) محیط (۲) اور غیر محیط، پھر محیط کی دو قسمیں ہیں: (۱) عام (۲) اور خاص، پس مغیبات کے جاننے کی کل چار قسمیں ہوئیں: (۱) ذاتی (۲) عطائی محیطِ عام۔ (۳) عطائی محیطِ خاص (۴) اور عطائی غیر محیط، نقشہ درج ذیل ہے:
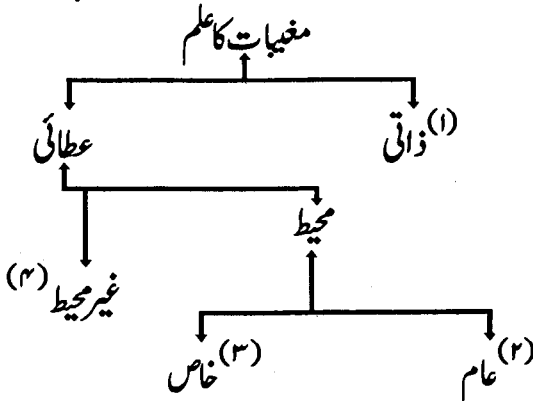
تمام قسموں کی مختصر وضاحت

(۱) ''علم ذاتی'' خانہ زاد علم کو کہتے ہیں، یعنی ایسا علم جو کسی کا عطا کیا ہوا نہ ہو—— (۲) ''علم عطائی'' وہ علم ہے جو کسی ہستی کا عطا کیا ہوا ہو—— (۳) ''علم محیطِ عام'' ازل سے ابد تک تمام چیزوں کے علمِ کلی کو کہتے ہیں —— (۴) ''علم محیطِ خاص'' ابتدائے آفرینش سے جنت وجہنم میں داخل ہونے تک کی تمام چیزوں کے علمِ کلی کو کہتے ہیں، یعنی جب سے اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا ہے اس وقت سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک کی تمام چیزوں کا ایسا تفصیلی علم کہ کائناتِ حاضرہ اور غائبہ کی کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہ رہے —— (۵) اور علم غیرِ محیط سے مراد صرف بعض مغیبات کا علم ہے، یعنی غیب کی صرف ان باتوں کا علم جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کو وحی والہام کے ذریعہ مطلع فرمایا ہے —— اس مختصر وضاحت کے بعد چاروں قسموں کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

(۱) علم ذاتی

جو قومیں اللہ کو تمام مخلوقات کا خالق اور سارے عالم اور پوری کائنات کو اس کی مخلوق مانتی ہے، وہ سب یہ بھی تسلیم کرتی ہیں کہ کسی بھی مخلوق میں جو صفت ہے وہ خالق کی عطا کی ہوئی ہے، یہاں تک کہ مشرکین جو اپنے دیوتاؤں کے لیے الوہیت اور مستقل تصرف کی قدرت کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے دیوتاؤں کو یہ صفات اور یہ کمالات خدا ہی نے عطا کیے ہیں؛ کیوں کہ جن کا وجود ہی خانہ زاد نہیں ہے؛ بلکہ عطائے غیر ہے ان کے اوصاف وکمالات ذاتی اور خانہ زاد کیسے ہو سکتے ہیں؟۔

اسی بناء پر یہ حقیقت بالکل مسلم ہے کہ کسی بھی بندے اور بزرگ ہستی کو ایک ذرہ کا بھی ''ذاتی علم'' حاصل نہیں ہے، لہٰذا جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ ﷺ کو یا کسی نبی یا ولی کو کسی بھی ذرہ کا ذاتی علم تھا یا ہے، تو بالاتفاق مشرک ہے، مولوی احمد رضا خاں

بریلوی لکھتے ہیں کہ

''علم ذاتی'' اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس کے غیر کے لیے محال ہے، جو اس میں سے کوئی چیز اگر چہ ایک ذرہ سے کم تر سے کم تر غیر خدا کے لیے مانے، وہ یقیناً کافر و مشرک ہے۔ (خالص الاعتقاد، ص:۲۲، بحوالہ بریلوی فتنہ کا نیا روپ)

(۲) علم عطائی محیطِ عام

اسی طرح تمام اسلامی فرقے اس کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تمام غیوب کا علمِ محیط اللہ جل شانہ نے کسی فرشتے یا نبی یا ولی کو عطا نہیں فرمایا، لہٰذا جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ رسول اللہ ﷺ کو تمام مغیبات کا علمِ محیط حاصل تھا، اور عالم غیب کی کوئی چیز جس طرح اللہ سے مخفی نہیں ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے بھی مخفی نہیں تھی، اور اللہ تعالیٰ کے علم غیب اور رسول اللہ ﷺ کے علم غیب میں بس ''ذاتی'' اور ''عطائی'' کا فرق تھا تو ایسا عقیدہ رکھنے والا بھی بلاشبہ مشرک اور کافر ہے، ملا علی قاریؒ موضوعاتِ کبیر میں اِرقام فرماتے ہیں کہ مَنِ اعْتَقَدَ تَسْوِيَةَ عِلْمِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ يُكَفَّرُ إِجْمَاعًا كَمَا لَا يَخْفٰى (ص:۱۱۹) جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے علم میں برابری کا عقیدہ رکھے اس کو بالاتفاق کافر قرار دیا جائے گا، جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

اور خان صاحب بریلویؒ ''خالص الاعتقاد'' میں لکھتے ہیں:

علمِ ذاتی اور علم بالاستیعاب محیط تفصیلی یہ اللہ عزَّ وَجلَّ کے ساتھ خاص ہیں (ص:۳۲)

پھر آگے اسی صفحہ پر لکھتے ہیں:

ہم نہ علمِ الٰہی سے مساوات مانیں، نہ غیر کے لیے علم بالذات جانیں، اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں، نہ کہ جمیع۔

(خالص الاعتقاد، ص:۲۳، بحوالہ بوارق الغیب اور بریلوی فتنہ کا نیا روپ)

〔۳〕علم عطائی محیطِ خاص

اہل سنت والجماعت کے نزدیک کسی بھی نبی یا ولی کو اس قسم کا علم نہیں دیا گیا ہے؛ مگر رضاخانی رسول اللہ ﷺ کے لیے اس قسم کا علم ثابت کرتے ہیں، خاں صاحب بریلوی کہتے ہیں:

''حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو تمام مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ کا علم تھا، اور ابتدائے آفرینشِ عالم سے لے کر جنت ونار کے داخلہ تک کا کوئی ذرہ حضور ﷺ کے علم سے باہر نہیں''۔ (اَنباءُ المصطفی، ص:۴، ملخصا) ـــــ یہی قسم اختلافی اور نزاعی ہے۔

〔۴〕علم عطائی غیر محیط

اس قسم کا علم غیر خدا کے لیے ثابت ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام اور پیغمبرانِ عظام کو وحی کے ذریعہ غیب کی کچھ باتوں سے آگاہ فرمایا ہے؛ مگر کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم کسی کو عطا نہیں فرمایا؛ اس لیے یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ انبیائے کرام اور پیغمبرانِ عظام کو اللہ تعالیٰ نے وحی والہام کے ذریعہ غیب کی جن باتوں سے آگاہ فرمایا ہے، صرف انہی باتوں کو وہ جانتے ہیں، کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے، یہی قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور یہی تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

مدعیانِ علم غیب کے دلائل

پہلی دلیل

مفتی احمد یار خاں ''جاء الحق'' میں اپنے عقیدے کو مدلل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَاءُ﴾ (سورۂ آل عمران، آیت:۱۷۹) اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو! تم کو غیب کا علم

دے، ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔

تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے: خدا تعالیٰ تم میں سے کسی کو علم غیب نہیں دینے کا کہ مطلع کرے اس کفر وایمان پر جو کہ دلوں میں ہوتا ہے؛ لیکن اللہ اپنی پیغمبری کے لیے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے، پس اس کی طرف وحی فرماتا ہے اور بعض غیوب کی ان کو خبر دیتا ہے، یا ان کے لیے ایسے دلائل قائم فرماتا ہے جو غیب پر راہبری کریں۔

تفسیرِ خازن میں ہے: لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے ان کو خبر دار کرتا ہے بعض علمِ غیب پر۔

اس آیتِ کریمہ اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدا کا خاص علم غیب پیغمبر پر ظاہر ہوتا ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ بعض غیب اس سے مراد علم الٰہی کے مقابلے میں بعض، اور کل مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ بھی خدا کے علم کا بعض ہے۔ (جاءَ الحق، ص:۴۸-۴۹)

جواب

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم السلام کو وحی والہام کے ذریعہ غیب کی باتوں پر مطلع فرماتے ہیں، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قیامت تک کے ذرہ ذرہ کا کسی نبی کو تفصیلی علم دے دیا گیا ہو —— نیز مفسرینِ کرام کی جو عبارتیں خان صاحب نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہیں، ان میں سے ایک سے بھی ان کا مدّعا ثابت نہیں ہوتا، اور "بعض غیب" کا صاف اور واضح مفہوم بعض جزئیات کا علم ہے نہ کہ اللہ کے علم کا بعض۔

دوسری دلیل

احمد یار خاں "جاء الحق" میں لکھتے ہیں:

﴿فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ (سورۂ جن، آیت: ۲۶-۲۷) تو اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ

رسولوں کے۔ (جاء الحق، ص: ۵۵)

اس کے بعد تفسیر کبیر، تفسیرِ عزیزی، خازن اور روح البیان کی عبارتیں جوان کے مدعا کے سراسر خلاف ہیں، نقل کر کے لکھتے ہیں:

''اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدائے قدوس کا خاص علم غیب حتی کہ قیامت کا علم بھی حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا، اب کیا شئے ہے جو علمِ مصطفٰی علیہ السلام سے باقی رہ گئی'' (جاء الحق، ص: ۵٦)

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اسی آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا﴾

(سورۂ جن، آیت: ۲۵)

ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ میں نہیں جانتا کہ آیا نزدیک ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، یا میرے رب نے اس کے لیے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے''۔

﴿مَا تُوْعَدُوْنَ﴾ سے بعض مفسرین کے نزدیک ''عذاب'' اور بعض کے نزدیک ''قیامت'' مراد ہے، کچھ بھی ہو، کوئی چیز مَاکَانَ وَمَایَکُوْنُ میں سے ضرور ایسی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اس حقیقت کو ظاہر فرما دیں کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے، پھر یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ بالکل متصل اور پیوستہ یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کو سب غیب کی باتیں بتا دی ہیں، جن میں عذاب یا قیامت کا علم بھی داخل ہے، پس ﴿غَیْبِهٖ﴾ سے کلی غیب مراد لینا نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہے۔

تیسری دلیل

احمد یار خاں لکھتے ہیں:

﴿وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ، وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا﴾

(سورۂ نساء، آیت: ۱۱۳)

ترجمہ: اور تم کو سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے، اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے — (جلالین) أيْ مِنَ الأحْكَامِ وَ الْغَيْبِ یعنی احکام اور علمِ غیب (تفسیر کبیر) اللہ نے آپ پر قرآن اُتارا، اور حکمت اتاری، اور آپ کو ان کے بھیدوں پر مطلع فرمایا، اور ان کی حقیقتوں پر واقف کیا۔ (خازن) یعنی شریعت کے احکام اور دین کی باتیں سکھائیں اور کہا گیا ہے کہ آپ کو علمِ غیب میں سے وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہ جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو چھپی چیزیں سکھائیں، اور دلوں کے راز پر مطلع فرمایا، اور منافقین کے مکر و فریب آپ کو بتا دیئے۔ (مدارک) دین اور شریعت کے امور سکھائے، اور چھپی ہوئی باتیں، دلوں کے راز بتائے۔

تفسیر حسینی ''بحر الرائق'' سے اسی آیت کے ماتحت نقل فرماتے ہیں: یہ مَاكَانَ وَمَايَكُوْنُ کا علم ہے، کہ حق تعالیٰ نے شبِ معراج میں حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا؛ چنانچہ معراج کی حدیث میں ہے کہ ہم عرش کے نیچے تھے کہ ایک قطرہ ہمارے حلق میں ڈالا، پس ہم نے سارے گذشتہ اور آئندہ کے واقعات معلوم کر لیے (جامع البیان) یعنی آپ کو وہ سب باتیں بتا دیں جو قرآن کے نزول سے پہلے آپ نہ جانتے تھے۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو تمام آئندہ اور گذشتہ واقعات کی خبر دیدی گئی، کلمۂ ما عربی زبان میں عموم کے لیے ہوتا ہے، تو آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام، دنیا کے سارے واقعات، لوگوں کے ایمانی حالات وغیرہ جو کچھ بھی آپ کے علم میں نہ تھا؛ سب ہی بتا دیا، اس میں یہ قید لگانا کہ اس سے مراد صرف احکام ہیں، اپنی طرف سے قید ہے، جو قرآن وحدیث اور امت کے عقیدے کے خلاف ہے۔ (جاء الحق، ص:۴۹-۵۰)

جواب

اس استدلال کا سارا مدار اس بات پر ہے کہ کلمۂ ما عربی زبان میں عموم کے لیے ہوتا

ہے؛ حالانکہ یہ صحیح نہیں، سید شریف جرجانی حنفی مَنْ اور مَا وغیرہ اسماء موصولہ کے بارے میں صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

قُلْنَا: الْمَوْصُوْلَاتُ لَمْ تُوْضَعْ لِلْعُمُوْمِ بَلْ هِيَ لِلْجِنْسِ تَحْتَمِلُ الْعُمُوْمَ وَ الْخُصُوْصَ (شرح مواقف، ص:۲۳۷، مطبوعہ نول کشور)

ترجمہ: ہم کہتے ہیں کہ اسماءِ موصولہ عموم کے لیے وضع نہیں کیے گئے؛ بلکہ یہ جنس کے لیے وضع کیے گئے ہیں، جو عموم اور خصوص دونوں کا احتمال رکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں اس استدلال میں درج ذیل خامیاں ہیں:

(۱) جلالین شریف میں: أيْ مِنَ الْأَحْكَامِ وَالغَيْبِ ہے، خاں صاحب نے لفظ مِنْ کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے، الغَيْب کا ترجمہ علم غیب کر دیا ہے؛ حالانکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو بعض احکام اور غیب کی کچھ باتیں سکھائیں جو آپ نہیں جانتے تھے، کیوں کہ تمام احکام شرعیہ اس آیت کے نزول کے وقت آپ ﷺ کو نہیں سکھائے گئے تھے، بہت احکام اس کے بعد نازل ہوئے ہیں۔

(۲) تفسیر حسینی، کمال الدین حسین واعظ کاشفی کی تفسیر ہے، جو ''انوار سُہیلی'' اور ''اخلاقِ محسنی'' کے مصنف ہیں، ان کی یہ تفسیر بالکل غیر معتبر ہے؛ اس لیے اس کی بات کسی کے لیے حجت نہیں ہو سکتی، عقیدہ کے اثبات کے لیے دلیلِ قطعی چاہیے خود خاں صاحب لکھتے ہیں کہ ''جب علمِ غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے تو چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے (۱) وہ آیت قطعی الدلالۃ ہو جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں، اور حدیث ہو تو متواتر ہو۔ (جاء الحق، ص:۴۰)

مدعیانِ علم غیب کا احادیث سے استدلال

پہلی حدیث

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَامَ فِينَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقامًا ما تَرَكَ شيئًا يَكُوْنُ فِيْ مَقَامِهٖ ذٰلِكَ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهٖ ، حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَ نَسِيَهٗ مَن نَسِيَهٗ (مشکاۃ شریف، کتاب الفتن، ص:۴۶۱)

ترجمہ: ایک بار رسولِ اکرم ﷺ ہم میں (خطبہ دینے کے لیے) کھڑے ہوئے، آپ ﷺ نے اپنے اس قیام میں قیامت تک ہونے والی کوئی چیز نہیں چھوڑی، جس کو آپ ﷺ نے بیان نہ کیا ہو، یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا اور بھول گیا وہ جو بھول گیا۔

دوسری حدیث

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَامَ فِينَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا، فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ أَهْلُ الجنَّةِ مَنَازِلَهُمْ، وَ أَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ ؛ حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهٗ وَ نَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ. (مشکاۃ شریف، ص:۵۰۶، باب بدء الخلق،)

ترجمہ: ایک بار نبی کریم ﷺ نے ہم میں کھڑے ہو کر ہم کو خبر دی ابتدائے آفرینش سے جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک کے احوال کی، یاد رکھا اس کو جس نے اس کو یاد رکھا، اور بھول گیا وہ جو بھول گیا۔

تیسری حدیث

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَامَ فِينَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيبًا بَعْدَ الْعَصْرِ ، فَلَمْ يَدَعْ شَيْئًا يَكُوْنُ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا ذَكَرَهٗ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ. (مشکاۃ شریف، ص:۴۳۷، باب الامر بالمعروف)

ترجمہ: ایک دن عصر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر ہمارے سامنے خطبہ دیا، پس قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا، اس میں سے کوئی چیز آپ ﷺ نے

نہیں چھوڑی جس کو آپ نے بیان نہ کیا ہو، یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا، اور بھول گیا جو بھول گیا۔

چوتھی حدیث

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَرَأَيْتُهُ (عَزَّ وَجَلَّ) وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ، فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ. (مشکاۃ شریف، ص:۷۲)

ترجمہ: پس میں نے اللہ جل شانہٗ کو دیکھا کہ اپنا دستِ قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا، حتیٰ کہ اس کے آثار کی لذت اور ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی، پس ہر چیز میرے لیے روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لیا۔

پانچویں حدیث

حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ رَفَعَ لِيَ الدُّنْيَا فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهَا وَإِلٰى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيْهَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلٰى كَفِّيْ هٰذَا. (حلية الأولياء:٦/١٠١، لأبي نُعَيم)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے دنیا کو پیش فرمایا، پس میں دنیا کو اور اس میں قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے، اس کو اس طرح دیکھ رہا ہوں، جیسے میں اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

ان احادیث کو نقل کر کے احمد یار خاں لکھتے ہیں:

”ان احادیث سے اتنا معلوم ہوا کہ تمام عالم حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے سامنے اس طرح ہے جیسے اپنی کفِ دست —— خیال رہے کہ عالم کہتے ہیں ماسوی اللہ کو، تو عالمِ اجسام، عالمِ ارواح، عالمِ امر، عالمِ اِمکان، عالمِ ملائکہ، عرش و فرش غرض کہ ہر چیز پر حضور علیہ السلام کی نظر ہے، اور عالم میں لوحِ محفوظ بھی ہے جس میں سارے حالات ہیں ——

دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اگلے پچھلے سارے واقعات پر بھی اطلاع رکھتے ہیں۔
(جاء الحق، ص:۶۷)

الزامی جواب

اس استدلال کا الزامی جواب ان کی بیان کردہ شرطوں کے مطابق تو یہ ہے کہ مذکورہ حدیثوں میں سے کوئی حدیث متواتر نہیں ہے؛ لہٰذا ان احادیث کو دلیل کے طور پر پیش کرنا فریب دہی کے سوا کیا ہے؟ کیوں کہ احمد یار خاں خود لکھتے ہیں:
''جب علمِ غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے تو چار باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے: (۱) وہ آیت قطعی الدلالۃ ہو، جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں، اور حدیث ہو تو متواتر ہو''۔ (جاء الحق، ص:۴۰)

تحقیقی جواب

اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ مذکورہ حدیثوں میں سے پہلی تینوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک خطبہ میں قیامت تک ہونے والے بڑے بڑے واقعات اور فتنے اور قیامت کی نشانیاں بیان فرمائیں، ان میں سے کچھ باتیں لوگوں کو یاد رہیں اور کچھ بھول گئے۔ خود حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَاللّٰهِ! مَا أَدْرِيْ أَنَسِيَ أَصْحَابِيْ أَمْ تَنَاسَوْا؟ وَاللّٰهِ! ما تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدِ فِتْنَةٍ إِلٰى أَنْ تَنْقَضِيَ الدُّنْيَا يَبْلُغُ مَنْ مَّعَهُ ثَلَاثَ مِائَةٍ فَصَاعِدًا إِلَّا قَدْ سَمَّاهُ لَنَا بِاسْمِهِ وَ اسْمِ أَبِيْهِ وَاسْمِ قَبِيْلَتِهِ. رواهُ أبو داوٗد. (مشکاۃ شریف، کتاب الفتن، ص:۴۶۳)

ترجمہ: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ آیا میرے ساتھی بھول گئے یا اپنے آپ کو بھولا ہوا ظاہر کرتے ہیں؟ قسم بہ خدا! رسول اللہ ﷺ نے اِختتامِ دنیا تک کسی ایسے فتنہ انگیز کو نہیں چھوڑا جس کے چیلوں کی تعداد تین سو یا تین سو سے زائد ہوگی کہ آپ ﷺ نے ہمارے

سامنے اس کا نام اس کے باپ کا نام اور اس کے قبیلے کا نام نہ ذکر کیا ہو۔

ابوداؤد کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں جو باتیں بیان فرمائی تھیں، وہ فتن اور علاماتِ قیامت کے قبیل سے تھیں، دنیا بھر کی چیزوں کا ذکر نہیں کیا تھا؛ کیوں کہ یہ عقلاً ممکن نہیں ہے۔

اور چوتھی حدیث میں کُلُّ شَیْءٍ سے تمام چیزیں مراد نہیں ہیں؛ بلکہ صرف احکامِ شرعیہ اور امورِ دینیہ مراد ہیں، جیسا کہ اسی حدیث کے سیاق وسباق سے واضح ہوتا ہے، پوری حدیث بہت طویل ہے، اس کا نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں؛ اس لیے صرف مفیدِ مطلب حصہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محمد! میں نے عرض کیا: حاضر ہوں میرے رب! اللہ نے دریافت فرمایا: مقربینِ بارگاہِ عالی کن امور میں بحث ومباحثہ کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: مجھے علم نہیں — تین مرتبہ یہ سوال وجواب دہرائے گئے — پھر میں نے اللہ جل شانہٗ کو دیکھا کہ اپنا دست (قدرت) میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ اس کے آثار کی لذت اور ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی، پس ہر چیز میرے لیے روشن ہوگئی، اور میں نے پہچان لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محمد! میں نے عرض کیا: حاضر ہوں میرے رب! اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا: مقربینِ بارگاہِ عالی کن امور پر بحث کر رہے ہیں؟ میں نے جواب دیا: گناہوں کو مٹانے والی چیزوں کے بارے میں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا: (نماز کے لیے) جماعتوں کی طرف قدم بڑھانا، نماز کے بعد مسجدوں میں بیٹھنا اور ناگواریوں کے وقت اچھی طرح وضو کرنا، اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا: پھر کن امور میں (بحث کر رہے ہیں؟) میں نے جواب دیا: جنت کے بلند درجات (تک پہنچانے والی چیزوں) کے بارے میں، اللہ تعالیٰ نے پوچھا: وہ کیا ہیں؟ میں نے جواب دیا: (بھوکوں کو) کھانا کھلانا، نرم گفتگو کرنا، اور لوگ جب سوئے ہوئے ہوں

نماز پڑھنا۔ (مشکاۃ شریف، ص:۷۲)

اللہ جل شانہٗ اور حضور اکرم ﷺ کے اس مکالمہ سے معلوم ہوا کہ کُلُّ شَيْءٍ سے مراد وہ امورِ دینیہ ہیں جن کے بارے میں مقربین بارگاہِ عالی بحث کر رہے تھے، نہ کہ دنیا بھر کی تمام چیزیں ـــــ اور صرف امور دینیہ مراد لینے اور علمِ کلی کی نفی کرنے میں کوئی تنقیص نہیں، جیسا کہ رضاخانیوں کا خیال ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب (جن کی علمی سیادت و قیادت فریقین کے نزدیک مسلم ہے) تفہیماتِ الٰهیہ میں لکھتے ہیں:

ثُمَّ لِيُعْلَمْ أَنَّهُ يَجِبُ أَنْ يُنْفٰى عَنْهُمْ صِفَاتُ الْوَاجِبِ جَلَّ مَجْدُهُ مِنَ الْعِلْمِ بِالْغَيْبِ وَ الْقُدْرَةِ عَلٰى خَلْقِ الْعَالَمِ إِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ وَ لَيْسَ ذٰلِكَ بِنَقْصٍ.

(تفهيماتِ إلٰهيه، ص:۲۴)

ترجمہ: پھر جاننا چاہیے کہ واجب اور ضروری ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام سے واجب جل مجدہ کی صفات کی نفی کی جائے یعنی علمِ غیب اور جہاں کے پیدا کرنے پر قدرت وغیرہ کی نفی اور اس میں کوئی تنقیص نہیں ہے۔

پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

وَ إِنْ اسْتُدِلَّ بِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ : فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شيْءٍ ، قُلْنَا : هُوَ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى فِي التَّوْرَاةِ: ﴿ تَفْصِيْلاً لِكُلِّ شيْءٍ﴾ وَ الْأَصْلُ فِي الْعُمُوْمَاتِ التَّخْصِيْصُ بِمَا يُناسِبُ المَقَامَ. (حوالۂ سابقہ، ص:۲۵)

ترجمہ: اور اگر حضور اکرم ﷺ کے ارشاد: فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شيْءٍ سے استدلال کیا جائے تو ہم جواب دیں گے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسا کہ تورات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿تَفْصِيْلاً لِكُلِّ شيْءٍ﴾ اور اصل عمومات میں مقام کے مناسب تخصیص کرنا ہے۔

اور پانچویں روایت کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی سعید بن سنان رہاوی ہے، جو نہایت ضعیف اور کمزور ہے، علامہ نورالدین علی بن ابی بکر هَيْثَمِي نے مجمع الزوائد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ وَ رِجَالُهُ وُثِّقُوْا عَلٰى ضُعْفٍ كَثِيْرٍ فِيْ سَعِيْدِ بْنِ سِنَانِ الرَّهَاوِيّ.
(مجمع الزوائد:۸/ ۲۸۷)

ترجمہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے، سعید بن سنان رہاوی کے بہت زیادہ ضعیف ہونے پر اتفاق کرتے ہوئے۔

اور حافظ علی متقی حنفی نے ''کنز العمال'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: وَسَنَدُهٗ ضَعِيْفٌ: اس کی سند ضعیف ہے۔ (کنز العمال:۶/ ۹۵)

الحاصل یہ روایت نہایت ضعیف ہے، اور ضعیف روایت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا، پھر اس سے نصوصِ قطعیہ کے خلاف عقیدہ ثابت کرنا ہرگز جائز نہیں، خود خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

''حدیث ماننے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لیے ثبوت چاہیے، بے ثبوت نسبت جائز نہیں''۔ (عرفانِ شریعت:۳/ ۲۷)

اہلِ سنت کا عقیدہ اور دلائل

تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام اور پیغمبرانِ عظام کو وحی والہام کے ذریعہ غیب کی بہت سی باتوں سے آگاہ فرمایا ہے؛ مگر کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم کسی کو عطا نہیں فرمایا؛ اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ممکناتِ حاضرہ اور غائبہ کا علم عطا کیا گیا ہے، اور نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ حضور اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کو تمام مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ کا علم حاصل تھا، اور ابتدائے آفرینش سے لے کر جنت ونار کے داخلہ تک کا کوئی ذرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے باہر نہیں، نیز قرآن پاک میں تمام مخلوقات سے عموماً اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصاً علم غیب کی نفی کی گئی ہے؛ اس لیے کسی نبی یا ولی کے لیے علمِ غیب ثابت کرنا نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ، وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴾ (سورۂ نمل، آیت: ۶۵)

ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہے، ان میں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا، سوائے اللہ تعالیٰ کے، اور (اسی وجہ سے) ان مخلوقات کو یہ خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ، وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ﴾ (سورۂ انعام، آیت: ۵۰)

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے نہیں کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ، وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ﴾ (اعراف، آیت: ۱۸۸)

ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ میں نہ اپنی جان کے بھلے کا مالک ہوں، نہ بُرے کا؛ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہیں، اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھ کو برائی کبھی نہ پہنچتی۔

اور سورۂ لقمان میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ، وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (سورۂ لقمان، آیت: ۳۴)

ترجمہ: بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے، اور وہ بارش برساتا ہے، اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے باخبر ہیں۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ﴾ (سورۂ انعام، آیت:۵۹)

ترجمہ: اللہ ہی کے پاس ہیں مخفی چیزوں کے خزانے ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے غیب کا کلی علم مخلوقات میں سے کسی کو حتی کہ حضورِ اکرم ﷺ کو بھی عطا نہیں فرمایا، لہٰذا حضورِ اکرم ﷺ کے لیے قیامت تک کا علم محیط ثابت ماننا اور آپ ﷺ کو عالم الغیب جاننا ان آیتوں کے سراسر خلاف ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

بعض جاہل اور ناواقف لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ''عالم الغیب'' نہیں کہنا چاہیے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سے جب کوئی چیز مخفی نہیں تو وہ ''عالم الغیب'' کیسے ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ ''عالم الغیب'' مخلوق ہی کی صفت ہو سکتی ہے، نہ کہ خالقِ کائنات کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ''غیب'' اس چیز کو نہیں کہا جاتا جو اللہ تعالیٰ سے مخفی ہو؛ بلکہ غیب اس کو کہتے ہیں جو مخلوقات سے پوشیدہ ہو، علامہ سید محمود آلوسی حنفیؒ اپنی بے نظیر تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں:

وَ كَوْنُ ذٰلِكَ غَيْبًا بِاعْتِبَارِهٖ عَنِ النَّاسِ وَ نَحْوِهِمْ لَا بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَاِنَّهٗ لَا يَغِيْبُ عَنْهُ شَيْءٌ ، وَ لٰكِنْ لَا يَجُوْزُ اَنْ يُقَالَ اَنَّهٗ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ قَصْدًا اِلٰى اَنَّهٗ لَا غَيْبَ بِالنِّسْبَةِ اِلَيْهِ. (روح المعانی:۱۰/۲۰)

ترجمہ: اور اس کا غیب ہونا انسانوں اور ایسی ہی دوسری مخلوقات کے اعتبار سے ہے، نہ کہ اللہ جل شانہ کے اعتبار سے؛ اس لیے کہ اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے؛ لیکن اس وجہ سے کہ اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ غیب نہیں جانتے۔

اور تفسیرِ مدارک میں ہے:

(عَالِمُ الغَيْبِ) مَا يَغِيْبُ عَنِ النَّاسِ (وَالشَّهَادَةِ) مَا يُشَاهِدُوْنَهٗ. (۱۹۴/۲)

ترجمہ: عَالِمُ الغَیْب والشَّهادةِ کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں سے جو چیزیں پوشیدہ ہیں، اور لوگ جن چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔

رضاخانی تاویلات

اہل حق علم غیب کلی کی نفی پر جن آیتوں سے استدلال کرتے ہیں مدعیانِ علمِ غیب ان میں چار تاویلیں کرتے ہیں:

(۱) ان آیتوں میں غیر اللہ سے عموماً اور رسول اللہ ﷺ سے خصوصاً صرف علمِ ذاتی کی نفی کی گئی ہے، نہ کہ علم عطائی کی۔

(۲) ان آیتوں میں غیرُ اللہ سے صرف "علم محیط عام" کی نفی کی گئی ہے نہ کہ "علم محیط خاص" کی یعنی مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ کی نفی نہیں کی گئی ہے۔

(۳) ان آیتوں کے نزول کے بعد آنحضرت ﷺ کو یہ علوم دے دیئے گئے تھے، گویا یہ آیات منسوخ ہیں۔

(۴) جن آیات میں قیامت وغیرہ کے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرا گیا ہے، ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی دوسرے کو ان کا علم نہیں؛ بلکہ ان کا مفاد صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو ان کا علم ہے، دوسروں کو اس کا علم ہے یا نہیں اس سے یہ آیات ساکت ہیں۔

مدعیانِ علم غیب ان آیتوں کی یہ تاویلات اس لیے کرتے ہیں کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ لقمان کی آیت میں مذکورہ پانچ چیزوں میں سے بعض جزئیات کا علم آنحضرت ﷺ کو تھا، اور آپ ﷺ نے دوسروں کو بھی اس کی اطلاع دی تھی —— چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قربِ قیامت کے واقعات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ یُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا لَا یَکُنُّ مِنْهُ بَیْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ . رواه مسلم .

(مشکاۃ، ص:۴۷۴)

پھر (یعنی یاجوج، ماجوج کے فتنے کے بعد) اللہ تعالیٰ ایک عالم گیر بارش برسائیں

گے، جس سے شہر یا گاؤں کا کوئی گھر بچ نہ سکے گا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کو قیامت کے قریب ہونے والی بارش کی اطلاع سیکڑوں برس پہلے ہوگئی تھی۔

اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب حالتِ حمل میں تھے تو حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس کے جسدِ اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کی گود میں رکھ دیا گیا ہے، اس خواب سے ان کو بہت زیادہ تشویش ہوئی اور خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کیا، حضور اکرم ﷺ نے اس کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

رَأَيْتِ خَيْرًا، تَلِدُ فَاطِمَةُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ غُلَامًا يَكُوْنُ فِيْ حِجْرِكِ.

(مشکاۃ شریف، ص:۵۷۲)

ترجمہ: تو نے اچھا خواب دیکھا، ان شاء اللہ میری لخت جگر فاطمہؓ ایک لڑکا جنے گی جو تیری گود میں ہوگا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت سے پہلے حضورِ اکرم ﷺ کو معلوم تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے لڑکا پیدا ہونے والا ہے۔

اور غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ.

(مشکاۃ شریف، ص:۵۶۳)

ترجمہ: میں کل یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ خدا فتح دیں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کو آئندہ ہونے والی چیزوں کا بھی علم تھا، اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے زمانۂ آئندہ میں ہونے والی بہت سی چیزوں کی خبر دی ہے، جو کتبِ حدیث میں مذکور ہیں، ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو ہونے والے واقعات کا علم تھا۔

اور غزوۂ بدر کے موقع پر جنگ سے ایک روز پہلے حضور اکرم ﷺ نے صنادید کفار کی قتل گاہیں بتلادی تھیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بعض لوگوں کے مقامِ موت کا

بھی علم تھا، اور بعض احادیث سے پتا چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے مقامِ وفات اور جائے دفن کا بھی پہلے سے علم تھا۔

الغرض ان روایات سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو آئندہ پیش آنے والے واقعات، نزولِ باراں، مافی الارحام، اور مقام موت کا علم تھا؛ چنانچہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی اور مولوی نعیم الدین مرادآبادی اور ان کے متبعین کا یہ دعویٰ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا علم شریف مذکورہ چاروں باتوں اور قیامت کو بھی محیط ہے، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ تاویلات نہ کی جائیں تو آیات اور روایات میں ایسا تعارض ہوگا، جو کسی طرح اٹھ نہ سکے گا۔

جواب

اس کا جواب مولوی احمد رضا خاں کے طرز پر تو یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کا تعارض اخبار آحاد سے نہیں ہوسکتا، خود خاں صاحب بریلوی اپنے رسالہ "انباء المصطفیٰ" کے صفحہ چار پر علم غیب ہی کی بحث میں لکھتے ہیں:

"عموم آیاتِ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبارِ آحاد سے استناد محض ہرزہ بافی (ہے)"۔

اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ مذکورہ آیات اور احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ اس لیے کہ سورۂ لقمان کی آیت میں امورِ خمسہ کے علم کلی کی نفی کی گئی ہے کہ قیامت، نزولِ باراں، اور مافی الارحام وغیرہ کا کلی علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، اور احادیث وروایات سے امورِ خمسہ کی صرف بعض جزئیات کا علم ثابت ہوتا ہے، علم کلی کا ثبوت ہرگز نہیں ہوتا، حضرت ملا علی قاریؒ حدیث جبرئیل کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَإِنْ قُلْتَ: قَدْ أَخْبَرَ الْأَنْبِيَاءُ وَ الْأَوْلِيَاءُ بِشَيْءٍ كَثِيْرٍ مِنْ ذٰلِكَ فَكَيْفَ الْحَصْرُ؟ قُلْتُ: الْحَصْرُ بِاعتبارِ كُلِّيَاتِهَا، دُوْنَ جُزْئِيَاتِهَا. (مرقاۃ:۱/۶۵)

ترجمہ: اگر آپ کہیں کہ حضرات انبیائے کرام اور اولیائے عظام نے امورِ خمسہ میں سے بہت سی چیزوں کی خبر دی ہے، پس حصر کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟ تو میں جواب دوں گا کہ حصر کلیات کے اعتبار سے ہے نہ کہ جزئیات کے اعتبار سے۔

اوران تاویلات کا جواب یہ ہے کہ سورۂ یٰسٓ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا علَّمْنٰہُ الشِّعْرَ﴾ (ہم نے آپ ﷺ کو شعر کا علم نہیں عطا کیا)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو شعر کا علم نہ ذاتی طور پر حاصل تھا، نہ عطائی طریقہ پر، پس پہلی تاویل لغو ہوگئی —— اور دوسری تاویل کی تردید بھی اسی آیت سے ہوتی ہے، کیوں کہ "شعر" بھی مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ میں سے ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ مَا کَانَ وَمَایَکُوْنُ میں سے کوئی چیز ضرور ایسی ہے، جس کا علم آپ کو نہیں عطا کیا گیا تھا، پس حضورِ اکرم ﷺ کے لیے قیامت تک کا علم محیط ثابت کرنا نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمَا یَنْبَغِی لَہٗ﴾ (اور شعر کا علم آپ ﷺ کی شان کے مناسب نہیں) اس سے تیسری تاویل کی تردید ہوتی ہے، کیونکہ جو چیز حضور اکرم ﷺ کی شان کے مناسب نہیں اس کو بعد میں عطا فرمانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اور سورۂ اَنعام (آیت:۵۹) میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَآ اِلَّا ھُوَ﴾ (اللہ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں یا خزانے، ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا)

اس آیت سے چوتھی تاویل کی تردید ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس آیت میں غیر اللہ سے علم غیب کی صراحۃً نفی کی گئی ہے۔

اسی طرح ﴿قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ (سورۂ نمل، آیت:۶۵) سے بھی غیر اللہ سے علم غیب کی نفی ہوتی ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ دوسروں کو اس کا علم ہے یا نہیں اس سے آیات ساکت ہیں بالکل لغو تاویل ہے۔

ملا علی قاری کا مسلک

مدعیانِ علم غیب حضرت ملا علی قاری حنفیؒ کی مجمل ومبہم اور ادھوری عبارتوں کو پیش کر کے لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں؛ اس لیے ذیل میں ملا قاری علی رحمۃ اللہ علیہ کی چند واضح

اور صریح عبارتیں پیش کی جاتی ہیں؛ تاکہ آپ جان لیں کہ مسئلہ علم غیب میں ملا علی قاری کا مسلک وہی ہے جو تمام اہل سنت والجماعت کا ہے۔

(۱) ملا علی قاری حضرت عبدالرحمن بن عائش رضی اللہ عنہ کی روایت جو مشکاۃ باب المساجد، ص: ۷۰، پر ہے، اس کی شرح کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

(فَعَلِمْتُ) اي بِسَبَبِ وُصُوْلِ ذٰلِكَ الفَيْضِ (مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الاَرْضِ) يَعْنِيْ مَا أَعْلَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِمَّا[1] فِيهِمَا مِنَ الْمَلآئِكَةِ وَ الْأَشْجَارِ وَ غَيْرِهِمَا وَ هُوَ عِبَارَةٌ عَنْ سَعَةِ عِلْمِهِ الَّذِيْ فَتَحَ اللّٰهُ بِهٖ عَلَيْهِ. وَ قَالَ ابْنُ حَجَرٍ: أَيْ جَمِيْعُ الْكَائِنَاتِ الَّتِي فِي السَّمٰوَاتِ بَلْ وَمَافَوْقَهَا كَمَا يُسْتَفَادُ مِنْ قِصَّةِ الْمِعْرَاجِ ، وَالْاَرْضِ هِيَ بِمَعْنَى الْجِنْسِ أَيْ وَ جَمِيْعُ مَا فِي الْأَرْضِيْنَ السَّبْعِ بَلْ وَمَا تَحْتَهَا. كَمَا أَفَادَهُ إِخْبَارُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الثَّوْرِ وَ الْحُوْتِ الَّذَيْنَ عَلَيْهَا الْأَرَضُوْنَ كُلُّهَا، وَيُمْكِنُ أَنْ يُرَادَ بِالسَّمٰوَاتِ : الْجِهَةُ الْعُلْيَا، وَ بِالْاَرْضِ: الْجِهَةُ السُّفْلٰى ، فَيَشْمَلُ الْجَمِيْعَ ، لٰكِنْ لَا بُدَّ مِنَ التَّقْيِيْدِ الَّذِیْ ذَكَرْنَاهُ ، إِذًا لَا يَصِحُّ إِطْلَاقُ الْجَمِيْعِ كَمَا هُوَالظَّاهِرُ. (مرقاۃ المفاتیح: ۲/۲۱۰)

ترجمہ: (پس جان لی میں نے) یعنی اس فیض کے پہنچنے کی وجہ سے (وہ چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں) یعنی وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بتائیں، آسمانوں اور زمین میں جو چیزیں ہیں، ان میں سے کچھ فرشتوں اور درختوں وغیرہ میں سے اور آپ ﷺ نے اس ارشاد میں اپنے علم کی وسعت کو واضح فرمایا ہے جو اللہ نے آپ ﷺ پر کھولا ہے۔ اور ابن حجرؒ نے کہا کہ وہ ساری کائنات جو آسمانوں میں ہے، بلکہ آسمانوں سے بھی اوپر ہے، جیسا کہ معراج کے واقعہ سے سمجھ میں آتا ہے، اور والأرض سے جنسِ ارض مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ تمام وہ چیزیں جو ساتوں زمینوں میں ہیں؛ بلکہ ان سے بھی نیچے ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ کے اس بیل اور مچھلی کے بارے

(۱) ممّا میں من تبعیضیہ اور مَا موصولہ ہے۔۱۲

میں خبر دینے سے معلوم ہوتا ہے، جن پر سب زمینیں قائم ہیں۔ اور ممکن ہے سمٰوات سے مراد اوپر کی جہت ہو، اور ارض سے مراد نیچے کی جہت ہو، پس ارشاد نبوی: ما في السّمٰوات والاَرض تمام چیزوں کو شامل ہوگا؛ لیکن وہ قید لگانی ضروری ہے، جو ہم نے ذکر کی ہے (یعنی آسمانوں اور زمین میں جو چیزیں ہیں، ان میں سے کچھ جو اللہ نے آپ کو بتائیں) کیوں کہ جمیع کو مطلق رکھنا صحیح نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔

حضرت ملا علی قاریؒ کے اس استدراک سے معلوم ہوا کہ ابن حجر مکیؒ کے کلام میں اور خود ملا علی قاریؒ کے کلام میں جو لفظ جمیع آیا ہے، اس سے علی الاطلاق کائنات کی تمام چیزیں مراد نہیں؛ بلکہ وہی چیزیں مراد ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی والہام کے ذریعہ بتائیں؛ کیوں کہ مِنْ تبعیضیہ کا مفاد یہی ہے —— و رہی مطلب ہے دیگر اکابر کی ان عبارتوں کا جن میں لفظ جمیع یا مَاکَانَ وَمَایَکُوْنُ کے الفاظ مذکور ہیں، رضاخانی مَاکَانَ وَمَایَکُوْنُ کے جو معنی بیان کرتے ہیں، وہ ہرگز مراد نہیں۔

(۲) ملا علی قاریؒ شرح شفاء اور شرح فقہ اکبر میں ارقام فرماتے ہیں:

وَ الحَاصِلُ اَنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يَعْلَمُوْا المَغِيْبَاتِ مِنَ الأَشْيَاءِ إِلَّا مَا اَعْلَمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى أَحْيَانًا. وَ قَدْ صَرَّحَ عُلَمَاؤُنَا الحَنَفِيَّةُ بِتَكْفِيْرِ مَنِ اعْتَقَدَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ الغَيْبَ لِمُعَارَضَةِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ كَذَا فِيْ المُسَامَرَةِ لِلإِمَامِ ابن هُمام. (شرح شفاء: ۴/ ۴۳۸، شرح فقہ اکبر، ص: ۱۸۵)

ترجمہ: خلاصۂ بحث یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام غیب کی صرف انہی باتوں کو جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو گاہے ماہے بتائی ہیں۔ اور ہمارے علمائے احناف نے صراحۃً ذکر کیا ہے کہ یہ عقیدہ رکھنے والا کہ نبی کریم ﷺ غیب جانتے ہیں کافر ہے؛ اس لیے کہ یہ عقیدہ اللہ کے ارشاد: ﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ کے معارض اور مخالف ہے، امام ابن ہمامؒ کی کتاب ''مسامرۃ'' میں ایسا ہی ہے۔

(۳) حضرت ملا علی قاریؒ ''الموضوعات الکبریٰ'' میں رضاخانیوں کے عقیدے جیسے

عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے اِرقام فرماتے ہیں:

وَ لَمَّا جَرٰی لِاُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا مَا جَرٰی وَ رَمَاهَا أَهْلُ الْإِفْكِ لَمْ یَكُنْ یَعْلَمُ حَقِیْقَةَ الْأَمْرِ حَتّٰی جَاءَ الْوَحْيُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی بِبَرَائَتِهَا، وَ عِنْدَ هٰؤُلَاءِ الْغُلَاةِ أَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ كَانَ یَعْلَمُ الْحَالَ وَ أَنَّهٗ غَیْرُهَا بِلَا رَیْبٍ، وَ اسْتَشَارَ النَّاسَ فِيْ فِرَاقِهَا وَدَعَا رَیْحَانَةَ ، فَسَأَلَهَا وَهُوَ یَعْلَمُ الْحَالَ، وَقَالَ لَهَا: إِنْ كُنْتِ أَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ ، فَاسْتَغْفِرِیْ اللّٰهَ وَهُوَ یَعْلَمُ عِلْمًا یَقِیْنًا أَنَّهَا لَمْ تُلِمَّ بِذَنْبٍ وَ لَا رَیْبَ أَنَّ الْحَالَ لِهٰؤُلَاءِ عَلٰی هٰذَا الْغُلُوِّ اعْتِقَادُهُمْ أَنَّهٗ یُكَفِّرُ عَنْهُمْ سَیِّئَاتِهِمْ وَیُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ، وَ كُلَّمَا غَلَوْا كَانُوْا أَقْرَبَ إِلَیْهِ وَأَخَصَّ بِهٖ، فَهُمْ أَعْصَی النَّاسِ لِأَمْرِهٖ وَ أَشَدُّهُمْ مُخَالَفَةً لِسُنَّتِهٖ ، وَ هٰؤُلَاءِ فِیْهِمْ شِبْهٌ ظَاهِرٌ مِنَ النَّصَارٰی غَلَوْا عَلَی الْمَسِیْحِ أَعْظَمَ الْغُلُوِّ ، وَ خَالَفُوْا شَرْعَهٗ وَ دِیْنَهٗ أَعْظَمَ الْمُخَالَفَةِ وَ الْمَقْصُوْدُ أَنَّ هٰؤُلَاءِ یُصَدِّقُوْنَ بِالْأَحَادِیْثِ الْمَكْذُوْبَةِ الصَّرِیْحَةِ وَ یُحَرِّفُوْنَ الْأَحَادِیْثَ الصَّحِیْحَةَ ، وَ اللّٰهُ وَلِیُّ دِیْنِهٖ فَیُقِیْمُ مَنْ یَّقُوْمُ لَهٗ بِحَقِّ النَّصِیْحَةِ.

(الموضوعاتُ الکبریٰ، ص:۱۲۰)

ترجمہ: جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا اور افتراء پردرازوں نے حرمِ نبوی پر بھاری بہتان باندھا، تو آپ ﷺ کو معاملہ کی حقیقت کا علم نہ ہوسکا؛ جب تک حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت کے سلسلہ میں آپ ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہ آئی، مگر ان غلو پسندوں کے نزدیک آپ ﷺ پوری حالت کو جانتے تھے، اور بلا شبہ یہ بھی جانتے تھے کہ معاملہ کی حقیقت برعکس ہے —— آپ ﷺ نے لوگوں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نکاح سے الگ کرنے کے بارے میں مشورہ کیا، اور ریحانہ کو بلاکر اس سے معاملہ کی حقیقت دریافت فرمائی، حالانکہ آپ ﷺ حقیقت حال کو اچھی طرح جانتے تھے —— اور آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اگر تم سے گناہ سرزد ہوگیا

ہے تو اللہ سے معافی مانگ لو؛ حالانکہ آپ ﷺ پورے یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ اس غلو کے باوجود یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ ان کے گناہوں کو مٹادیں گے، اور ان کو جنت میں داخل فرمائیں گے، اور جتنا غلو کریں گے اتنا ہی حضورِ اکرم ﷺ کا قرب نصیب ہوگا، اور آپ ﷺ سے تعلق پیدا ہوگا، پس یہ لوگ حضور اکرم ﷺ کے حکم کی سب سے زیادہ نافرمانی کرنے والے ہیں، اور آپ کی سنت کی سب سے زیادہ مخالفت کرنے والے ہیں، ان میں نصاریٰ کی واضح مشابہت پائی جاتی ہے، جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی شان میں انتہائی غلو کیا، اور ان کے دین وشریعت کی سب سے بڑھ کر مخالفت کی، اور کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ صریح جھوٹی حدیثوں کی تصدیق کرتے ہیں، اور صحیح حدیثوں میں تحریف کرتے ہیں؛ مگر اللہ تعالیٰ اپنے دین کے محافظ ہیں؛ لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کے لیے ایسے حضرات کو کھڑے کرتے رہیں گے جو خیر خواہی کا پورا حق ادا کریں گے۔

[۲]: حاضر وناظر کا مسئلہ

حاضر وناظر کے معنی

حاضر اور ناظر دونوں عربی لفظ ہیں "حاضر" کے معنی ہیں: "موجود"۔ اور ناظر کے معنی ہیں: "دیکھنے والا"۔ مگر جب ان دونوں کو ملا کر استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا مفہوم اور مطلب یہ ہوتا ہے:

"ایسی ہستی جو پوری کائنات کو کفِ دست کی طرح دیکھ رہی ہے، کائنات کا کوئی ذرہ اس کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں"۔

اہلِ سنت کا عقیدہ

تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ ''حاضر وناظر'' کا مذکورہ بالا مفہوم صرف اللہ جل شانہ کی ذات پاک پر صادق آتا ہے، اور حاضر وناظر ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اس کو کسی دوسری ہستی کے لیے ثابت کرنا غلط ہے، حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ ''آنحضرت ﷺ پوری کائنات کو کفِ دست کی طرح دیکھ رہے ہیں اور کائنات کا کوئی ذرہ آپ ﷺ کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں'' نہ شرعاً درست ہے، نہ عقل کی رو سے صحیح ہے۔

رضاخانی عقیدہ

لیکن رضاخانیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ صرف آنحضرت ﷺ بلکہ بزرگانِ دین بھی تمام کائنات کو کفِ دست کی طرح دیکھتے ہیں، اور دور ونزدیک کی آوازیں سنتے ہیں، اور ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرتے ہیں، اور صدہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے ہیں، احمد یار خاں نعیمی لکھتے ہیں:

''عالم میں حاضر وناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوتِ قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کفِ دست کی طرح دیکھے، اور دور وقریب کی آوازیں سنے، یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے، اور صدہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرے، یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو، یا جسمِ مثالی کے ساتھ ہو، یا اسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے، ان سب معنی کا ثبوت بزرگان دین کے لیے قرآن واحادیث و اقوالِ علماء سے ہے''۔ (جاء الحق، ص:۱۳۱)

رضا خانیوں کے دلائل

پہلی دلیل

احمد یار خاں اپنے عقیدہ کو مدلل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴾ (سورۂ احزاب، آیت: ۴۵-۴۶)

ترجمہ: اے غیب کی خبر بتانے والے! بے شک ہم نے تم کو بھیجا حاضر وناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

شاہد کے معنی گواہ بھی ہو سکتے ہیں اور حاضر وناظر بھی، گواہ کو شاہد اس لیے کہتے ہیں کہ وہ موقع پر حاضر ہوتا ہے، حضور ﷺ کو شاہد یا تو اس لیے فرمایا گیا کہ آپ دنیا میں عالم غیب کی دیکھ کر گواہی دے رہے ہیں، ورنہ تو سارے انبیاء گواہ تھے، یا اس لیے کہ قیامت میں تمام انبیاء کی عینی گواہی دیں گے، یہ گواہی بغیر دیکھے ہوئے نہیں ہو سکتی، اسی طرح آپ کا مبشر ونذیر اور داعی الی اللہ ہونا ہے کہ سارے پیغمبروں نے یہ کام کیے، مگر سن کر حضور ﷺ نے دیکھ کر؛ اسی لیے معراج صرف حضور کو ہوئی، سراجِ منیر آفتاب کو کہتے ہیں، وہ بھی عالم میں ہر جگہ ہوتا ہے، گھر گھر میں موجود، آپ بھی ہر جگہ موجود ہیں، اس آیت کے ہر کلمہ سے حضور ﷺ کا حاضر وناظر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (جاء الحق، ص: ۱۳۲)

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ خاں صاحب کو اس روشن حقیقت کا بھی علم نہیں کہ آفتاب ہر جگہ نہیں ہوتا؛ بلکہ جہاں دن ہوتا ہے وہیں آفتاب ہوتا ہے، اور جہاں رات ہوتی ہے وہاں آفتاب نہیں ہوتا؛ لہٰذا اس سے آپ کا ہر جگہ حاضر وناظر ہونا ثابت نہیں ہوتا؛ بلکہ

حاضر و ناظر ہونے کی نفی ہوتی ہے ـــــ اسی طرح نبی غیب کی خبر دینے والا ہوتا ہے؛ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ قیامت تک وجود میں آنے والی تمام چیزوں کو جانتا ہے اور دیکھتا ہے؛ کیوں کہ نبی کو غیب کی صرف انہی باتوں کا علم ہوتا ہے جو وحی والہام کے ذریعہ اللہ نے بتادی ہیں، باقی کو وہ نہ دیکھتا ہے، نہ جانتا ہے۔

اور "شاہد" کے معنی حاضر و ناظر نہیں ہیں؛ بلکہ "شاہد" کے معنی ہیں قطعی اور یقینی خبر دینے والا؛ کیوں کہ شَاهِدٌ: شَهِدَ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اور شَهِدَ کے لغت میں کئی معنی بیان کیے گئے ہیں، مُنجد میں ہے:

شَهِدَ يَشْهَدُ شُهُوْدًا المَجْلِسَ: حَضَرَهُ ـــــ الشَّيْءَ :عَايَنَهُ، اِطَّلَعَ عَلَيْهِ ـــــ الجُمُعَةَ : اَدْرَكَهَا ـــــ عَلٰى كَذَا :اَخْبَرَهُ بِهِ خَبْرًا قَاطِعًا، فَهُوَ شَاهِدٌ .

ترجمہ: شَهِدَ المَجلسَ کے معنی ہیں حاضر ہونا، اور شَهِدَ الشَّيْءَ کے معنی ہیں: دیکھنا، باخبر ہونا، اور شَهِدَ الجمعةَ کے معنی ہیں: جمعہ کو پانا، اور شَهِدَ عَلٰى كَذَا کے معنی ہیں: قطعی اور یقینی خبر دینا، پس صفت شاہد ہوگی۔

ان میں سے صرف آخری معنی ہی حضور اکرم ﷺ کی شان کے مناسب ہیں؛ کیوں کہ یہاں نہ کسی مجلس کا ذکر ہے، نہ جمعہ کا تذکرہ ہے، نہ کسی دیکھے جانے والی چیز کا بیان ہے؛ بلکہ بشیر و نذیر اور داعی الی اللہ کا وصف خاص بیان کیا جا رہا ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو قطعی اور یقینی خبر دینے والا بنا کر بھیجا ہے، لہٰذا آپ ﷺ کی بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا﴾ کا یہ ترجمہ کیا ہے: "اے نبی! ہم نے آپ کو بھیجا بتانے والا یعنی اللہ کی توحید سکھاتے اور اس کا رستہ بتاتے ہیں"۔

دوسری دلیل

احمد یار خاں نے حضور اکرم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کی دوسری دلیل یہ پیش کی ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (سورۂ بقرہ، آیت:۱۴۳) اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو، اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ۔

اس آیت میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن دیگر انبیائے کرام کی امتیں عرض کریں گی کہ ہم تک تیرے پیغمبروں نے تیرے احکام نہ پہنچائے تھے، انبیائے کرام عرض کریں گے کہ ہم نے احکام پہنچادیئے تھے، اور اپنی گواہی کے لیے امت مصطفیٰ علیہ السلام کو پیش کریں گے، ان کی گواہی پر اعتراض ہوگا کہ تم نے ان پیغمبروں کا زمانہ نہ پایا، تم بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو؟ یہ عرض کریں گے کہ ہم سے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا، تب حضور علیہ السلام کی گواہی لی جائے گی۔ آپ دو گواہیاں دیں گے، ایک تو یہ کہ نبیوں نے تبلیغ کی، دوسرے یہ کہ میری امت والے قابل گواہی ہیں، بس مقدمہ ختم، انبیائے کرام کے حق میں ڈگری، اگر حضور ﷺ نے گذشتہ انبیاء کی تبلیغ اور آئندہ اپنی امت کے حالات کو خود چشم حق بیں سے ملاحظہ نہیں فرمایا تھا، تو آپ کی گواہی پر جرح کیوں نہ ہوئی، جیسی کہ امت کی گواہی پر جرح ہوئی تھی، معلوم ہوا کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی اور پہلی سنی ہوئی، اس سے آپ کا حاضر وناظر ہونا ثابت ہوا۔ (جاء الحق، ص:۱۳۳)

جواب

اس استدلال کا سارا مدار اس بات پر ہے کہ گواہی اسی چیز کے بارے میں دی جاسکتی ہے، جس کو آنکھوں سے دیکھا ہو؛ بلکہ اسی غلط فہمی پر ان کے عقیدہ کا مدار ہے؛ اس لیے اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ کسی چیز کے بارے میں گواہی دینے کے لیے اس کا دیکھنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ معتبر ذرائع سے کسی بات کا پتا چل جائے تب بھی اس کے بارے میں گواہی دی جاسکتی ہے، مثلاً ہم پورے یقین کے ساتھ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں؛ حالانکہ ہم میں سے کسی نے نہ اللہ کو دیکھا ہے، نہ حضور پاک

ﷺ کی زیارت کی ہے۔

"بیان القرآن" میں ہے: تیسرا شبہ یہ ہے کہ جب امت محمدیہ نے اس واقعہ کو معاینہ نہیں کیا تو اوّل یہ شہادت کیسے دیں گے؟ پھر وہ لوگ اسی بنا پر اچھا خاصا جرح کر سکتے ہیں۔

جواب: یہ ہے کہ مدار شہادت کا طریق صحیح مفید للیقین سے یقین حاصل ہو جانا ہے؛ چونکہ محسوسات غیر ثابت بالوحی میں وہ طریق منحصر ہے مشاہدہ میں؛ لہٰذا مشاہدہ مدار ہے شہادت کا، اور محل نزاع میں گو واقعہ محسوسات سے ہے، لیکن ثابت بالوحی ہونے کی وجہ سے بہ واسطہ طریق وحی کے اُس کا یقین حاصل ہے، جو اصلی مدار ہے شہادت کا؛ لہٰذا گواہی برمحل ہے اور اس میں مجال جرح کی نہیں، جیسے کوئی ڈاکٹر کسی مردہ کو جس کے بدن پر کوئی ظاہری علامت زخم وغیرہ نہیں ہے دیکھ کر اپنی مہارتِ فن کے ذریعہ سے اظہار دے کہ یہ شخص مرض سے نہیں مرا بلکہ کسی ضرب شدید سے مرا ہے، اور اس بناء پر قاتل کی تحقیقات کا سرکاری حکم ہو جاوے، سو باوجودیکہ اس مقام پر گواہی ڈاکٹر کی بنا بر معاینہ واقعہ کے نہیں؛ لیکن چونکہ قواعد صحیحہ کے ذریعہ سے ضرب شدید تشخیص کی گئی؛ لہٰذا اس کا اعتبار کیا گیا۔

(بیان القرآن)

اور رسول اللہ ﷺ کی گواہی کا مقصد امت محمدیہ کا تزکیہ یعنی ان کے قابلِ گواہی ہونے کا اظہار ہے، جیسا کہ اسلامی عدالتوں میں بھی گواہوں کے تزکیہ کے بعد ہی فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔

اور مفتی احمد یار خاں کا یہ کہنا کہ "یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی اور پہلی سنی ہوئی" درست نہیں کیوں کہ خاں صاحب کے نزدیک صرف آنحضرت ﷺ ہی حاضر وناظر نہیں؛ بلکہ بزرگانِ دین بھی حاضر وناظر ہیں، جیسا کہ پہلے جاء الحق کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی، تو ان کی گواہی پر مذکورہ جرح کیوں ہوئی؟! ان کے بیان کردہ ضابطہ کے اعتبار سے جرح نہیں ہونی چاہیے۔

الغرض اس آیت کی تفسیر سے حضور اکرم ﷺ کا حاضر وناظر ہونا ہرگز ثابت نہیں

ہوتا اور مفتی احمد یار خاں صاحب کا استدلال دھوکا دہی کے سوا کچھ نہیں۔

احادیث سے استدلال

رضاخانی حضور اکرم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے پر زیادہ تر وہی حدیثیں پیش کرتے ہیں جو علمِ غیب کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں؛ کیوں کہ حاضر و ناظر صرف وہی ہستی ہو سکتی ہے جو عالم الغیب ہو، ان کے علاوہ کچھ اور حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جن سے حضور ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا، نمونہ کے طور پر ایک حدیث پیش کی جاتی ہے، احمد یار خاں "جاء الحق" میں لکھتے ہیں:

"مشکاۃ شروع باب الفتن فصل اول میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ پاک کی ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر صحابۂ کرام سے پوچھا کہ جو میں دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھ رہے ہو؟ عرض کیا کہ نہیں فرمایا: فَإِنِّي أَرَى الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُيُوْتِكُمْ كَوَقْعِ الْمَطَرِ: میں تمہارے گھروں میں بارش کی طرح فتنے گرتے دیکھتا ہوں، معلوم ہوا کہ یزیدی اور حجاجی فتنے جو عرصے کے بعد ہونے والے تھے، انہیں بھی ملاحظہ فرما رہے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی چشمِ حق بین آئندہ کے واقعات اور دور و قریب کے حالات اور حوضِ کوثر، جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرماتی ہیں، حضور علیہ السلام کے طفیل حضور کے خدام کو بھی خدائے قدوس یہ قدرت و علم عطا فرماتا ہے"۔ (جاء الحق، ص: ۱۴۰)

جواب

اس قسم کے واقعات کی حقیقت کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب سمجھایا ہے کہ کسی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ سیکڑوں میل دور مصر سے یوسف علیہ السلام کے کرتے کی بو تو آپ۔ نے سونگھ لی؛ مگر جب بھائیوں نے ان کو کنعان کے قریب ہی ایک کنویں میں ڈالا تھا، آپ ان کو نہیں دیکھ سکے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہمارے احوال آسمان پر چمکنے والی بجلی کی طرح ہیں، جو ایک دم ظاہر ہو کر فوراً پوشیدہ

ہوجاتی ہے (یعنی جب خداوند قدوس کی مہربانی کا فیضان ہوتا ہے تو ہم دور تک دیکھ لیتے ہیں ؛ مگر یہ حالت ہمیشہ نہیں رہتی ، کچھ دیر کے بعد ختم ہوجاتی ہے) کبھی ہم بلند اٹاری پر بیٹھے ہوئے ہیں تو کبھی ہم اپنے پاؤں کی پشت بھی نہیں دیکھ پاتے ؂

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند ❁ کہ اے روشن گہر پیرِ خردمند
ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی ❁ چرا در چاہِ کنعانش نہ دیدی
بہ گفت احوالِ ما برقِ جہان ست ❁ دمِ پیدا و دیگر دم نہان ست
گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم ❁ گہے برپشتِ پائے خود نہ بینم

(گلستان، باب دوم، ص:۷۳)

اہلِ حق کے دلائل و براہین

تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی حاضر وناظر نہیں، حتیٰ کہ حضور پاک ﷺ بھی حاضر وناظر نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ حضورِ اکرم ﷺ کو حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات وحالات سے باخبر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

(۱) ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَا اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ. (سورۂ قصص، آیت:۴۴)

ترجمہ: آپ (کوہِ طور کی) غربی جانب میں نہ تھے، جب کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس حکم بھیجا، اور نہ آپ مشاہدہ فرمانے والے تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کوہِ طور کی غربی جانب جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی، آپ ﷺ نہ حاضر تھے، نہ ناظر ــــ اسی طرح سورۂ توبہ جو نزول کے اعتبار سے سب سے آخری سورت ہے، اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(۲) ﴿وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ. (سورۂ توبہ، آیت:۱۰۱)

ترجمہ: اور کچھ تمہارے گردوپیش کے گنوار اور کچھ مدینہ والوں میں سے ایسے منافق ہیں جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، آپ ان کو نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے تفصیلی قصے سے باخبر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

(۳) ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ، وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴾ (سورۂ یوسف، آیت: ۱۰۲)

ترجمہ: یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے، جو وحی کے ذریعہ سے ہم آپ کو بتاتے ہیں، اور آپ ان (برادرانِ یوسف) کے پاس موجود نہ تھے، جب انہوں نے اپنا ارادہ پختہ کر لیا تھا، اور وہ تدبیر کر رہے تھے۔

اسی طرح حضرت مریم رضی اللہ عنہا اور حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعات سے حضور اکرم ﷺ کو باخبر کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(۴) ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴾

(سورۂ آل عمران، آیت: ۴۴)

ترجمہ: یہ (واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں، جو وحی کے ذریعہ سے ہم آپ کو بتاتے ہیں، آپ ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جب وہ اپنے قلموں کو (پانی میں اس غرض سے) ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے؟ اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت موجود تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔

غور کیجیے! ان آیات میں واقعاتِ مذکورہ کے مواقع پر موجود نہ ہونے کی نفی کتنی وضاحت کے ساتھ کی جارہی ہے؟!

تاویلِ باطل

لیکن احمد یار خاں یہ تاویل کرتے ہیں:

"ان آیات میں فرمایا گیا ہے کہ آپ بہ این جسمِ پاک وہاں موجود نہ تھے، ان میں یہ کہاں ہے کہ آپ ان واقعات کو ملاحظہ بھی نہیں فرمارہے تھے، اس جسدِ عنصری سے وہاں نہ ہونا اور ہے اور ان واقعات کو مشاہدہ فرمانا اور" (جاء الحق، ص:۱۵۴)

یہ تاویل بالکل لغو ہے؛ کیوں کہ پہلی آیت میں صراحۃً موجود ہے کہ ﴿ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ (اور نہ آپ مشاہدہ فرمانے والے تھے) اسی طرح تیسری اور چوتھی آیت میں پہلے ہی اس کی پیش بندی کردی گئی ہے کہ آپ نے بہ ذات خود ان واقعات کو ملاحظہ نہیں فرمایا؛ بلکہ ہم نے وحی کے ذریعہ آپ کو باخبر کیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا، فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ (سورۂ ہود، آیت:۴۹)

ترجمہ: یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے، جو وحی کے ذریعہ سے ہم آپ کو بتاتے ہیں، اس سے پہلے اس قصہ کو نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم، سو صبر کیجیے یقیناً پرہیز گاروں کے لیے بھلا انجام ہے۔

[۳]: نور و بشر کا مسئلہ

اس مسئلہ میں تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اپنی نوع کے اعتبار سے بشر ہیں؛ لیکن اوصاف و کمالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثانی اور مثل نہیں ہے، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ "اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم" میں ارقام فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ آپ اپنی ذات کے اعتبار سے نہ صرف نوع بشر میں داخل ہیں؛ بلکہ افضل البشر ہیں، نہ صرف انسان ہیں؛ بلکہ نوع انسانی کے سردار ہیں، نہ صرف آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں؛ بلکہ آدم اور اولادِ آدم کے لیے

سرمایۂ افتخار ہیں، ﷺ، خود ارشاد نبوی ہے: أنا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ القِيامَةِ. (مشکاۃ شریف، ص:۵۱۱) ترجمہ: میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا قیامت کے دن —— اس لیے آپ ﷺ کا بشر، انسان اور آدمی ہونا، نہ صرف آپ کے لیے طُرۂ افتخار ہے؛ بلکہ آپ کے بشر ہونے سے انسانیت وبشریت رشکِ ملائکہ ہے —— جس طرح آپ ﷺ اپنی نوع کے اعتبار سے بشر ہیں، اسی طرح آپ ﷺ صفتِ ہدایت کے لحاظ سے ساری انسانیت کے لیے مینارۂ نور ہیں، یہی نور ہے جس کی روشنی میں انسانیت کو خدا تعالیٰ کا راستہ مل سکتا ہے، اور جس کی روشنی ابد تک درخشندہ وتابندہ رہے گی، لہٰذا میرے عقیدہ میں آپ بہ یک وقت نور بھی ہیں اور بشر بھی، اور میرے نزدیک نور وبشر کو دو خانوں میں بانٹ کر ایک کی نفی اور دوسرے کا اثبات غلط ہے"۔

(اختلاف امت اور صراط مستقیم، ص:۴۷)

اور رضا خانی علماء کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بشر اور انسان ہیں اور جو حضور اکرم ﷺ کو بشر اور انسان نہ مانے وہ کافر ہے، مفتی احمد یار خاں "شان حبیب الرحمٰن" میں لکھتے ہیں: "ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ انبیائے کرام اللہ کے بندے اور اس کے محبوب، ان کی جلوہ گری انسانوں میں ہوئی؛ مگر ان کو بشر یا بھائی یا باوا یا انسان یا آدمی کہہ کر پکارنا حرام ہے اور اگر بہ نیت توہین کہا تو کہنے والا کافر ہے" (ص:۱۰۳)

اور رضا خانیوں کے شیخ الاسلام سید محمد مدنی کچھوچھوی فضیلتِ رسول پر تقریر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "ہم پر افتراء اور بہتان رکھا جاتا ہے کہ نبی کو انسان نہیں مانتے، ہم نبی کو بشر نہیں مانتے، تو میں پورے دعوے کے ساتھ اطمینان وایقان کی منزل سے کہتا ہوں کہ دیکھو جہاں تک ماننے کا سوال ہے، نبی کو جو بشر نہ مانے، انسان نہ مانے، وہ کافر ہے، اب اس سے زیادہ کون سی بات کہی جاسکتی ہے، سوال یہ نہیں کہ نبی انسان ہیں کہ نہیں، سوال تو اس وقت اٹھتا ہے جب تم کہتے ہو ہمارے جیسے ہیں"۔

(خطبات برطانیہ، ص:۱۴۳، مطبوعہ مکتبہ غریب نواز اٹالہ، الٰہ آباد)

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، مگر پھر بھی نور وبشر کا مسئلہ

اس لیے پیدا ہوا کہ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ﴾ (سورۂ مائدہ، آیت:۱۶)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور روشنی اور واضح کتاب آئی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ اس شخص کو سلامتی کی راہیں دکھاتے ہیں جو رضائے الٰہی کا طالب ہے۔

یہاں ''نور'' سے مراد قرآن پاک ہے، اور عطفِ تفسیری ہے، یعنی تمہارے پاس روشن اور واضح کتاب آئی ہے —— اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ یَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ میں واحد کی ضمیر لائی گئی ہے، اگر نور اور کتاب مبین سے دو الگ الگ چیزیں مراد ہوتیں تو واحد کی ضمیر لانا صحیح نہ ہوتا —— اور دوسری دلیل یہ ہے کہ جس طرح ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰاةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ﴾ (سورۂ مائدہ، آیت:۴۴) اور ﴿وَآتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ﴾ (سورۂ مائدہ، آیت:۴۶) میں تورات اور انجیل کو ''نور'' کہا گیا ہے، اسی طرح یہاں قرآنِ پاک کو نور کہا گیا ہے۔

اور تیسری دلیل یہ ہے کہ سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ اُنْزِلَ مَعَهٗ﴾ (اور تابع ہوئے اس نور کے جو اس کے ساتھ اترا ہے؛ آیت:۱۵۷) اور سورۂ تغابن میں ہے: ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا﴾ (سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا یعنی قرآنِ کریم پر۔ آیت:۸) ان دونوں آیتوں میں نور سے مراد قرآنِ کریم ہے، اس طرح سورۂ مائدہ کی اس آیت میں بھی نور سے مراد قرآن کریم ہی ہے اور جن مفسرین نے نور سے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ مبارکہ مراد لی ہے وہ تفسیر صحیح نہیں۔

مگر رضاخانی ''نور'' سے حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ قدسیہ مراد لیتے ہیں، اور اس بات کو اتنا بڑھاتے ہیں اور اس انداز سے عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ بہت سے جاہل عوام یہ سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ نور ہیں بشر نہیں؛ حالانکہ آپ نے خود رضاخانی علماء

کی زبانی سن لیا کہ جو حضور ﷺ کو بشر نہ مانے وہ کافر ہے۔

نیز رضاخانی حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور اکابر علمائے دیوبند پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ لوگ حضور اکرم ﷺ کو اپنے جیسا انسان سمجھتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں؛ حالانکہ یہ خالص بہتان اور صریح جھوٹ ہے، نہ علمائے دیوبند کا یہ عقیدہ ہے، نہ حضرت شہیدؒ کا یہ مسلک ہے، حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ اور علمائے دیوبند کا وہی عقیدہ ہے جو تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ اگرچہ اپنی نوع کے اعتبار سے بشر ہیں؛ لیکن اوصاف وکمالات میں آپ ﷺ کا کوئی ثانی اور مثل نہیں اور خداوندِ قدوس کے بعد سب سے افضل آپ ﷺ ہی ہیں، خود حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ ''تقویۃ الایمان'' میں فرماتے ہیں کہ

''سب انبیاء، اولیاء کے سردار پیغمبر خدا ﷺ تھے، اور لوگوں نے انہیں کے بڑے بڑے معجزے دیکھے، انہیں سے سب اَسرار کی باتیں سیکھیں اور سب بزرگوں کو انہیں کی پیروی سے بزرگی حاصل ہوئی''۔ (تقویۃ الایمان، ص:۵۸)

يَا رَبِّ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الخَلْقِ كُلِّهِمِ

تمّت بالخیر

چوتھا محاضرہ

(مختار کل کا مسئلہ اور اعمال شرکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

امابعد! گذشتہ محاضرے میں رضاخانیوں کی کچھ اعتقادی بدعات کو بیان کیا گیا تھا، اس محاضرے میں ان کی دیگر اعتقادی بدعات اور اعمالِ شرکیہ کو بیان کیا جارہا ہے: لیکن پہلے توحید و شرک کی تعریف، مشرکین کی قسمیں اور شرک کی مختلف شکلیں بیان کی جاتی ہیں؛ تاکہ اعتقادی بدعات اور اعمالِ شرکیہ کو پہچاننا آسان ہو۔

توحید کی تعریف

توحید اس کا نام ہے کہ دل سے کامل یقین رکھے، اور زبان سے اس بات کا اقرار بھی کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہیں، اور اپنی صفات میں منفرد ہیں، ذات وصفات میں اس کا کوئی مثل اور ثانی نہیں ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ اور عبادت و پرستش صرف اسی کا حق ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)

شرک کی تعریف

اور شرک کی تعریف یہ ہے کہ دل میں اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات

میں کسی دوسری ہستی کا ساجھا ہے —— ذات میں شریک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی طرح کسی اور ہستی کو واجب الوجود اور قدیم مانے، جیسے آتش پرستوں کا عقیدہ ہے کہ خدا دو (۲) ہیں: (۱) یزداں (خیر کا خالق) (۲) اور اَھرمَنْ (شر کا خالق)

اور صفات میں شریک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جیسی صفات کسی دوسری ہستی کے لیے ثابت کرے، مثلاً یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کی طرح فلاں ہستی عبادت کے لائق ہے، یا فلاں بزرگ بارش برسا سکتے ہیں، یا بیٹا، بیٹی دے سکتے ہیں، یا مرادیں پوری کر سکتے ہیں، یا روزی دے سکتے ہیں، یا مارنا جلانا ان کے قبضۂ قدرت میں ہے یا کسی کو نفع اور نقصان پہچانے پر قدرت رکھتے ہیں، یا یہ اعتقاد رکھے کہ فلاں پیغمبر یا ولی خدا کی طرح غیب کا علم رکھتے ہیں، اور کائنات کے ذرہ ذرہ کا ان کو علم ہے، یا ہمارے تمام حالات سے وہ واقف ہیں، اور دور و نزدیک کی چیزوں کی خبر رکھتے ہیں، یہ تمام باتیں شرک ہیں۔

مشرکین کی قسمیں

جو لوگ شرک کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں ان کی بنیادی قسمیں دو (۲) ہیں:

(۱) وہ مشرکین جو اللہ جل شانہٗ کی عظمت کو بالکل بھول گئے ہیں اور وہ دیوی دیوتاؤں ہی کی پوجا کرتے ہیں، ان ہی کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف وہ کبھی متوجہ نہیں ہوتے، اگرچہ وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ موجودات کا سلسلہ اللہ تعالیٰ پر منتہی ہوتا ہے، سب کو وجود بخشنے والا وہی ہے؛ مگر یہ بات ماننے کے باجود ان کی عبادتوں میں اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے، نہ کبھی وہ اللہ سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں۔

(۲) وہ مشرکین جو اللہ تعالیٰ کو بڑا اور کائنات کا مدبّر مانتے ہیں؛ مگر وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اللہ کبھی اپنے مخصوص بندوں کو بزرگی اور خدائی کا لباس پہنا دیتے ہیں، اور ان کو کچھ مخصوص کاموں کا اختیار دے دیتے ہیں، اور جو لوگ ان کی عبادت کرتے ہیں، ان کے حق میں وہ مخصوص بندے سفارش کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کی سفارش قبول فرماتے

ہیں، جیسے بادشاہ مختلف صوبوں کا گورنر مقرر کرتا ہے اور بڑے بڑے کام چھوڑ کر دیگر کاموں میں ان کو مختار کل بنا دیتا ہے، اور ان کی اطاعت دوسروں پر واجب کر دیتا ہے، اور ان کی سفارش ان کے خدّاموں کے حق میں قبول کرتا ہے۔

یہ عقیدہ رکھنے والے اللہ کے مخصوص بندوں کو ''اللہ کا بندہ'' کہنے کے روادار نہیں ہوتے، ان کو ''اللہ کا بندہ'' کہنے سے ان کے خیال میں شاہ وگدا برابر ہو جاتے ہیں؛ اس لیے وہ ان کو ''اللہ کا بندہ'' کہنے کے بجائے ''اللہ کا بیٹا'' یا ''اللہ کا محبوب'' کہتے ہیں اور اپنے آپ کو ان محبوبوں کا بندہ کہتے ہیں، اور اپنا نام عبدالمسیح، عبدالعزیٰ، عبدالنبی، عبدالرسول، اور عبدالمصطفیٰ وغیرہ رکھتے ہیں۔

شرک کی مختلف شکلیں

شرک ایک مخفی اور پوشیدہ چیز ہے، ان کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا، اور شریعت ایسی صورت میں کسی واضح علامت کو اس مخفی امر کے قائم مقام گردانتی ہے، مثلاً ناقضِ وضو حقیقت میں خروجِ ریح ہے؛ مگر سو جانے کے بعد اس کا ادراک نہیں ہو سکتا؛ اس لیے شریعت نے نومِ غالب کو خروجِ ریح کے قائم مقام کر دیا ہے ـــــ اسی طرح سفر میں نماز قصر کرنے اور روزہ افطار کرنے کی اجازت کی حقیقی علت: مشقت ہے؛ مگر اس کا اندازہ چونکہ مشکل ہے؛ اس لیے شریعت نے ''مسافتِ شرعی'' کو مشقت کے قائم مقام کر دیا ہے ـــــ ٹھیک اسی طرح شریعت نے کچھ محسوس چیزوں کو حقیقی شرک کے قائم مقام گردانا ہے؛ کیوں کہ وہ محسوس باتیں ایسی ہیں کہ اگر پہلے سے شرک نہ بھی ہو، تب بھی ان کاموں کے کرنے سے شرک پیدا ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر بتوں کو سجدہ کرنا، استھانوں پر قربانی کرنا، دیوی دیوتاؤں کی قسم کھانا وغیرہ، ایسے امور ہیں جو یقیناً مفضی اِلیٰ الشرک ہیں ـــــ اور شریعت جب کسی محسوس کو مخفی چیز کے قائم مقام کر دیتی ہے تو پھر حکم کا مدار اس محسوس چیز پر ہو جاتا ہے، حقیقت کے پائے جانے پر حکم کا مدار نہیں رہتا۔

خلاصہ یہ کہ شرک ایک معنوی اور مخفی چیز ہے، اور اس کے لیے ظاہری شکلیں اور

پیکر ہائے محسوس ہیں، اور دین میں معنویات سے بحث کم ہوتی ہے، اصل احکام ظاہری شکلوں پر لگتے ہیں؛ چنانچہ جو باتیں شرک کا مَظنَّۃ تھیں، شریعت نے ان کو شرک قرار دے کر ان کے ارتکاب سے لوگوں کو روک دیا ہے، ذیل میں شرک کی انہی شکلوں کو ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلی شکل

زمانۂ جاہلیت میں لوگ بتوں کو اور ستاروں کو سجدہ کرتے تھے؛ اس لیے غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے منع کر دیا گیا، اور صرف ایک اللہ کے لیے جو خالقِ حقیقی و مالک ہے سجدہ مخصوص کر دیا گیا؛ کیوں کہ شرك في السجده اور شرك في التدبير میں چولی دامن کا ساتھ ہے، جب بھی کسی کو سجدہ کیا جائے گا تو رفتہ رفتہ اس کو انتظامِ کائنات میں اللہ کا شریک و سہیم بھی تصوّر کر لیا جائے گا۔

دوسری شکل

کچھ لوگ غیر اللہ سے مدد طلب کیا کرتے تھے، یعنی بیماروں کے لیے شفا، غریبوں کے لیے خوشحالی کی درخواستیں ماسوا اللہ سے کیا کرتے تھے، اور اس سلسلہ میں غیر اللہ کی منتیں بھی مانتے تھے، ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ہماری اس نذر و نیاز سے یہ حضرات خوش ہو کر ہماری حاجتوں کو پورا کریں گے، نیز لوگ غیر اللہ کے نام کا وظیفہ بھی پڑھتے تھے، اس خیال سے کہ ان کے نام کا وظیفہ پڑھنے سے برکت ہوگی —— شریعت نے شرک کی اس قسم کا بھی قلع قمع کر دیا ہے، اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ہر نماز میں یہ پڑھا کریں: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ (اے اللہ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور ہم آپ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں) اس طرح جب مسلسل یہ عقیدہ مستحضر رہے گا تو کوئی مسلمان غیر اللہ سے اپنی حاجت کبھی طلب نہیں کرے گا۔

تنبیہ

غیر اللہ سے اسبابِ ظاہری کے درجہ میں مدد طلب کرنا جائز ہے، مثلاً کسی زندہ شخص سے کسی حاجت میں مدد طلب کرنا؛ لیکن اسبابِ خفیہ کے سہارے اللہ کے سوا کسی سے بھی مدد طلب کرنا شرک ہے، خواہ زندہ بزرگ ہو یا وفات یافتہ۔

تیسری شکل

کچھ لوگ اللہ کے بعض مخصوص بندوں کو اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں قرار دیتے تھے، اور ان کو خدائی صفات وکمالات کا حامل گردانتے تھے؛ اس لیے شرک کی اس شکل سے بھی شریعت نے سختی سے روک دیا ہے۔

چوتھی شکل

کچھ لوگ اپنے مشائخ کو اس معنی کر کے ''رب'' بنالیتے تھے کہ وہ جس چیز کو حلال کہہ دیں، اسے حلال سمجھ لیتے تھے، اور وہ جس چیز کو حرام ٹھہرادیں اس کو حرام سمجھ بیٹھتے تھے، یہ بھی شرک کی ایک شکل ہے، قرآن مجید میں اس کی بھی ممانعت کردی گئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ۳۱)

ترجمہ: یہود ونصاریٰ نے اپنے عالموں اور بزرگوں کو اللہ کو چھوڑ کر رب بنالیا ہے، اور مسیح ابن مریم کو بھی؛ حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ فقط ایک خدا کی عبادت کریں، جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ لوگوں کے شرک سے پاک ہیں۔

حاتم طائی کے لڑکے حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے جو پہلے عیسائی تھے، مسلمان ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ یہود ونصاری نے اپنے مشائخ اور بزرگوں کو رب

کیوں کر بنالیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ان کو یہی جواب دیا تھا کہ ان کے مشائخ جس چیز کو حلال کرتے تھے، اس کو حلال سمجھ لیتے تھے، اور جس چیز کو حرام ٹھہراتے تھے، وہ اس کو حرام سمجھ بیٹھتے تھے۔ (ترمذی،۲/۱۳۶)

نبی اور مجتہد شارع نہیں ہوتے

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انبیائے کرام علیہم السلام جو احکام بیان فرماتے ہیں یا مجتہدینِ عظام جو مسائل مستنبط کرتے ہیں تو درحقیقت یہ حضرات شارع یعنی تحلیل وتحریم کے مالک نہیں ہوتے، نبی کی طرف تحلیل وتحریم کی نسبت محض واسطہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، درحقیقت وہ احکام اللہ ہی کے مقرر کیے ہوئے ہیں، اور مجتہدین کی طرف مستنبط کیے ہوئے احکام کی نسبت واسطہ در واسطہ ہونے کی وجہ سے کی جاتی ہے —— واسطہ در واسطہ بننے کی دو (۲) صورتیں ہیں: ایک نص کو روایت کر کے لوگوں تک پہنچانا، دوسرے نص میں غور کر کے اس کا مطلب اور اس سے ثابت شدہ احکام لوگوں کو بتانا؛ چنانچہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ قیاس مُثبِتِ حکم نہیں بلکہ مُظہِرِ حکم ہے یعنی قیاس واجتہاد سے کسی چیز کی حلت وحرمت کو ثابت نہیں کیا جاتا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال یا حرام کر دیا ہے، مجتہد اپنے اجتہاد سے اس کی حلت وحرمت کو واضح کرتا ہے؛ اسی لیے وہی قیاس حجّتِ شرعیہ ہے جو کتاب وسنت اور اجماعِ امت سے مستنبط ہو۔

پانچویں شکل

لوگ بتوں کی اور ستاروں کی نزدیکی حاصل کرنے کے لیے ان کے لیے بھینٹ چڑھایا کرتے تھے، اور اس کی دو (۲) شکلیں ہوتی تھیں:

(۱) کبھی تو جانور ذبح کرتے وقت بلند آواز سے ان شرکاء کا نام لیا کرتے تھے۔

(۲) اور کبھی ان کے مخصوص استھانوں پر لے جا کر جانور ذبح کیا کرتے تھے، اور زبان سے کچھ نہیں کہتے تھے۔

شریعت نے شرک کی اس صورت کو بھی ممنوع قرار دیا ہے، قرآن پاک میں ﴿مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ اور ﴿مَاذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ کو مردار قرار دیا گیا ہے۔

چھٹی شکل

اسلام سے پہلے کچھ لوگ مختلف طرح سے جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا کرتے تھے، کسی کو "بحیرۃ" اور "سائبہ" کہتے تھے، کسی کو "وصیلہ" اور "حام" کہتے تھے، اور ان کا مقصد ان باطل خداؤں کی نزدیکی اور قرب حاصل کرنا ہوتا تھا، جن کے نام پر وہ جانور آزاد کیے جاتے تھے، قرآن کریم میں شرک کی اس صورت کو بھی حرام کر دیا گیا ہے۔

ساتویں شکل

لوگ بعض ناموں کو بڑا بابرکت سمجھتے تھے، وہ خیال کرتے تھے کہ اگر ان ناموں کی جھوٹی قسم کھائی جائے گی تو تباہی آجائے گی؛ چنانچہ جب کسی کو قسم کھلانے کا موقع آتا تو وہ ان شرکاء کے نام کی قسم کھلاتے کہ کھاؤ لات وعزیٰ کی قسم، اور جاہل مسلمان کہتے ہیں کہ کھاؤ پیر کی قسم، کھاؤ غوثِ پاک کی قسم، کھاؤ مولیٰ علی کی قسم، شریعت نے شرک کی اس شکل کو بھی ممنوع قرار دیا ہے، ترمذی شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ. (ترمذی شریف، ۱/۱۸۵)

جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے اس غیر کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا۔

آٹھویں شکل

اسلام سے پہلے کچھ لوگ اپنی اولاد کا نام عبد العزیٰ، عبد شمس وغیرہ رکھتے تھے، اور جاہل مسلمان اپنی اولاد کا نام عبد الرسول، عبد النبی، عبد المصطفیٰ وغیرہ رکھتے ہیں، شریعت نے شرک کی اس صورت کو بھی ممنوع قرار دیا ہے۔ متعدد احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جن صحابہ کرامؓ کے نام عبد العزیٰ، عبد الشمس وغیرہ تھے، حضور اکرم ﷺ نے ان کے

نام بدل دیے تھے، کسی کا نام عبدالرحمن رکھا تھا تو کسی کا عبداللہ، لہٰذا جن مسلمانوں کے والدین نے ایسے مشرکانہ نام رکھے ہوں، ان کو بدل دینا ضروری ہے، نیز غلام نبی، غلام رسول، غلام مصطفیٰ، غلام جیلانی، وغیرہ نام بھی اچھے نہیں ہیں؛ کیوں کہ اگر چہ غلام بمعنی نوکر اور خادم آتا ہے؛ مگر ''عبد'' کا ترجمہ بھی غلام ہی ہے۔

الحاصل مذکورہ بالا تمام صورتیں شرک کے پیکر ہائے محسوس ہیں اور یہ وہ چور دروازے ہیں، جن سے شرک در آنے کی کوشش کرتا ہے؛ اس لیے شریعت نے ان تمام شکلوں کو حرام قرار دیا ہے، ان سے اجتناب کرنا نہایت ضروری ہے۔

شرک کے اسباب

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ شرک میں مبتلا ہونے کے دو (۲) سبب ہوتے ہیں:

(۱) نصوصِ شرعیہ کو غلط معانی پہنانا ـــــ خدائی صفات اور انسانی صفات کے لیے نصوص میں ملتے جلتے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، مثلاً قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کو بھی رؤف، رحیم کہا گیا ہے، اور سورۂ توبہ کے آخر میں یہی صفات حضور اکرم ﷺ کے لیے بھی بیان کی گئی ہیں، اسی طرح سمیع و بصیر اللہ کی صفتیں ہیں، اور سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ایک تفسیر کے مطابق یہی صفتیں حضورِ اکرم ﷺ کے لیے بیان ہوئی ہیں؛ مگر ظاہر ہے کہ خالق و مخلوق کی صفات میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے؛ لیکن کچھ لوگ حضور اکرم ﷺ کی شان میں غلو کرتے ہوئے، اللہ جیسی صفات کے قائل ہو جاتے ہیں، جیسا کے عیسائیوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا، اور یہی شرک کی حقیقت ہے کہ خدائی صفات کسی بندے میں بعینہٖ یا کسی بھی درجہ میں مان لی جائیں۔

(۲) خرقِ عادت معاملات کی حقیقت کو نہ جاننا ـــــ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی انسان کے ذریعہ یا فرشتے کے ذریعہ کوئی ایسا کام ظہور پذیر ہوتا ہے، جس کو عام طور پر انسان نہیں کر سکتے، تو جاہل لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور وہ اس انسان کو یا فرشتے کو خدائی صفات اور بالائی طاقتوں کا حامل سمجھ لیتے ہیں، اور ان کو دیوی دیوتا قرار دے کر، یا

غوث وقطب نام دے کر ان کے ساتھ خدائی معاملات کرنے لگتے ہیں۔

الغرض ان دو سببوں سے لوگوں میں شرک کی بیماری پھیلتی ہے، پھر وہی بیماری نسلوں تک چلتی رہتی ہے۔

وارثینِ انبیاء کی ذمہ داری

انبیائے کرام اور ان کے وارثین علمائے امت کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ لوگوں کو شرک کی حقیقت سمجھائیں، اور خدائی صفات اور بندوں کی صفات کے درمیان جو فرقِ مراتب ہے، اس کو اچھی طرح ذہن نشیں کرائیں کہ صفات کا حقیقی اور اعلیٰ ترین درجہ اللہ جل شانہٗ کے لیے مخصوص ہے، اس میں کسی کو شریک کرنا توحید کے سراسر منافی ہے، اگرچہ الفاظ ملتے جلتے ہیں، اللہ کے مقبول بندوں کے لیے بھی وہی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، مگر ان کی صفات کا درجہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے فروتر ہے، مثلاً ''طبیب'' یعنی شفا دینے والا درحقیقت اللہ جل شانہٗ ہے، مگر مجازی معنی کے اعتبار سے بندے بھی ''طبیب'' کہلاتے ہیں، اسی طرح سید، آقا اور مولیٰ کامل معنی کے اعتبار سے صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اور مجازی معنی کے اعتبار سے بندے بھی سید، آقا اور مولیٰ کہلاتے ہیں۔

ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابی سے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا تھا: میں ''طبیب'' ہوں۔ فرمایا تھا کہ آپ تو مہربان ہیں، آپ کے دل میں میری پریشانی دیکھ کر جذبۂ ترحم ابھرا ہے، اور طبیب یعنی شفا دینے والے تو صرف اللہ تعالیٰ ہیں — اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ سید اور آقا صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔

ان دونوں حدیثوں کا مطلب یہی ہے کہ حقیقی معنی کے اعتبار سے شفا بخشنے والے اور سید و آقا صرف اللہ تعالیٰ ہیں، ان حدیثوں کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجازی معنی کے اعتبار سے بھی کسی انسان کو طبیب اور آقا و سید نہیں کہہ سکتے۔

اس مثال سے یہ بات بخوبی سمجھی جاسکتی ہے کہ اعلیٰ اور ادنیٰ دونوں مرتبوں کے لیے ایک ہی لفظ کس طرح استعمال کیا جاتا ہے، اور کس طرح حقیقی اور مجازی معنی میں تفاوت

ہوتا ہے ــــ اسی طرح سمجھنا چاہیے کے اللہ کے رؤف ورحیم ہونے کا درجہ اور ہے، وہ صفات کا حقیقی اور اعلیٰ ترین مرتبہ ہے، اور حضور اکرم ﷺ کا رؤف ورحیم ہونا اور ہے، یہ صفات کا مجازی اور فروتر درجہ ہے، یہی حال سمیع وبصیر اور دوسری صفات کا ہے، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے (حجۃ اللہ البالغہ، ص: ۱/ ۶۰ -۳۶، باب فی بیان حقیقۃ الشرک اور باب اقسام الشرک)

اس تمہید کے بعد رضا خانی فرقہ کی چند اعتقادی بدعات اور کچھ اعمالِ شرکیہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

[۱]: مختار کل کا مسئلہ

''مختار'' اختیار سے اسم فاعل کا صیغہ بھی ہوسکتا ہے اور اسم مفعول کا بھی، اگر اسم فاعل کا صیغہ ہو تو اس کے معنی ہوں گے اختیار رکھنے والا اور اسم مفعول ہو تو اس کے دو (۲) معنی ہوسکتے ہیں: (۱) اختیار دیا ہوا۔ (۲) برگزیدہ اور چنا ہوا۔

اگر کوئی شخص حضور اکرم ﷺ کو اسم مفعول کے پہلے معنی یا اسم فاعل کے معنی کے اعتبار سے ''مختارِ کل'' کہتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ کائنات میں تصرف کرنے کا کلی اختیار آپ کو دیدیا گیا تھا، یا کائنات میں تصرف کرنے کا آپ ﷺ کلی اختیار رکھتے تھے، تو ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرکینِ عرب سے بھی بدتر مشرک ہے؛ کیوں کہ مشرکین عرب بھی اپنے دیوتاؤں کے لیے کلی اختیار نہیں مانتے تھے؛ بلکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض مخصوص بندوں کو جزوی اختیارات دیئے ہیں، قرآن پاک میں ہے:

﴿ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ،سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ﴾ (سورۂ مؤمنون، آیت: ۸۸، ۸۹)

ترجمہ: آپ (مشرکین سے) پوچھئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے؟ اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو؟ وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ ایسا اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے۔

اور اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کو اسم مفعول کے دوسرے معنی کے اعتبار سے مختار

کل کہے تو یہ بھی درست نہیں ہے؛ کیوں کہ لفظ مختار کے ساتھ لفظ کل مل جانے کے بعد اسم مفعول کے دوسرے معنی کسی طرح درست نہیں ہو سکتے "مختار کل" مرکب اضافی ہے جس کے معنی ہیں سب چیزوں کا اختیار دیا ہوا، اس کا یہ ترجمہ کرنا کہ "ساری مخلوقات میں سے چنیدہ اور برگزیدہ" ہرگز درست نہیں ہے، صرف لفظ مختار بول کر اسم مفعول کے ثانی معنی مراد لینا بے شک درست ہے، مثلاً کہیں کہ "محمد مختار" کیوں کہ اب یہ مرکبِ توصیفی ہے، جس کے معنی ہیں: "برگزیدہ محمد"، اور یہ معنی درست ہیں۔

رضاخانی عقیدہ

الغرض اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ برگزیدہ پیغمبر اور مخلوقات میں سب سے افضل ہیں؛ لیکن رضاخانی حضور اکرم ﷺ کو برگزیدہ پیغمبر ہونے کے اعتبار سے مختار کل نہیں کہتے، بلکہ اس لیے مختار کل کہتے ہیں کہ ان کے خیال میں حضور اکرم ﷺ کو کائنات میں تصرف کرنے کا کلی اختیار دے دیا گیا ہے، خود خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

"حضور ﷺ ہر قسم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں، دنیا اور آخرت کی مرادیں سب حضورؐ کے اختیار میں ہیں" (برکاتُ الامداد، ص:۸، اور ملفوظات، حصہ چہارم، ص:۷۰)

نیز خاں صاحب شیخ عبدالقادر جیلانی کی شان میں کہتے ہیں:

ذی تصرف بھی ہے، ماذون بھی، مختار بھی ہے
کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبد القادر

(حدائقِ بخشش، ص:۱۹)

مزید کہتے ہیں:

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو
کُن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث

(حدائقِ بخشش، ص:۸)

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ

اس کے برخلاف تمام اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ پوری کائنات کا نظام صرف اللہ جل شانہٗ کے قبضۂ قدرت میں ہے، اوراس میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے، موت وحیات، صحت ومرض، عطاو بخشش اور نفع ونقصان کے مالک ومختار صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یاولی کوکائنات میں تصرف کرنے کا کلی یا جزوی اختیار عطا نہیں فرمایا، ارشادخداوندی ہے:

﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نفعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾

ترجمہ: آپ فرمادیجیے کہ میں نہ اپنی جان کے بھلے کا مالک ہوں نہ بُرے کا؛ مگر جواللہ تعالیٰ چاہیں۔(سورۂ اعراف، آیت:۱۸۸)

خود آنحضرت ﷺ کا اس بارے میں جوعقیدہ تھا وہ یہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ میں ایک دن آنحضرت ﷺ کے پیچھے سوار تھا، آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا: اے لڑکے! تو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت فرمائیں گے، تو اللہ کے حقوق کی حفاظت کر، اللہ کو تو اپنے سامنے پائے گا، اور جب کچھ مانگنا ہوتو اللہ سے مانگ، اور جب مدد کی ضرورت ہوتو اللہ سے مدد طلب کر، اور یقین رکھ کہ ساری امت اگر تجھے کوئی نفع پہنچانے کے لیے جمع ہوجائے تو تجھے کوئی نفع نہیں پہنچاسکتی، سوائے اس کے جواللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر ساری امت تجھے کوئی نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہوجائے تو تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتی سوائے اس کے جواللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔(مشکاۃ شریف، ص:۴۵۳)

اور پیرانِ پیر حضرت عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں:

إِنَّ الخلْقَ عَجزٌ عَدَمٌ ، لَا هَلْكَ بِأَيْدِيْهِمْ وَ لَا مُلْكَ ،لَا غِنٰى بِأَيْدِيْهِمْ وَ لَا فَقْرَ ، وَ لَا ضَرَّ بِأَيْدِيْهِمْ وَ لَا نَفْعَ ، وَ لَا مَلِكَ عِنْدَهُمْ إِلَّا اللّٰهُ عَزَّ

وَجَلَّ ، لَا قَادِرَ غَيْرُهُ ، وَ لَا مُعْطِيَ وَ لَا مَانِعَ وَ لَا ضَارٌّ وَ لَا نَافِعَ غَيْرُهُ ، وَ لَا مُحْيِيَ وَ لَا مُمِيْتَ غَيْرُهُ. (الفتح الربانی، مجلس:۶۱)

ترجمہ: بے شک ساری مخلوق عاجز اور کالعدم ہے، نہ ہلاکت ان کے ہاتھ میں ہے نہ ملک، نہ مال داری ان کے قبضہ میں ہے نہ فقر، نہ نقصان ان کے اختیار میں ہے نہ نفع، اللہ جل شانہٗ کے سوا ان کے نزدیک نہ کوئی حاکم ہے، نہ اس کے سوا کوئی قادر ہے، نہ اس کے سوا کوئی دینے والا ہے نہ روکنے والا ہے، نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے، نہ نفع دے سکتا ہے، نہ اس کے سوا کوئی زندگی بخش سکتا ہے، نہ موت دے سکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ، الفوز الکبیر میں اِرقام فرماتے ہیں:

شرک آنست کہ غیر خدارا صفاتِ مختصہ بخدا اثبات نماید، مثل تصرف در عالم بارادہ کہ تعبیر ازاں بکن فیکونی می شود۔ (ص:۸)

ترجمہ: شرک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی ہستی کے لیے خاص صفات ثابت کی جائیں، مثلاً اپنے ارادہ سے عالم میں تصرف کرنا جس کو کن فیکونی تصرف کہا جاتا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ''ارشاد الطالبین'' میں تحریر فرماتے ہیں:

اولیاء قادر نیستند بر ایجادِ معدوم، یا اعدام موجود، پس نسبت کردن ایجاد و اعدام و اعطائے رزق، یا اولا د و رفع بلا و مرض و غیر آں بسوئے شاں کفر است۔ (ص:۲۰)

ترجمہ: اولیائے کرام معدوم کو وجود بخشنے پر یا موجود کو معدوم کرنے پر قادر نہیں ہیں، بس وجود بخشنے یا معدوم کرنے یا رزق اور اولاد عطا کرنے یا بیماری اور بلا وغیرہ دور کرنے کی ان کی طرف نسبت کرنا کفر ہے۔

[۲]: غیر اللہ سے مدد طلب کرنا

امورِ عادیہ میں یعنی ایسے کاموں میں جو انسان کی قدرت واختیار میں ہے، صرف زندہ شخص سے مدد طلب کرنا درست ہے، مثلاً کوئی غریب کسی امیر سے کہے کہ میں محتاج ہوں خدا کے واسطے میری مدد کیجئے تو یہ جائز ہے؛ لیکن امور غیر عادیہ میں یعنی ایسے کاموں

میں جو انسان کی قدرت واختیار میں نہیں ہے کسی بھی شخص سے مدد طلب کرنا حرام اور ناجائز ہے، چاہے وہ زندہ بزرگ ہو یا فوت شدہ ولی یا نبی ہو، مثلاً کسی ولی یا نبی سے اولاد، شفاء اور بارش طلب کرنا، یا کسی ولی یا نبی سے بلائیں دور کرنے کی درخواست کرنا حرام اور شرکِ جلی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

﴿ وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ، فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ، وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ، وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ﴾ (سورۂ یونس، آیت:۱۰۶-۱۰۷)

ترجمہ: اور مت پکار واللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا اور نہ برا، پھر اگر تو ایسا کرے گا تو تو بھی اس وقت ظالموں (یعنی مشرکوں) میں سے ہوجائے گا، اور اگر پہنچادیویں تجھ کو اللہ تعالیٰ کچھ تکلیف تو کوئی نہیں اس کو ہٹانے والا اس کے سوا، اور اگر پہنچانا چاہیں تجھ کو کچھ بھلائی تو کوئی پھیرنے والا نہیں اس کے فضل کو۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

﴿ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴾ (سورۂ احقاف، آیت:۵)

ترجمہ: اور اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی ہستی کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہیں کرسکتا اور وہ ان کی دعا سے غافل ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی ارشاد الطالبین میں اِرقام فرماتے ہیں:

"دعا از اولیاء مردگاں یا زندگاں واز انبیاء جائز نیست، رسول خدا فرمود: اَلدُّعَاءُ مُخُّ العِبَادَةِ: یعنی دعا خواستن از خدا عبادت است، پستر ایں آیت خواند ﴿وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴾ (سورۂ مؤمن، آیت:۶۰) آنچہ جُہّال می گویند یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئًا للّٰہ، یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیئاً للّٰہ جائز نیست، شرک و کفر است"۔ (ارشاد الطالبین، ص:۱۸)

ترجمہ: فوت شدہ یا زندہ بزرگوں سے اور انبیائے کرام علیہم السلام سے دعائیں مانگنا

جائز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "دعا عبادت کا مغز ہے"، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْ الآیۃ﴾ اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں، وہ جہنم میں ذلیل وخوار ہو کر داخل ہوں گے، اور یہ جو جاہل لوگ کہتے ہیں: یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئًا للہ ، یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیئًا للہ ، جائز نہیں ہے، شرک وکفر ہے۔

[۳]: غیر اللہ کو پکارنے کی پانچ صورتیں اور ان کے احکام

غیر اللہ کو پکارنے کی یعنی "یا رسول اللہ"، اور "یا غوث" کہنے کی پانچ (۵) صورتیں ہیں، اور سب کے احکام علاحدہ علاحدہ ہیں؛ اس لیے ذیل میں غیر اللہ کو پکارنے کی پانچوں صورتیں اور ان کے احکام ذکر کیے جاتے ہیں۔

پہلی صورت

پہلی صورت یہ ہے کہ شعراء اپنے تخیل میں جس طرح کبھی بادِ صبا کو خطاب کرتے ہیں، اور کبھی پہاڑوں اور جنگلوں کو، کبھی حیوانات اور پرندوں کو خطاب کرتے ہیں؛ مگر ان میں کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ جن کو وہ خطاب کر رہے ہیں، وہ ان کی بات کو سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں؛ بلکہ یہ ایک ذہنی پرواز ہوتی ہے ، اسی طرح شعراء کے کلام میں آنحضرت ﷺ کو یا بزرگانِ دین کو تخیلاتی طور پر جو خطاب کیا جاتا ہے، وہ شرعًا درست اور جائز ہے اور اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں۔

دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ جس طرح عشاق اپنے محبوبوں کو خطاب کرتے ہیں، اسی طرح آنحضرت ﷺ کو محض اظہارِ محبت کے لیے خطاب کیا جائے، واقعۃً ندا مقصود نہ

ہو، یا جس طرح مادرِ شفیق کا بچہ جب فوت ہوجاتا ہے تو وہ اس کا نام لے کر پکارتی ہے، وہ جانتی ہے کہ اس کی آہ وبکاء کی آواز بچے کے کان تک نہیں پہنچ سکتی، اس کے باوجود وہ اپنی ممتا کی وجہ سے ایسا کرنے پر مجبور ہوتی ہے، اسی طرح جو عشاق آنحضرت ﷺ کی محبت اور عشق میں واقعی جل بھن گئے ہیں، اور اُنہیں آنحضرت ﷺ کو پکارے بغیر کسی کروٹ چین نہیں آتا، اور وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کی آہ وپکار سامعہ مبارک تک نہیں پہنچ سکتی، تو ان کا ''یارسول اللہ'' کہنا جائز ہوسکتا ہے، بشرطے کہ عقیدہ میں فساد نہ آئے، یا ان کے فعل سے کسی دوسرے کے عقیدہ میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

تیسری صورت

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کے صیغہ سے دُرود شریف پڑھتا ہے، اور یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ کے فرشتے اس دُرود کو بارگاہِ رسالت میں پہنچاتے ہیں، تو یہ بھی جائز ہے؛ کیوں کہ آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ، وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُہٗ.

(مشکاۃ شریف، ص:۸۷)

ترجمہ: جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس دُرود بھیجے گا، میں اُسے خود سنوں گا، اور جو شخص مجھ پر دور سے دُرود بھیجے گا وہ مجھے پہنچایا جائے گا۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

اِنَّ لِلّٰہِ مَلَآئِکَۃً سَیَّاحِینَ فِی الْاَرْضِ یُبَلِّغُوْنِیْ مِنْ اُمَّتِیَ السَّلَامَ.

(مشکاۃ شریف، ص:۸۶)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں، جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

اگرچہ اس کے لیے بھی صحیح طریقہ یہی ہے کہ دور سے دُرود وسلام بھیجنے کا جو طریقہ خود آنحضرت ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے، اسی کو اختیار کیا جائے، غائبانہ دُرود وسلام میں

خطاب کا صیغہ استعمال نہ کرے؛ مگر اس کے باوجود اگر اس کے عقیدہ میں کسی قسم کا فساد نہیں ہے، نہ اس کے فعل سے کسی دوسرے شخص کے عقیدہ میں بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، تو اس طرح دُرود شریف پڑھنے کو ناجائز نہیں کہا جائے گا۔

چوتھی صورت

چوتھی صورت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے روضۂ مبارک پر حاضر ہوکر مواجہہ شریف میں کہے: اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ تو یہ خطاب اور ندا نہ صرف جائز؛ بلکہ مستحب ہے؛ کیوں کہ آنحضرت ﷺ روضۂ اقدس میں باحیات ہیں اور ہر زائر کے سلام کو سماعت فرماتے ہیں، اور اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

پانچویں صورت

پانچویں صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اس نیت سے ''یارسول اللہ'' کہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر شخص کی بات ہر جگہ سنتے ہیں، اور مصیبت کو دور فرماتے ہیں، اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی حاضر و ناظر ہیں، اور ہر شخص کی فریاد سنتے ہیں اور اس کی مصیبت دور فرماتے ہیں، تو اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں؛ کیوں کہ اللہ کے سوا کوئی حاضر و ناظر نہیں، نہ اللہ کے سوا کوئی مصیبت کو دور کرسکتا ہے۔

[۴]: غیر اللہ کے نام کا ورد کرنا

یہاں یہ مسئلہ بھی جان لینا چاہیے کہ جس طرح دعا اور تقرب کی غرض سے اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے، اور اس کے پاک ناموں کا ورد کیا جاتا ہے، اسی طرح اللہ کے سوا کسی اور بزرگ ہستی کو پکارنا اور اس کے نام کا ورد کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ فعل عبادت کے زمرے میں آتا ہے، اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ غیر اللہ کی عبادت کرنا شرک ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ''فتاویٰ عزیزی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''پرستش آنست کہ (۱) سجدہ کند (۲) یا طواف نماید (۳) یا نامِ اورا بطریقِ تقرب وِرد سازد (۴) یا ذبح جانور بنامِ او کند (۵) یا خود را بندۂ فلانی بگوید، وہر آنکہ از مسلمانان جاہل با اہل قبور ایں چیزہا بعمل آرد فی الفور کافر گردد، واز مسلمانی می برآید''۔
(فتاوی عزیزی: ۱/۴۵)

ترجمہ: عبادت یہ ہے کہ (۱) سجدہ کرے (۲) یا طواف کرے (۳) یا اس کے نام کا تقرب کے طور پر ورد کرے (۴) یا اس کے نام پر جانور ذبح کرے (۵) یا اپنے آپ کو فلاں کا بندہ کہے ــــ جاہل مسلمانوں میں سے ہر وہ شخص جو اہل قبور کے ساتھ یہ چیزیں کرے گا، وہ فوراً کافر ہو جائے گا، اور اسلام سے نکل جائے گا۔

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی ارشاد الطالبین میں اِرقام فرماتے ہیں:

''مگر آں کہ ذکر محمد رسول اللہ باذکر خدائے تعالیٰ در اذان واقامت وتشہد و مانند آں عبادت است، وذکر محمد رسول اللہ ہم بروجہے کہ در شرع وارد نشدہ است، چنانچہ کسے بطور وظیفہ ''یا محمد، یا محمد، یا محمد'' گفتہ باشد روا نباشد''۔ (ص: ۱۹)

ترجمہ: اللہ کے ذکر کے ساتھ محمد رسول اللہ کا ذکر اذان واقامت اور تشہد وغیرہ میں عبادت ہے؛ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر ایسے طریقہ پر کرنا جو شریعت میں وارد نہیں ہوا ہے، مثلاً کوئی شخص وظیفہ کے طور پر ''یا محمد، یا محمد، یا محمد'' کہے گا تو جائز نہ ہوگا۔

[۵]: قبروں کا طواف اور سجدہ وغیرہ کرنا

جاہل لوگ قبروں کا طواف کرتے ہیں، ان کو سجدہ کرتے ہیں، آستانوں کو چومتے ہیں، یہ تمام افعال شرکیہ ہیں، اس لیے کہ طواف، سجدہ، رکوع اور ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا، یہ سب عبادت کی شکلیں ہیں، اور شریعت نے قبروں کی ایسی تعظیم کرنے کی اجازت نہیں دی ہے جو پوجا کی حد تک پہنچ جائے، آنحضرت ﷺ کو معلوم تھا کہ پہلی امتیں اسی غلو کی بنا پر گمراہ ہوئی ہیں؛ اس لیے آپ ﷺ نے اپنی امت کو ان افعال سے بچنے کی تاکید اور وصیت فرمائی ہے، امّ المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ لَمْ يَقُمْ مِنْهُ : لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ.

(مشکاۃ شریف، ص:٦٩)

ترجمہ: بلاشبہ رسولِ اکرم ﷺ نے اس مرض میں جس سے آپ ﷺ کو افاقہ نہیں ہوا (یعنی مرضِ وفات میں) فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

نیز نبی کریم ﷺ کا مشہور ارشاد ہے:

أَلَا وَ إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَآئِهِمْ وَ صَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوْا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ ، إِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ

(حوالہ بالا)

ترجمہ: سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا کرتے تھے، خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، میں تمہیں اس سے روکتا ہوں۔

ان احادیث کی بنا پر علماء اہل سنت والجماعت نے قبروں پر سجدہ کرنے کو شرک جلی فرمایا ہے، حضرت ملا علی قاری لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰى کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں:

سَبَبُ لَعْنِهِمْ إِمَّا لِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَسْجُدُوْنَ لِقُبُوْرِ أَنْبِيَآئِهِمْ تَعْظِيْمًا لَهُمْ وَ ذٰلِكَ هُوَ الشِّرْكُ الْجَلِيُّ .

ترجمہ: یہود ونصاریٰ کے ملعون ہونے کا سبب یا تو یہ تھا کہ وہ اپنے انبیاء کی تعظیم کی خاطر ان کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے، اور یہ شرک جلی ہے۔

اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی ''مالا بدمنہ'' میں لکھتے ہیں:

''سجدہ کردن بسوئے قبور انبیاء واولیاء وطواف گرد قبور کردن، ودعا از آنہا خواستن و نذر برائے آنہا قبول کردن حرام است؛ بلکہ چیزہا ازاں بکفر می رساند، پیغمبر خدا ﷺ بر آنہا لعنت گفتہ، واز آں منع فرمودہ، وگفتہ کہ قبرِ مرا بت نہ کنند''۔ (مالا بدمنہ، ص:٧٦)

ترجمہ: انبیاء اور اولیاء کی قبروں کی طرف چہرہ کرکے سجدہ کرنا، قبروں کے گرد طواف کرنا، ان سے دعا مانگنا، اور ان کے لیے منتیں ماننا حرام ہے؛ بلکہ ان میں سے بہت سی چیزیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں، آنحضرت ﷺ نے ان چیزوں پر لعنت فرمائی ہے، اور ان سے روکا ہے، اور فرمایا ہے کہ میری قبر کو بت نہ بنالینا۔

[٦]: قبروں پر چڑھاوے چڑھانا

بہت سے لوگ نہ صرف اولیاء اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں؛ بلکہ ان کی منتیں بھی مانتے ہیں کہ اگر ان کا فلاں کام ہوگیا تو وہ فلاں بزرگ کی قبر پر غلاف یا شیرینی چڑھائیں گے، یہ بھی شرک و کفر ہے؛ اس لیے کہ مَنَّت ماننا اور نذر و نیاز پیش کرنا عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت کرنا شرک ہے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''درمختار'' میں ہے:

وَ اعْلَمْ أَنَّ النَّذْرَ الَّذِیْ یَقَعُ لِلْأَمْوَاتِ مِنْ أَکْثَرِ الْعَوَّامِ ، وَ مَا یُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَ الشَّمْعِ وَ الزَّیْتِ وَنَحْوِهَا إِلٰی ضَرَائِحِ الْأَوْلِیَاءِ الْکِرَامِ تَقَرُّبًا إِلَیْهِمْ فَهُوَ بِالْإِجْمَاعِ بَاطِلٌ وَّحَرَامٌ.

ترجمہ: جاننا چاہیے کہ اکثر عوام کی طرف سے مُردوں کے نام کی جو نذر و مَنَّت مانی جاتی ہے، اور اولیائے کرام کی قبروں پر روپے، پیسے، موم بتیاں اور تیل وغیرہ بزرگوں کا قرب حاصل کرنے کی غرض سے جو لایا جاتا ہے، وہ بالاتفاق باطل اور حرام ہے۔

اور علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

قَوْلُهٗ :(بَاطِلٌ وَّحَرَامٌ) لِوُجُوْهٍ :مِنهَا أَنَّهٗ نَذَرَ لِمَخْلُوْقٍ ، وَ النَّذْرُ لِمَخْلُوْقٍ لَا یَجُوْزُ لِأَنَّهٗ عِبَادَةٌ ، وَ الْعِبَادَةُ لَا تَکُوْنُ لِمَخْلُوْقٍ ، وَ مِنْهَا أَنَّ الْمَنْذُوْرَ لَهٗ مَیِّتٌ، وَالْمَیِّتُ لَا یَمْلِكُ ، وَمِنْهَا أَنَّهٗ إِنْ ظَنَّ أَنَّ الْمَیِّتَ یَتَصَرَّفُ فِي الْأُمُوْرِ دُوْنَ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ اعْتِقَادَهٗ ذٰلِكَ کُفْرٌ.

(شامی،۲/۱۲۸، قُبیل باب الاعتکاف)

ترجمہ: باطل و حرام ہونے کی کئی وجوہ ہیں: ایک یہ ہے کہ یہ نذر مخلوق کے لیے ہے،

اور مخلوق کے لیے نذر ماننا جائز نہیں؛ اس لیے کہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت نہیں ہوتی —— دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کے لیے مَنّت مانی گئی ہے وہ مردہ ہے اور مردہ کو مالک بنانے کی کوئی صورت نہیں ہے —— تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر نذر ماننے والے کا خیال یہ ہے کہ اللہ کے سوا مردہ بزرگ بھی کائنات میں تصرف کرنے کی قدرت رکھتا ہے تو اس کا یہ عقیدہ کفر ہے۔

الحاصل اولیائے کرام کے مزاروں پر جو منتیں مانی جاتی ہیں، اور جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں، اگر ان سے محض ان بزرگوں کا تقرب مقصود ہو، اور یہ خیال ہو کہ اس نذر و نیاز کو قبول کر کے وہ ہمارے کام کر دیں گے، اور ہماری بگڑی بنا دیں گے، اور اگر ہم نے ان کے نام کی منّت نہ دی تو ہم سے ناراض ہو جائیں گے، اور اس سے ہمارے کاروبار، جان و مال اور بیوی بچوں کو نقصان پہنچے گا تو یہ بالاتفاق حرام اور باطل ہے، اور اس کے شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

اگر کسی شخص نے ایسی نذر مان لی ہو تو اس کا پورا کرنا جائز نہیں؛ بلکہ اس سے توبہ کرنا ضروری ہے، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

”واگر کسے نذر کرد وفائے نذر نکند کہ احتراز از معصیت بقدر امکان واجب است“۔

(ارشاد الطالبین، ص:۱۸)

ترجمہ: اور اگر کسی نے ایسی نذر مان لی ہو تو اسے پورا نہ کرے؛ اس لیے کہ جہاں تک ہو سکے گناہ سے پرہیز کرنا واجب ہے۔

اور اگر کسی شخص نے ایسی نذر مانی اور اسے پورا بھی کر دیا، تو وہ چیز غیر اللہ کے لیے نام زد ہونے کی وجہ سے حرام ہو گی، اس کا استعمال کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہو گا؛ البتہ جس شخص نے چڑھاوا چڑھایا ہے، جب تک وہ چیز اپنی اصلی حالت میں موجود ہے وہ اپنی منت سے توبہ کر کے وہ چیز واپس لے سکتا ہے، یہی حکم اس جانور کا ہے جو غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو کہ جب تک وہ جانور زندہ ہے، مَنّت ماننے والا اپنی منّت سے توبہ کر کے اس کو واپس لے سکتا ہے؛ لیکن اگر وہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دیا گیا، چاہے ذبح کے وقت

اس پر بسم اللہ پڑھی گئی ہو، اس کا کھانا کسی کے لیے حلال نہیں ہوگا۔

یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ کسی کام کے ہونے نہ ہونے میں نذر اور منت کا قطعًا کوئی دخل نہیں ہوتا، نہ اس سے قضاو قدر کے فیصلے تبدیل ہوتے ہیں، آنحضرت ﷺ کا مشہور ارشاد ہے:

لَا تَنْذِرُوْا ، فَإِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْقَدْرِ شَيْئًا ، وَ إِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهٖ مِنْ الْبَخِيْلِ، متفق عليه (مشكاة، ص:۲۹۷، باب فى النذور)

ترجمہ: منتیں نہ مانا کرو کیوں کہ منت تقدیر کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتی، اس کے ذریعہ تو بس بخیل کا مال نکالا جاتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "منت ماننے کی ممانعت اس اعتقاد کی بنا پر ہے کہ وہ تقدیر کی کسی بات کو ٹال دیتی ہے؛ کیونکہ لوگوں کی عادت تھی کہ وہ اپنی حاجتوں کے پورا ہونے، اور مصیبتوں کے دور ہونے کے لیے منتیں مانا کرتے تھے، اور یہ بخیل لوگوں کا وطیرہ ہے؛ اس لیے ان کو روکا گیا؛ لیکن سخی لوگ نذر مانے بغیر اپنے اختیار سے صدقہ خیرات کرتے ہیں، پس اس غرض سے منّت ماننے کی جو ممانعت فرمائی گئی ہے، اس میں اس بات کی ترغیب دینا ہے کہ منت تو مانی جائے؛ مگر اخلاص کے ساتھ۔

(حاشیہ مشکاۃ شریف)

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ صدقہ وخیرات سے بلائیں دور ہوتی ہیں؛ لیکن نذر ماننے میں ایک قسم کی سوداگری ہے کہ اگر یہ کام ہوا تو صدقہ وخیرات کرے گا ورنہ نہیں۔

الغرض جو منّت اللہ کے نام پر مانی جائے اس سے بھی قضاو قدر کے فیصلے تبدیل نہیں ہوتے، اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بزرگوں کے نام پر جو منتیں مانی جاتی ہیں، ان سے خدا کی تقدیر کیسے بدل سکتی ہے؟ لیکن ہوتا یہ ہے کہ منّت ماننے کے بعد اگر کام نہ ہوا تب تو لوگ تقدیر کا رونا روتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ بس تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا، اور اگر کام ہوگیا تو اس کو تقدیر کا فیصلہ نہیں سمجھتے؛ بلکہ اس بزرگ کا تصرف سمجھتے ہیں کہ ہم نے فلاں بزرگ کی منت مانی تھی، اس سے ہمارا کام ہوگیا، یہ ہے وہ جڑ جس سے فسادِ عقیدہ کی شاخیں

پھوٹتی ہیں، اور جس کے ذریعہ شیطان لوگوں کو خدا تعالیٰ سے ہٹا کر اس کے بندے کا پجاری بنا تا ہے، آنحضرت ﷺ نے مذکورہ بالا ارشاد میں اسی کی بیخ کنی کی ہے کہ جو منت خدا کے نام کی مانی جائے، وہ بھی اس کی قضاوقدر کے فیصلوں کو نہیں بدلتی چہ جائے کہ وہ منت جو اس کے عاجز بندوں کے نام پر مانی جائے۔

کفر کا حکم لگانے میں احتیاط

ایمان وتوحید اور کفر وشرک کے سلسلہ میں مذکورہ بالا تفصیلات کے جاننے کے بعد یہ جاننا چاہیے کہ کفر وشرک کا معاملہ نہایت سنگین ہے، جس کا ایمان ثابت ہو چکا ہو اس پر کفر کا حکم لگانے میں بہت احتیاط برتنی ضروری ہے، فقہائے کرام رحمہم اللہ نے اس سلسلہ میں جو ضابطہ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کفر کا حکم نہیں لگانا چاہیے، جب کوئی صورت باقی نہ رہے، اس وقت کفر کا حکم لگانا چاہیے؛ اس لیے

(۱) جو شخص افعالِ شرکیہ میں سے کسی فعل کا ارتکاب کرے گا، جیسے بت کو سجدہ کرنا تو وہ شخص فوراً مشرک وکافر ہو جائے گا، فتاویٰ عزیزی میں ہے:

"پرستش آنست کہ سجدہ کند یا طواف نماید، یا نامِ اورا بطریق تقرب وردساز د، یا ذبح جانور بنامِ او کند، یا خود را بندۂ فلانی بگوید، وہر کہ از مسلمانان جاہل با اہل قبور ایں چیز ہا بعمل آرد فی الفور کافر می گردد، واز مسلمانی می برآید"۔

ترجمہ: عبادت یہ ہے کہ سجدہ کرے، یا طواف کرے، یا اس کے نام کا تقرب کے طور پر ورد کرے، یا اس کے نام پر جانور ذبح کرے، یا اپنے آپ کو فلاں کا بندہ کہے، جاہل مسلمانوں میں سے ہر وہ شخص جو اہل قبور کے ساتھ یہ چیزیں کرے گا وہ فوراً کافر ہو جائے گا اور اسلام سے نکل جائے گا۔ (فتاویٰ عزیزی، ص: ۴۵، جلد اول)

(۲) اور جو لوگ کسی تاویل سے کسی شرکیہ فعل کا ارتکاب کرتے ہیں، جیسے غیر اللہ کو تعظیمی سجدہ کرنا، یا کسی شرکیہ بات کا عقیدہ رکھتے ہیں، جیسے آنحضرت ﷺ کے لیے عطائی علم غیب کا عقیدہ رکھنا، ان پر احتیاطاً کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

(۳) اور جو شخص بغیر تاویل کے دلیلِ قطعی کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے، جیسے آنحضرت ﷺ کے لیے عطائی اور محیطِ خاص کی تاویل کے بغیر علم غیب کلی کا عقیدہ رکھنا، یا تاویلِ مہمل سے دین کے کسی بدیہی اجماعی قطعی عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے، جیسے خاتم النبیین کی تاویل ''نبیوں کا مہر'' کر کے حضور اکرم ﷺ کے بعد کسی کی نبوت کا قائل ہو تو وہ بلاشبہ کافر اور مرتد ہے، علامہ ابن عابدین شامیؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تنبیہ الوُلاۃ والحُکام میں ارقام فرماتے ہیں:

وَحَاصِلُهُ أَنَّ الْمَحْكُوْمَ بِكُفْرِهٖ مَنْ أَدَّاهُ هَوَاهُ وَ بِدْعَتُهُ إِلٰى مُخَالَفَةِ دَلِيْلٍ قَطْعِيٍّ لَا يَسُوْغُ فِيْهِ تَاوِيْلٌ أَصْلًا كَرَدِّ آيَةٍ قُرْآنِيَّةٍ ، أَوْ تَكْذِيْبِ نَبِيٍّ أَوْ إِنْكَارِ أَحَدِ أَرْكَانِ الْإِسْلَامِ وَ نَحْوِ ذٰلِكَ ،بِخِلَافِ غَيْرِهِمْ كَمَنِ اعْتَقَدَ أَنَّ عَلِيًّا هُوَ الْأَحَقُّ بِالْخِلَافَةِ وَ صَارُوْا يَسُبُّوْنَ الصَّحَابَةَ ، لِأَنَّهُمْ مَنَعُوْهُ حَقَّهٗ وَ نَحْوِهِمْ ، فَلَا يُحْكَمُ بِكُفْرِهِمْ احْتِيَاطًا وَ إِنْ كَانَ مُعْتَقَدُهُمْ فِيْ نَفْسِهٖ كُفْرًا أَيْ يُكَفَّرُ بِهٖ مَنِ اعْتَقَدَهٗ بِلَا شُبْهَةِ تَأْوِيْلٍ. (رسائل ابن عابدین، ص:۳۶۲-۳۶۳، مطبوعہ : سہیل اکیڈمی لاہور)

ترجمہ: حاصل کلام یہ ہے کہ صرف اسی شخص پر کفر کا حکم لگایا جائے گا جس کی گمراہی ایسی دلیل قطعی کے خلاف ہو جس میں تاویل کی بالکل گنجائش نہیں، جیسے قرآن پاک کی کسی آیت کا انکار کرنا یا کسی نبی کی تکذیب کرنا یا ارکان اسلام میں سے کسی رکن کا انکار کرنا وغیرہ برخلاف ان لوگوں کے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ خلافت کے زیادہ حق دار تھے، اور وہ صحابہ کرام کو اس لیے برا بھلا کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے (ان کے خیال میں) حضرت علی کو ان کا حق نہیں دیا اور انہیں جیسے دوسرے لوگوں پر احتیاطاً کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اگرچہ ان کا اعتقاد فی نفسہٖ کفر ہو، یعنی دلیل قطعی کے خلاف عقیدہ رکھنے کی وجہ سے صرف اسی شخص کو کافر قرار دیا جائے گا جو بلا تاویل دلیل قطعی کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے۔

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ فتاویٰ عزیزی میں ارقام فرماتے ہیں:

"اگر بر خلاف قرنِ اول حمل می کند، پس در بدعتِ او ملاحظہ باید نمود، اگر مخالف ادلۂ قطعیہ است یعنی نصوص متواترہ و اجماع قطعی است اورا کافر باید شمرد، و اگر مخالف ادلۂ ظنیہ قریبۃ الیقین است مانند اخبار مشہور و اجماع عرفی گمراہ تواں فہمید دون الکفر"

(فتاویٰ عزیزی، ص:۱۴۶، جلد اول)

ترجمہ: اگر کوئی شخص قرنِ اول (صحابہ و تابعین) کے بیان کردہ مفہوم کے علاوہ پر نصوص کو حمل کرتا ہے تو اس کی نو ایجادات کو دیکھا جائے گا، اگر دلائلِ قطعیہ یعنی نصوص متواترہ اور اجماعِ قطعی کے خلاف ہے تو اس کو کافر شمار کرنا چاہیے، اور اگر دلائلِ ظنیہ جو یقین کے قریب ہیں، مثلاً خبرِ مشہور اور اجماعِ عرفی کے خلاف ہے تو اس کو گمراہ سمجھنا چاہیے، نہ کہ کافر۔

نیز شامی میں ہے:

إِذَا لَمْ تَكُنِ الآيَةُ أَوِ الْخَبَرُ الْمُتَوَاتِرُ قَطْعِيَّ الدَّلاَلَةِ ، أَوْ لَمْ يَكُنِ الْخَبَرُ مُتَوَاتِرًا، أَوْ كَانَ قَطْعِيًّا لٰكِنْ فِيْهِ شُبْهَةٌ ، أَوْ لَمْ يَكُنِ الْإِجْمَاعُ إِجْمَاعَ الْجَمِيْعِ ، أَوْ كَانَ ، وَ لَمْ يَكُنْ إِجْمَاعَ الصَّحَابَةِ ، أَوْ كَانَ ، وَ لَمْ يَكُنْ إِجْمَاعَ جَمِيْعِ الصَّحَابَةِ ، أَوْ كَانَ إِجْمَاعَ جَمِيْعِ الصَّحَابَةِ ، وَ لَمْ يَكُنْ قَطْعِيًّا بِأَنْ لَمْ يَثْبُتْ بِطَرِيْقِ التَّوَاتُرِ، أَوْ كَانَ قَطْعِيًّا لٰكِنْ كَانَ إِجْمَاعًا سُكُوْتِيًّا، فَفِيْ كُلٍّ مِنْ هٰذِهِ الصُّوَرِ لَا يَكُوْنُ الْجُحُوْدُ كُفْرًا. (ردّ المحتار: ۲۸۴/۳، کتاب الجهاد ،باب المرتد، مطلب فی منکر الإجماع)

ترجمہ: (۱) جب آیت یا خبر متواتر قطعی الدلالۃ نہ ہو (۲) یا خبر متواتر نہ ہو (۳) یا قطعی ہو؛ لیکن اس میں شبہ ہو (۴) یا اجماع تمام لوگوں کا اجماع نہ ہو (۵) یا تمام لوگوں کا اجماع ہو؛ لیکن صحابۂ کرامؓ کا اجماع نہ ہو (۶) یا صحابۂ کرامؓ کا اجماع ہو؛ لیکن تمام صحابۂ کرامؓ کا

اجماع نہ ہو(۷) یا تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو؛ لیکن قطعی نہ ہو بایں طور کہ بہ طریق تواتر ثابت نہ ہو(۸) یا صحابہ کرامؓ کا اجماع قطعی ہو؛ لیکن اجماع سکوتی ہو —— ان تمام صورتوں میں انکار کرنا کفر نہیں ہوگا۔(شامی، باب المرتد)

اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَ أَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّ ارْزُقْنَا اِجْتِنَابَهٗ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْأُمِيِّ الْهَاشِمِيِّ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

تمّت بالخير
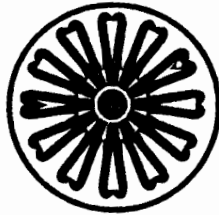
پانچواں محاضرہ

(عملی بدعات)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ يَحْكُمُ بِالْحَقِّ كَمَا يَرْضٰى وَ يَجْزِيْ كُلَّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى، وَ إِلَيْهِ الْمَآبُ وَالرُّجْعٰى، وَ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى بَدْرِ الدُّجٰى وَ شَمْسِ الضُّحٰى وَ عَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ كَانُوْا مَصَابِيْحَ الْهُدٰى .

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ خَيْرَالْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ ، وَ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَ شَرَّ الأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا ، وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ . كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

دوسرے محاضرے میں بدعت کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں: (۱) بدعتِ اعتقادی (۲) اور بدعتِ عملی، پھر تیسرے اور چوتھے محاضرے میں رضا خانیوں کی اعتقادی بدعات اور اعمال شرکیہ کو ذکر کیا گیا ہے، اب اس محاضرے میں رضا خانیوں کی ان عملی بدعات کا تذکرہ کیا جارہا ہے، جن کو انہوں نے سنت قرار دیا ہے؛ بلکہ اہل سنت کی خاص علامت اور شعار بنا دیا ہے۔

سیرت طیبہ سے استفادہ کے دو طریقے

آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ سے استفادہ کے دو طریقے ہیں:

ایک یہ کہ آپ ﷺ کی ایک ایک ادا اور ایک ایک سنت پر اس طرح عمل کیا

جائے کہ ہر امتی کی صورت وسیرت، چال ڈھال، رفتار وگفتار اور اخلاق وکردار آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا مرقّع بن جائیں، اور دیکھنے والے کو نظر آئے کہ یہ سرکارِ دو عالم، تاج دار مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا سچا پیروکار اور سنتِ نبوی کا واقعی عاشق ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بھی موقع ملے آنحضرت ﷺ کے ذکرِ خیر سے ہر مجلس ومحفل کو معمور ومعطر کیا جائے، آپ ﷺ کے فضائل وکمالات اور آپ ﷺ کی سنتوں اور اعمال واخلاق کا تذکرہ کیا جائے۔

سلف صالحین: صحابہ وتابعین اور ائمۂ ہدیٰ ان دونوں طریقوں پر عامل تھے، وہ آنحضرت ﷺ کی ایک ایک سنت کو اپنے عمل سے زندہ کرتے تھے، اور ہر محفل ومجلس میں آپ ﷺ کی سیرتِ طیّبہ کا تذکرہ کرتے تھے، یہی عاشقانِ رسول تھے، جن کے دم سے آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ صرف اوراقِ کتب کی زینت نہ رہی؛ بلکہ جیتی جاگتی زندگی بن گئی، اور اس کی بوئے عنبریں نے مشامِ عالم کو معطر کردیا، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظامؒ بہت سے ایسے ممالک میں پہنچے، جہاں کی زبان نہیں جانتے تھے؛ مگر ان کی شکل وصورت، اخلاق وکردار اور اعمال ومعاملات کو دیکھ کر علاقوں کے علاقے اسلام کے حلقہ بگوش اور جمالِ محمدی کے غلام بے دام بن گئے۔

مگر جوں جوں زمانۂ نبوت سے بعد ہوتا گیا، جذبۂ اطاعت کم ہوتا گیا، یہاں تک کہ وہ بس ایک وقتی جذبہ ہوکر رہ گیا، سیزن پر عبادت واطاعت کرلی، پھر چھٹی منالی —— اسی طرح سیرتِ طیبہ کا معاملہ بھی ہوگیا کہ زندگیوں میں اس کا نمود بھی کم ہوگیا، اور ہر مجلس ومحفل میں اس کا تذکرہ بھی ختم ہوگیا، بس ربیع الاول کا مہینہ آیا تو کچھ الٹا سیدھا مولود پڑھ لیا، پھر بھولے سے بھی تذکرہ نہیں کیا۔

(۱) محفل میلاد کی تاریخ

اب لوگ میلاد کے نام پر جو محفلیں سجاتے ہیں، اسلاف کے زمانہ میں ان کا کہیں

نام ونشان نہیں تھا، محفل میلاد کا آغاز سب سے پہلے ۶۰۴ھ میں سلطان ابوسعید مظفر الدین صاحبِ اربل نے کیا۔ اور ابوالخطاب عمر بن دحیہ نے اس کی تائید میں مواد فراہم کیا، اور اس کے صلہ میں سلطان ابوسعید نے ابوالخطاب کو خطیر رقم دی، اس بادشاہ کے بارے میں علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

كَانَ يُنْفِقُ كُلَّ سَنَةٍ عَلٰى مَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ ثَلَاثِ مِائَةِ أَلْفٍ. (دُول الاسلام:۲/۱۰۳)

ترجمہ: وہ ہر سال نبیٔ کریم ﷺ کی میلاد پر تقریباً تین لاکھ کی رقم خرچ کرتا تھا۔

اور ابوالخطاب عمر بن دحیہ کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

وَكَانَ ظَاهِرِيَ الْمَذْهَبِ كَثِيْرَ الْوَقِيْعَةِ فِي الْأَئِمَّةِ وَ فِي السَّلَفِ مِنَ الْعُلَمَاءِ خَبِيْثَ اللِّسَانِ أَحْمَقَ شَدِيْدَ الكِبْرِ قَلِيْلَ النَّظْرِ فِي أُمُوْرِ الدِّيْنِ مُتَهَاوِنًا. (لسان الميزان: ۴/۲۹۶)

ترجمہ: وہ ظاہری یعنی غیر مقلد تھا، ائمۂ دین اور سلفِ صالحین کی شان میں بہت زیادہ گستاخی کرنے والا، گندی زبان والا، بے وقوف، بڑا متکبر، دینی باتوں کی بہت کم سوجھ بوجھ رکھنے والا، اور ان میں سستی کرنے والا تھا۔

الغرض یہ ہیں وہ دو شخص جنہوں نے میلاد کی رسم ایجاد کی تھی اور اس میں تین باتوں کا خاص طور پر لحاظ رکھا تھا: (۱) ماہ ربیع الاول کی تاریخ کا تعین۔ (۲) علماء اور صلحاء کا اجتماع۔ (۳) اور اختتامِ محفل پر اطعامِ طعام کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی روحِ پُرفتوح کو ایصالِ ثواب ـــــ ان خود ساختہ قیودات کی بنا پر اس وقت کے علماء میں سے علامہ فاکہانی اور ان کے رفقاء نے اس میں شرکت کرنے سے عذر کیا، اور اسے بدعتِ ضلالہ قرار دیا، اور دوسرے علماء نے سلطان کی ہمنوائی کی، اور ان قیودات کو مباح سمجھ کر اس کے جواز و استحسان کا فتویٰ دیا۔

مگر آگے چل کر یہ محفل صرف علماء اور صلحاء کے اجتماع تک محدود نہ رہی؛ بلکہ عوام کے دائرے میں آکر ان کی نئی نئی اختراعات کا معجونِ مرکب بن گئی، اور اب اس زمانہ میں

عید میلاد النبی کی جو صورت رائج ہے، وہی ''میلادِ مروجہ'' کہلاتا ہے۔

میلادمروّجہ

میلادِ مروّجہ کا مطلب ہے حضور اکرم ﷺ کو حاضر وناظر جان کر آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے من گھڑت واقعات اور جھوٹے قصے بیان کرنا، اور جب آپ ﷺ کی ولادتِ مبارکہ کا تذکرہ آئے تو تمام حاضرینِ مجلس کا کھڑے ہو کر ولادت کے تذکرہ کو سننا، ولادت مبارکہ کا سوانگ بنانا، بے ریش اور خوش الحان لڑکوں کا غزل خوانی کرنا، عورتوں کا بن سنور کر شریکِ محفل ہونا، ضرورت سے زیادہ محفل کو سجانا، اختتام محفل پر شیرنی تقسیم کرنا، فخر موجودات سید الکونین تاجدار مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعریف وتوصیف میں حد سے زیادہ غلو کرنا، محفل میلاد میں شریک ہونے کو فرائض واجبات سے زیادہ اہم اور باعثِ برکت سمجھنا، اور شریک نہ ہونے والوں کو برا بھلا کہنا، نماز جیسی اہم عبادت کے فوت ہونے کی پروانہ کرنا، اور معاصی سے اجتناب نہ کرنا، اور یہ سمجھنا کہ آنحضرت ﷺ محفلِ میلاد میں بہ نفسِ نفیس تشریف لاتے ہیں، اور کچھ عرصے سے تو عید میلاد النبی کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے، اور جگہ جگہ بڑے بڑے چوکوں میں سوانگ بنا کر رکھے جاتے ہیں، لوگ اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں، اور بیت اللہ کی خود ساختہ شبیہ کا طواف بھی کرتے ہیں۔

میلادِ مروجہ کا حکم

میلاد مروجہ تمام علمائے اہل سنت والجماعت کے نزدیک حرام اور بدعت ہے، علامہ ابن الحاج مالکیؒ اپنی مایہ ناز کتاب ''مدخل'' میں ارقام فرماتے ہیں:

وَ مِنْ جُمْلَةِ مَا أَحْدَثُوْهُ مِنَ الْبِدَعِ ــــ مَعَ اعْتِقَادِهِمْ أَنَّ ذٰلِكَ مِنْ أَكْبَرِ الْعِبَادَاتِ وَإِظْهَارِ الشَّعَائِرِ ــــ مَا يَفْعَلُوْنَهُ فِيْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ مِنَ الْمَوْلِدِ وَقَدِ احْتَوٰى عَلٰى بِدَعٍ وَمُحَرَّمَاتٍ جَمَّةٍ. (مدخل:۲/۲)

ترجمہ: من جملہ ان بدعتوں کے جن کو لوگوں نے ایجاد کیا ہے ـــــ یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ وہ سب عبادتوں سے بڑی عبادت اور شعائر اسلام کا اظہار ہے ـــــ وہ جشنِ میلاد ہے جس کو لوگ ربیع الاول کے مہینہ میں مناتے ہیں؛ حالانکہ وہ جشنِ میلاد بہت سی بدعتوں اور حرام باتوں پر مشتمل ہے۔

اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی اپنے فتاویٰ تُحفَةُ القُضاة میں لکھتے ہیں:

سُئِلَ الْقَاضِيْ عَنْ مَجْلِسِ الْمَوْلِدِ الشَّرِيْفِ، قال: لَا يَنْعَقِدُ ، لِأَنَّهُ مُحْدَثٌ وَ كُلُّ مُحْدَثٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلُّ ضَلَالَةٍ فِيْ النَّارِ، وَ مَا يَفْعَلُوْنَ مِنَ الْجُهَّالِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ فِيْ شَهْرِ رَبِيْعِ الْأَوَّلِ لَيْسَ بِشَيْءٍ ، وَ يَقُوْمُوْنَ عِنْدَ ذِكْرِ مَوْلِدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ يَزْعُمُوْنَ أَنَّ رُوْحَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِيْءُ وَحَاضِرٌ فَزَعْمُهُمْ بَاطِلٌ، بَلْ هٰذَا الْاِعْتِقَادُ شِرْكٌ وَ قَدْ مَنَعَ الأَئِمَّةُ الأَرْبَعَةُ عَنْ مِثْلِ هٰذَا.

(بحوالہ الجُنّۃ لاہل السنۃ، ص:۲۰۲)

ترجمہ: قاضی سے محفلِ میلاد کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ محفل میلاد کا انعقاد صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے، اور مسلمان ہر سال ربیع الاول کے مہینہ میں جو (محفل میلاد منعقد) کرتے ہیں، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور آپ ﷺ کی ولادتِ مبارکہ کے تذکرہ کے وقت لوگ کھڑے ہوتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی مبارک روح آتی ہے اور حاضر ہے، ان کا یہ سمجھنا باطل ہے؛ بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے اور چاروں اماموں نے ایسا عقیدہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

ایصالِ ثواب کے لیے ربیع الاول کی تعیین بدعت ہے

یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ کھانا پکا کر فقراء و مساکین کو کھلانا، اور اس کا ثواب آنحضرت ﷺ کو پہنچانا جائز ہے؛ مگر حضور اکرم ﷺ کی روح پر فتوح کو ثواب

پہنچانے کے لیے ربیع الاول کی تعین کرنا بدعت ہے، فتاوی عزیزی میں ہے:

سوال: پختنِ طعام درایامِ ربیع الاول برائے خدا، ورسانیدنِ ثواب آں بروح پرفتوح حضرت سرور کائنات ﷺ یا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ درایام محرم ودیگر آلِ اَطہار سید مختار صحیح است یا نہ؟

جواب: انسان در کارِ خود مختار است، میرسد کہ ثوابِ خود برائے بزرگاں باایمان گرداند؛ لیکن برائے ایں کار وقت وروز تعین نمودن وماہے مقرر کردن بدعت است۔

(فتاوٰی عزیزی، ص:۹۷)

ترجمہ سوال: ربیع الاول کے مہینہ میں خدا کے واسطے کھانا پکانا اور اس کا ثواب حضرت سرورِ کائنات ﷺ کی روح پرفتوح کو پہنچانا، یا محرم کے مہینہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور سید مختار کی دیگر آلِ اطہار (کی روحوں کو ثواب پہنچانا) درست ہے یا نہیں؟

جواب: انسان اپنے کام میں مختار ہے، اس کو حق ہے کہ اپنا ثواب با ایمان بزرگوں کو بخش دے؛ لیکن اس کام کے لیے وقت اور دن کی تعیین کرنا اور کوئی مہینہ مقرر کرنا بدعت ہے۔

قیامِ میلادی کا حکم

اسی طرح ولادتِ مبارکہ کے تذکرے کے وقت تمام حاضرین مجلس کا کھڑا ہونا بھی بدعت ہے، خادمِ رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوْا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ لِذٰلِكَ ، رَوَاهُ التِّرْمِذِي. (مشکاۃ شریف، ص:۴۰۳، باب القیام)

ترجمہ: صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک آنحضرت ﷺ سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا، اس کے باوجود صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ ﷺ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے؛ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ کو کھڑے ہونے

سے ناگواری ہوتی ہے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور اکرم ﷺ کو دیکھ کر بھی کھڑے نہیں ہوتے تھے تو ہمارے لیے محض اس خیالِ باطل کی بنیاد پر کہ آنحضرت ﷺ محفلِ میلاد میں تشریف لاتے ہیں کھڑا ہونا کیوں کر روا ہوسکتا ہے؟ سیرتِ شامی میں ہے:

جَرَتْ عَادَةُ كَثِيرٍ مِنَ الْمُحِبِّيْنَ إِذَا سَمِعُوْا ذِكْرَ وَضْعِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَقُوْمُوْا تَعْظِيْمًا لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا الْقِيَامُ بِدْعَةٌ لَا أَصْلَ لَهَا. (بحوالہ الجنہ لاہل السنۃ، ص:۲۰۳)

ترجمہ: بہت سے محبین کی عادت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ذکرِ ولادت سن کر آپ ﷺ کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہوجاتے ہیں؛ حالانکہ یہ قیام بدعت ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(۲) مروّجہ عرس بھی بدعت ہے

میلادِ مروجہ کی طرح بزرگانِ دین کے مزاروں پر ہر سال ایک معین تاریخ میں یا وفات کے دن جو عرس ہوتا ہے وہ بھی بدعت ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا : میری قبر کو جشن نہ بناؤ۔ (مشکاۃ، ص:۸۶)

علامہ محمد طاہر پٹنی ؒ اس حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے اِرقام فرماتے ہیں:

لَا تَجْتَمِعُوْا لِزِيَارَتِهٖ اجْتِمَاعَكُمْ لِلْعِيْدِ فَإِنَّهٗ يَوْمُ لَهْوٍ وَسُرُوْرٍ وَحَالُ الزِّيَارَةِ بِخِلَافِهٖ، وَكَانَ دَأْبُ أَهْلِ الْكِتَابِ فَأَوْرَثَهُمُ الْقَسْوَةَ.

(مجمع بحار الانوار: ۳/۱۳ا۷)

ترجمہ: روضۂ اطہر کی زیارت کے لیے عید کی طرح جمع مت ہوؤ کیوں کہ عید تو کھیل اور خوشی کا دن ہے، اور زیارتِ قبر کا حال اس کے برخلاف ہے، اور عید کی طرح قبروں پر جمع ہونا اہلِ کتاب کا شیوہ تھا، جس کی وجہ سے ان کے دل سخت ہوگئے (اور رقتِ قلب جو زیارتِ قبور کا مقصد تھا وہ فوت ہوگیا)

اور مجالس الابرار میں ہے:

وَ نَهٰى عَنِ اتِّخَاذِهَا عِيْدًا، وَ هُمْ يُخَالِفُوْنَهٗ وَ يَتَّخِذُوْنَهَا عِيْدًا وَ يَجْتَمِعُوْنَ لَهَا كَمَا يَجْتَمِعُوْنَ لِلْعِيْدِ أَوْ أَكْثَرَ. (مجالس الابرار،۱۷/۱۱۸)

ترجمہ: شریعت نے قبروں کو عید بنانے سے منع فرمایا ہے اور حال یہ ہے کہ لوگ شریعت کی مخالفت کرتے ہیں اور قبروں کو عید بناتے ہیں، اور مزاروں پر لوگ اس طرح جمع ہوتے ہیں، جس طرح عید کے لیے اکٹھا ہوتے ہیں؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیرِ مظہری میں اِرقام فرماتے ہیں:

لَا يَجُوْزُ مَا يَفْعَلُهُ الْجُهَّالُ بِقُبُوْرِ الْأَوْلِيَاءِ وَ الشُّهَدَاءِ مِنَ السُّجُوْدِ وَ الطَّوَافِ حَوْلَهَا، وَ اتِّخَاذِ السُّرُجِ وَ الْمَسَاجِدِ عَلَيْهَا، وَ مِنَ الْاجْتِمَاعِ بَعْدَ الْحَوْلِ كَالْأَعْيَادِ وَ يُسَمُّوْنَهٗ عُرْسًا. (تفسیر مظہری:۲/۶۵)

ترجمہ: جاہل لوگ اولیاء اور شہداء کی قبروں کے ساتھ جو معاملات کرتے ہیں، وہ سب ناجائز ہیں، یعنی قبروں کو سجدہ کرنا، اس کے گرد گھومنا، ان پر چراغ رکھنا اور ان کو سجدہ گاہ بنانا، اور میلوں کی طرح ایک سال کے بعد جمع ہونا جس کو لوگ عرس کہتے ہیں۔

اور فتاویٰ عزیزی میں ہے:

سوال: برائے زیارتِ قبور روز معین نمودن یا روزِ عرس ایشاں کہ معین است رفتن درست است یا نہ؟

جواب: برائے زیارتِ قبور روزِ معین نمودن بدعت است، واصل زیارت جائز، وتعینِ وقت در سلف نبود، وایں بدعت از اں قبیل است کہ اصلش جائز است، وخصوصیتِ وقت بدعت، مانندِ مصافحہ بعد العصر کہ در ملکِ توران وغیرہ رائج است۔

(فتاویٰ عزیزی:۱/۹۳)

ترجمہ سوال: قبروں کی زیارت کے لیے دن معین کرنا، یا ان کے عرس کے دن جو معین ہے زیارت کے لیے جانا درست ہے یا نہیں؟

جواب: قبروں کی زیارت کے لیے دن معین کرنا بدعت ہے، اصل زیارت جائز ہے

اور وقت کا تعین سلف صالحین میں نہیں تھا، اور یہ بدعت ایسی ہے کہ اس کی اصل جائز ہے؛ مگر وقت کی تخصیص بدعت ہے، اس کی مثال عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا ہے، جس کا ملکِ توران وغیرہ میں رواج ہے۔

﴿۳﴾ پختہ مزارات بنانا اور ان پر گنبد تعمیر کرنا

مزاروں کو پختہ بنانا اور ان پر گنبد وغیرہ تعمیر کرنا ناجائز اور بدعت ہے، حضور اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ ، وَ اَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ ، وَ اَنْ يَقْعُدَ عَلَيْهِ . رَوَاهُ مُسْلِمٌ . (مشکاۃ، ص:۱۴۸)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر تعمیر کرنے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

اور ترمذی شریف کی روایت میں ہے:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَن تُجَصَّصَ الْقُبُوْرُ ، وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهَا ، وَأَنْ يُبْنٰى عَلَيْهَا ، وَأَنْ تُوْطَأَ. (ترمذی شریف:۱/۱۲۵)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے، ان پر لکھنے (یعنی کتبہ لگانے) ان پر تعمیر کرنے اور ان کو روندنے سے منع فرمایا ہے۔

شیخ ابراہیم حلبی حنفی شرح منیۃ المصلّی میں ارقام فرماتے ہیں:

عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ: اَنَّهُ يُكْرَهُ أَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ بِنَاءٌ مِّنْ بَيْتٍ أَوْ قُبَّةٍ اَوْنَحْوِ ذٰلِكَ لِمَا مَرَّ مِنَ الْحَدِيْثِ آنِفًا ، وَكَذَا يُكْرَهُ وَطْئُهُ ، وَالْجُلُوْسُ عَلَيْهِ كَذٰلِكَ وَكَرِهَ أَبُوْيُوْسُفَ الْكِتَابَةَ اَيْضًا. (کبیری، ص:۵۵۵)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ قبر پر مکان یا گنبد یا اس کے مانند کوئی عمارت بنانا مکروہ ہے، اس حدیث کی وجہ سے جو ابھی گذری، اسی طرح قبر کو روندنا بھی مکروہ ہے اور اس پر بیٹھنے کا بھی یہی حکم ہے، اور امام ابو یوسفؒ نے کتابت (یعنی کتبہ لگانے) کو بھی

مکروہ قرار دیا ہے۔

اور حضرت ملا علی قاری حنفیؒ حدیث: مَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةً کی شرح میں اِرقام فرماتے ہیں:

وَهِيَ مَا أَنْكَرَهُ أَئِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْبِنَاءِ عَلَى الْقُبُوْرِ وَتَجْصِيْصِهَا.

(مرقاۃ المفاتیح: ۱/ ۲۴۶)

ترجمہ: بدعت ضلالہ وہ ہے جس پر ائمہ مسلمین نے نکیر فرمائی ہے، جیسے قبروں پر عمارت بنانا اور ان کو پختہ کرنا۔

{۴} قبروں پر چراغاں کرنا

قبروں پر چراغ، قندیل اور موم بتیاں وغیرہ روشن کرنا بھی بدعت ہے، حضور اکرم ﷺ نے اس خلافِ شرع حرکت سے نہ صرف روکا ہے؛ بلکہ قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت بھی فرمائی ہے، حضرت عبداللہ عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَ الْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ، رواه أبو داؤد والترمذيّ والنسائيّ.

(مشکاۃ، ص: ۷۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں پر اور ان پر چراغ روشن کرنے والوں پر۔

حضرت ملا علی قاری حنفیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَ النَّهْيُ عَنْ اتِّخَاذِ السُّرُجِ لِمَا فِيْهِ مِنْ تَضْيِيْعِ الْمَالِ؛ لِأَنَّهُ لَا نَفْعَ لِأَحَدٍ مِّنَ السِّرَاجِ، وَلِأَنَّهَا عَنْ آثَارِ جَهَنَّمَ وَأَمَّا لِلْاِحْتِرَازِ عَن تَعْظِيْمِ الْقُبُوْرِ كَالنَّهْيِ عَنِ اتِّخَاذِ الْقُبُوْرِ مَسَاجِدَ. (مرقاۃ: ۲/ ۲۱۹)

ترجمہ: چراغ رکھنے سے اس لیے روکا گیا ہے کہ اس میں مال ضائع کرنا ہے؛ کیوں کہ چراغ سے کسی کو فائدہ نہیں، اور روکنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ چراغ آثار جہنم میں

سے ہے، نیز قبروں کی بے جا تعظیم سے بچانے کے لیے بھی روکا گیا ہے، جیسے قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے روکا ہے۔

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ ارشاد الطالبین میں ارقام فرماتے ہیں:

''قبور اولیاء بلند کردن، وگنبد براں ساختن وعرس وامثال چراغاں کردن ہمہ بدعت است، بعض ازاں حرام است وبعض ازاں مکروہ، پیغمبر بر شمع افروزاں نزد قبر وسجدہ کنندگاں رالعنت گفتہ''۔ (ارشاد الطالبین، ص:۲۲)

ترجمہ: اولیاء کی قبروں کو بلند کرنا، ان پر گنبد بنانا، عرس اور ان کے مانند چراغاں کرنا؛ سب بدعت ہے، ان میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مکروہ، پیغمبر خدا ﷺ نے قبر کے قریب شمع روشن کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

﴿۵﴾ مزاروں پر پھول ڈالنا اور چادریں چڑھانا

قبروں پر پھول ڈالنا اور چادریں چڑھانا خلافِ سنت اور بدعت ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ فرماتے ہیں:

چادر پوشانیدن بر قبر حرکتِ لغواست نباید کرد۔ (فتاویٰ عزیزی:۱/۹۴)

ترجمہ: قبر پر چادر ڈالنا لغو حرکت ہے، ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے۔

اور شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی اِرقام فرماتے ہیں:

واما ارتکابِ محرمات از روشن کردن چراغہا وملبوس ساختن قبور وسرودہا، و نواختن معازف بدعات شنیعہ اند، وحضورِ چنیں مجالس ممنوع۔

(فتاوی شاہ رفیع الدین، ص:۱۴، مجتبائی)

ترجمہ: اور حرام چیزوں کا ارتکاب، مثلاً چراغ روشن کرنا قبروں کو لباس پہنانا، گیت (قوالیاں) اور باجے بجانا سب بدعاتِ شنیعہ ہیں اور ایسی مجلسوں میں جانا ممنوع ہے۔

اور علامہ بدر الدین عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

وَكَذٰلِكَ مَا يَفْعَلُهُ أَكْثَرُ النَّاسِ مِنْ وَضْعِ مَا فِيهِ رُطُوبَةٌ مِنَ الرَّيَّاحِينِ وَ

الْبُقُوْلِ وَنَحْوِهِمَا عَلَى الْقُبُوْرِ لَيْسَ بِشَيْءٍ وَإِنَّمَا السُّنَّةُ الْغَرْزُ.

(عمدۃ القاری:۱/۸۷۹)

ترجمہ: اسی طرح بہت سے لوگ جو تر چیزیں یعنی پھول اور سبزہ وغیرہ قبروں پر رکھتے ہیں، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، سنت صرف شاخ گاڑنا ہے۔

علامہ عینی نے شاخ گاڑنے کو جو سنت کہا ہے، وہ ابن عباسؓ کی اس حدیث کی وجہ سے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ایسی دو قبروں پر سے گذر ہوا، جن میں عذاب ہو رہا تھا، تو آپ ﷺ نے ایک شاخِ خرما کو چیر کر دو حصے کیے، اور ہر ایک کو ایک قبر پر گاڑ دیا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایسا کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہوں گی، امید ہے کہ ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی کہ "جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہوں گی امید ہے کہ ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی" شارحینِ حدیث نے مختلف وجوہات بیان کی ہیں، بعض حضرات کے نزدیک اس تحدید و توقیت کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تخفیفِ عذاب کی دعا فرمائی تھی، آپ ﷺ کی شفاعت شاخوں کے خشک ہونے تک قبول کر لی گئی؛ اس لیے آپ ﷺ نے شاخوں کو گاڑا تھا — اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاخ جب تک تر ہوتی ہے، اللہ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس بیان کرتی ہے، ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ﴾ اس لیے آپ ﷺ نے شاخ گاڑی تھی؛ تاکہ ان کی تسبیح سے عذاب میں تخفیف رہے، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مشکاۃ کی عربی شرح لمعات التنقیح میں مشہور حنفی فقیہ و محدث امام فضل اللہ تورپشتی کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں:

وَ قَالَ التُّوْرَفُشْتِيُّ :وَجْهُ هٰذَا التَّحْدِيْدِ أَنْ يُقَالَ: إِنَّهُ سَأَلَ التَّخْفِيْفَ عَنْهُمَا مُدَّةَ بَقَاءِ النَّدَاوَةِ فِيْهِمَا، وَقَوْلُ مَنْ قَالَ وَجْهُ ذٰلِكَ أَنَّ الْغُصْنَ الرَّطْبَ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَادَامَ فِيْهِ النَّدَاوَةُ ، فَيَكُوْنُ مُجِيْرًا عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

قَوْلٌ لَا طَائِلَ تَحْتَهُ وَ لَا عِبْرَةَ بِهٖ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ. (لمعات التنقیح: ۲/۴۴)

ترجمہ: امام تورپشتیؒ نے فرمایا کہ اس تحدید کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان شاخوں کے تر رہنے تک ان قبروں سے تخفیفِ عذاب کی شفاعت کی تھی —— رہا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاخ جب تک تر ہوتی ہے، اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے، پس وہ عذاب قبر سے بچانے والی ہوگی، بالکل بے مقصد اور بے فائدہ بات ہے، اور اہل علم کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

الحاصل شارحینِ حدیث کے نزدیک پہلی توجیہ ہی صحیح ہے، اور مسلم شریف کے آخر میں احادیث متفرقہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے، اس میں خود حضور اکرم ﷺ نے شاخیں گاڑنے کی وجہ یہی بیان فرمائی ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"حضور ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے درخت کی شاخ منگوائی، وہ پتھر سے کاٹ کر لے آئے اور دریافت کیا کہ عَمَّ ذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! یہ شاخ کیوں منگوائی گئی ہے؟ قالَ: إِنِّيْ مَرَرْتُ بِقَبْرَيْنِ يُعَذَّبَانِ، فَأَحْبَبْتُ بِشَفَاعَتِيْ أَنْ يُرَفَّهَ عَنْهُمَا مَا دَامَ الْغُصْنَانِ رَطْبَيْنِ (۱۴/۸) آپ ﷺ نے جواب دیا کہ میں دو ایسی قبروں کے پاس سے گذرا جن کو عذاب ہو رہا تھا، پس میں نے سفارش کی وجہ سے پسند کیا کہ ان دونوں سے نرمی کی جائے، جب تک وہ دونوں شاخیں تر رہیں۔

اس حدیث کی روشنی میں پہلی توجیہ متعین ہے، دوسری توجیہ کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں ہے، مگر تھوڑی دیر کے لیے دوسری توجیہ کو صحیح مان لیا جائے، تب بھی اس حدیث سے پھولوں کے ڈالنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا، صرف شاخوں کے گاڑنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، یہی بدر الدین عینیؒ کے قول کا مطلب ہے۔

لیکن آج جو مزاروں پر پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں، وہ اس حدیث پر عمل کرنے کے لیے نہیں؛ بلکہ قبروں کی تعظیم اور اہلِ قبور کے تقرب کے لیے چڑھائی جاتی ہیں، اور آنحضرت ﷺ نے قبروں کی تعظیم اور اہلِ قبور سے تقرب حاصل کرنے کے لیے پھول چڑھانے کی ہرگز اجازت نہیں دی ہے، نہ اس حدیث میں دور دور تک ایسی

اجازت کا کوئی سراغ ملتا ہے، تعظیم کی خاطر اولیاء اللہ کے مزارات یا قومی لیڈروں کی قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانے کی جو رسم ہمارے زمانہ میں رائج ہے، متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا؛ اس لیے اس کے بدعتِ سیئہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں، یہ یہود و نصاریٰ اور ہنود کی رسم ہے جو مسلمانوں میں در آئی ہے۔

(۶) گیارھویں کا کھانا

ہر قمری مہینہ کی گیارھویں رات کو عموماً اور ماہ ربیع الثانی کی گیارھویں رات کو خصوصاً محبوبِ سبحانی، شیخ المشائخ حضرت شاہ عبد القادر جیلانی ؒ کے نام پر جو کھانا تیار کیا جاتا ہے، "وہ گیارھویں شریف" کے نام سے مشہور ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں خاص طور پر ذہن میں رہنی چاہئیں۔

اوّل یہ کہ حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی ؒ کا وصال ۵۶۱ھ میں ہوا ہے، ظاہر ہے کہ گیارھویں شریف کی رسم محبوب سبحانی کے وصال کے بعد ہی سے شروع ہوئی ہوگی، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعینِ عظام اور ائمہ ہدیٰ خصوصاً امام ابوحنیفہؒ اور خود پیرانِ پیر اپنی گیارھویں نہیں دیتے تھے، پس جس عمل سے اسلام کی کم از کم چھ صدیاں خالی ہوں، اسے دینِ اسلام کا جزو تصور کرنا، اور اسے ایک اہم ترین عبادت کا درجہ دینا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟

دوم یہ کہ اگر گیارھویں دینے کا مقصد شیخ عبد القادر جیلانی کی روح پُر فتوح کو ثواب پہنچانا ہے، تو بلاشبہ یہ مقصد بہت مبارک ہے؛ لیکن جس طرح گیارھویں شریف دینے کا رواج ہے، اس میں چند خرابیاں ہیں:

پہلی خرابی ہے یہ کہ شریعت نے ایصالِ ثواب کے لیے کوئی وقت اور دن مقرر نہیں فرمایا، اور یہ لوگ گیارھویں رات کی پابندی کو کچھ ایسا ضروری سمجھتے ہیں کہ گویا یہی خدائی شریعت ہے، ان کے اس طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایصالِ ثواب مقصود نہیں؛ بلکہ ان کے نزدیک یہ ایک ایسی عبادت ہے جو صرف اسی تاریخ کو ادا کی جا سکتی ہے۔

الغرض ایصالِ ثواب کے لیے گیارھویں تاریخ کا التزام کرنا ایک فضول حرکت ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں اور اس کو ضروری سمجھ لینا خدا اور رسول اللہ کے مقابلہ میں گویا اپنی شریعت بنانا ہے۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ گیارھویں میں اس بات کا خصوصیت سے اہتمام کیا جاتا ہے کہ کھیر ہی پکائی جائے؛ حالانکہ اگر ایصال ثواب مقصود ہوتا تو اتنی رقم صدقہ بھی کی جاسکتی تھی اور اتنی مالیت کا غلہ یا کپڑا کسی مسکین کو چپکے سے اس طرح دیا جاسکتا تھا کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوتی کہ داہنے ہاتھ نے کیا دیا، اور یہ عمل نام ونمود اور ریاء سے پاک ہونے کی وجہ سے مقبول بارگاہ خداوندی بھی ہوتا، کھیر پکانے اور کھانا تیار کرنے ہی کو ایصالِ ثواب کے لیے ضروری سمجھنا، اور یہ خیال کرنا کہ اس کے بغیر ایصالِ ثواب نہیں ہوتا، یہ بھی مستقل شریعت سازی ہے۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ ثواب تو صرف اتنے کھانے کا ملے گا جو فقراء ومساکین کو کھلایا جائے؛ مگر گیارھویں شریف کا کھانا پکا کر لوگ زیادہ تر خود ہی کھالیتے ہیں، یا اپنے احباب و عزیز کو کھلا دیتے ہیں، فقراء ومساکین کا حصہ اس میں بہت ہی کم ہوتا ہے، اس کے باوجود یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ جتنا کھانا پکایا گیا اتنے کا ثواب حضرت پیرانِ پیر کو پہنچ جاتا ہے، یہ اصولِ شریعت کے خلاف ہے۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ بہت سے لوگ گیارھویں کے کھانے کو تبرک سمجھتے ہیں؛ حالانکہ ابھی معلوم ہوا کہ جو کھانا خود کھالیا گیا، وہ صدقہ ہی نہیں، اور نہ حضرت پیرانِ پیر کے ایصال ثواب سے اس کو کچھ تعلق ہے، پھر اس میں برکت کہاں سے آئی؟! —— اور کھانے کا جو حصہ صدقہ کردیا گیا، اس کا ثواب امید ہے کہ پہنچے گا؛ مگر اس کا کھانا فقراء اور مساکین کے لیے جائز ہے، مال داروں کے لیے جائز نہیں ہے۔

پانچویں خرابی یہ ہے کہ بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ گیارھویں شریف نہ دینے سے ان کے جان ومال میں نقصان ہوجاتا ہے، یا مال میں بے برکتی ہوجاتی ہے گویا نماز، روزہ، حج اور زکاۃ جیسے قطعی فرائض میں کوتاہی کرنے سے کچھ نہیں بگڑتا؛ مگر گیارھویں

شریف میں ذرا کوتاہی ہوجائے تو جان و مال کے لالے پڑجاتے ہیں۔

غور کیجیے کہ ایک ایسی چیز جس کا شریعت میں اور فقہ حنفی میں کوئی ثبوت نہ ہو جب اس کا التزام فرائضِ شرعیہ سے بھی بڑھ جائے، اور اس کے ساتھ ایسا اعتقاد جم جائے کہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض کے ساتھ بھی ایسا اعتقاد نہ ہو تو اس کے مستقل شریعت ہونے میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے؟

الحاصل حضرت پیران پیر یا دوسرے بزرگوں کو ایصال ثواب کرنا سعادت مندی ہے؛ مگر گیارھویں شریف کے نام سے جو کچھ کیا جاتا ہے وہ مذکورہ بالا خرابیوں کی وجہ سے ناجائز اور بدعت ہے۔

﴿۷﴾ گیارھویں کا جشن

اسی طرح جاہل مسلمان ہر سال ماہ ربیع الثانی کی گیارہ تاریخ کو محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی گیارھویں کے نام سے جو یومِ وفات مناتے ہیں، اور اپنے گھروں اور مسجدوں میں روشنی کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں، وہ بھی بلاشبہ بدعت اور گمراہی ہے، وفات کے دن خوشیاں منانا محبت کی علامت نہیں، عداوت کی نشانی ہے۔

﴿۸﴾ کھانے پر فاتحہ

بعض لوگ ایصال ثواب کے لیے جو کھانا دیتے ہیں، اس پر مولوی صاحب سے کچھ پڑھواتے ہیں، اس کو بعض لوگ ''فاتحہ شریف'' اور بعض لوگ ''ختم شریف'' کہتے ہیں، بادی النظر میں یہ عمل اچھا معلوم ہوتا؛ مگر اس میں بھی چند قباحتیں ہیں:

اوّل: آنحضرت ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعینِ عظامؒ اور سلفِ صالحین میں ایصالِ ثواب کا یہ طریقہ رائج نہیں تھا؛ اس لیے بلاشبہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔

دوم: جاہلوں کا خیال ہے کہ جب تک اس طرح ختم نہ پڑھا جائے میت کو ثواب

نہیں پہنچتا؛ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے ایصالِ ثواب کا یہ طریقہ نہیں بتایا، نہ سلفِ صالحین نے اس پر عمل کیا؛ اس لیے اس کے بدعت ہونے میں کوئی شک نہیں۔

سوم: کہا جاتا ہے کہ اگر کھانے پر سورتیں پڑھ لی جائیں تو کیا حرج ہے؟ حالانکہ اس سے بڑھ کر حرج کیا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کے طریقہ، آپ ﷺ کی سنت اور شریعت کے خلاف ہے، علاوہ ازیں ہمارے اکابر اہلِ سنت نے کھانے پر قرآن کریم پڑھنے کو بے ادبی کہا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے فتاویٰ میں ہے:

سوال: کسے کلام اللہ یا آیت کلام مجید را بر طعام خواند چہ حکم است؟ شخصے می گوید کہ کلام اللہ بر طعام خواندن آنچناں است کہ کسے در جائے ضرورت بخواند، نعوذ باللہ منہا۔

جواب: بایں طور گفتن روا نیست؛ بلکہ سوئے ادبی است، اگر ایں چنیں گفت کہ در ہمچوں ایں جا خواندن سوئے ادبی است مضائقہ ندارد (فتاویٰ عزیزی: ۱/۹۵)

ترجمہ: سوال: کوئی شخص کلام اللہ، یا قرآن مجید کی آیت کھانے پر پڑھے تو کیا حکم ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ کلام اللہ کھانے پر پڑھنا ایسا ہے، جیسے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ پڑھے، نعوذ باللہ!

جواب: ایسا کہنا درست نہیں؛ بلکہ سوئے ادبی ہے، ہاں! اگر یوں کہتا کہ ایسی جگہ قرآن مجید پڑھنا سوئے ادبی ہے تو مضائقہ نہ ہوتا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے اس جواب سے معلوم ہوا کہ کھانے پر قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت پڑھنا سوئے ادبی ہے؛ اس لیے اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور فتاویٰ سمرقندیہ میں ہے:

قِرَاءَةُ الفَاتِحَةِ وَالإِخْلَاصِ وَ الْكَافِرُوْنَ عَلَى الطَّعَامِ بِدْعَةٌ.

ترجمہ: سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص اور سورۂ کافرون کھانے پر پڑھنا بدعت ہے۔

(بحوالہ الجُنّۃ لاہلِ السنۃ، ص: ۱۷۸)

چہارم: مولوی صاحب کو بلا کر کھانے پر جو ختم پڑھایا جاتا ہے، اس میں ایک قباحت یہ ہے کہ مولوی صاحب اپنے ختم کے بدلے میں کھانا لے جاتے ہیں، اگر مولوی صاحب

ختم نہ پڑھیں تو وہ کھانے سے محروم رہیں، اور اگر گھر والے کھانا نہ دیں تو مولوی صاحب ختم پڑھنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، گویا مولوی صاحب کے ختم اور گھر والوں کے کھانے کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے، اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کا معاوضہ بن جاتی ہیں؛ حالانکہ قرآن مجید معاوضہ لے کر پڑھا جائے تو ثواب نہیں ملتا، اسی طرح جو کھانا معاوضہ کے طور پر کھلایا جائے، وہ بھی ثواب سے خیالی ہوتا ہے، ختم پڑھایا تو اس لیے گیا تھا کہ دوہرا ثواب ملے گا؛ مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اِکہرا ثواب بھی جاتا رہا؛ بلکہ "نیکی برباد، گناہ لازم" والا معاملہ ہوگیا۔

پنجم: بعض جگہ اس رسم کی پابندی اس قدر کی جاتی ہے کہ جب تک کھانے پر ختم شریف نہ پڑھا جائے کسی کو کھانے کی اجازت نہیں ہوتی، کبھی مولوی صاحب کے آنے میں کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو بچوں تک کو کھانے سے محروم رکھا جاتا ہے، خواہ وہ کتنے ہی بلبلاتے رہیں، ان قباحتوں کی بنا پر کھانے پر فاتحہ خوانی، یا قرآن خوانی کی رسم ناجائز اور بدعت ہے، تاہم ختم پڑھنے سے کھانا حرام نہیں ہوتا، اس کو کھا سکتے ہیں۔

(۹) تیجا، ساتواں اور چالیسواں کرنا

بزرگانِ دین، عزیز واقارب اور احباب جو وفات پا چکے ہیں، یا حیات ہیں ان کے لیے دعا واستغفار کرنا اور صدقہ خیرات دینا، اور بلا اُجرت قرآن شریف اور کلمۂ طیبہ وغیرہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا، اسی طرح نفل نماز، روزہ، حج، اور قربانی وغیرہ عبادتوں کا ثواب کسی مسلمان کو بخشنا نہ صرف جائز ہے؛ بلکہ مستحسن اور مندوب ہے؛ لیکن ایصال ثواب کے لیے شریعت نے دنوں اور تاریخوں کی کوئی تعیین وتخصیص نہیں کی ہے؛ اس لیے اپنی طرف سے ایصالِ ثواب کے لیے کوئی دن مقرر کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا ناجائز اور بدعت ہے۔

اسی طرح اپنے کسی عزیز وقریب کی وفات کے دن یا تیسرے دن، ساتویں دن، دسویں دن اور چالیسویں دن اہلِ میت کی طرف سے جو کھانا کھلایا جاتا ہے اور دعوت کی

جاتی ہے، وہ بھی بدعتِ قبیحہ ہے، فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

وَ يُكْرَهُ اتِّخَاذُ الطَّعَامِ فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ وَالثَّالِثِ وَ بَعْدَ الْأُسْبُوْعِ .

(بحوالہ شامی: ۱/۶۰۳)

ترجمہ: اہلِ میت کا پہلے دن، تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد کھانا تیار کرنا، مکروہ ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ "وصیت نامہ" میں اپنے عزیز واقارب کو وصیت فرماتے ہیں:

"وبعد مردنِ من رسوم دنیوی مثل دہم، وبستم، وچہلم وششماہی وبرسی ہیچ نہ کنند"

(مالا بدمنہ، ص: ۱۴۵)

ترجمہ: میری وفات کے بعد دنیوی رسوم، مثلاً: دسواں، بیسواں چالیسواں، ششماہی اور برسی کچھ نہ کریں۔

اور رضاخانی عالم مولوی امجد علی "بہارِ شریعت" میں لکھتے ہیں:

"میت کے گھر والے تیجا وغیرہ کے دن دعوت کریں تو ناجائز اور بدعتِ قبیح ہے کہ دعوت تو خوشی کے وقت مشروع ہے، نہ کہ غمی کے وقت"۔

(بہارِ شریعت، ص: ۱۵۹، حصہ چہارم)

(۱۰) نمازِ جنازہ کے بعد دعا

نمازِ جنازہ کے بعد تدفین سے پہلے اجتماعی طور پر دعا کرنا اور اس کو سنت سمجھنا بدعت ہے، علامہ سراج الدین حنفی ؒ فرماتے ہیں:

إِذَا فَرَغَ مِنَ الصَّلَاةِ لَايَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ. (فتاویٰ سراجیہ، ص: ۲۳)

ترجمہ: جب نماز جنازہ سے فارغ ہو جائے تو دعا کے لیے نہ ٹھہرے۔

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

لَا يَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ لِأَنَّهُ دَعَا مَرَّةً.

(فتاوی بزازیہ، ص: ۲۸۳)

ترجمہ: نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے نہ ٹھہرے؛ اس لیے کہ ایک دفعہ (نماز جنازہ

میں) دعا کر چکا ہے۔

اور علامہ ابن نجیم حنفیؒ فرماتے ہیں:

وَ لَا یَدْعُوْا بَعْدَ التَّسْلِیْمِ (البحر الرائق:۲/۱۸۳)

ترجمہ: سلام پھیرنے کے بعد دعا نہ کرے۔

اور حضرت ملا علی قاری حنفیؒ فرماتے ہیں کہ

وَ لَا یَدْعُوْا لِلْمَیِّتِ بَعْدَ صَلَاۃِ الجَنَازَۃِ لِأَنَّہٗ یُشْبِہُ الزِّیَادَۃَ فِیْ صَلَاۃِ الجَنَازَۃِ. (مرقاۃ المفاتیح:۴/۶۴)

ترجمہ: نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا نہ کرے؛ کیوں کہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کے مشابہ ہے۔

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ جنازہ کے بعد دعا کرنا ممنوع اور مکروہ ہے اور مکروہ کو مستحسن سمجھنا بدعت ہے، حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

''مکروہ را مستحسن دانستن از اعظمِ جنایات است، چہ حرام را مباح دانستن منجر بکفر است، و مکروہ را حسن پنداشتن یک مرتبہ ازاں پایاں است، شناعتِ ایں فعل را نیک ملاحظہ باید نمود''۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی حصہ پنجم، ص:۷۴)

ترجمہ: مکروہ کو مستحسن سمجھنا اعظم جنایات میں سے ہے؛ کیوں کہ حرام کو مباح سمجھنا کفر تک پہنچاتا ہے، اور مکروہ کو مستحسن گمان کرنا، اس سے ایک درجہ فروتر ہے، اس فعل کی قباحت اچھی طرح ملاحظہ کر لینی چاہیے۔

رضا خانی مغالطہ

مفتی احمد یار خاں ''منتخب کنز العمال'' کے حوالہ سے اور مولوی محمد عمر ''بیہقی'' اور ''فتح ربانی'' کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحب زادی کی نماز جنازہ پڑھائی، تو چوتھی تکبیر کے بعد دعا کی اور فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (جاء الحق، ص:۲۶۳، اور

مقیاس حنفیت، ص:۵۲۶)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے؛ کیوں کہ اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم ہجری ہے جو نہایت ضعیف راوی ہے۔(تفصیل کے لیے دیکھئے تہذیب التہذیب:۱/۱۶۵)

علاوہ ازیں یہ نماز جنازہ کے بعد والی دعا نہیں ہے؛ بلکہ چوتھی تکبیر اور سلام پھیرنے کے درمیان کی دعا ہے، اور حضرات شوافع کا اس پر عمل ہے، امام نووی لکھتے ہیں:

وَفِيْ رِوَايَةٍ كَبَّرَ أَرْبَعًا، فَمَكَثَ سَاعَةً حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُكَبِّرُ خَمْسًا ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ.

(ریاض الصالحین، ص:۳۶۹، اور کتاب الاذکار، ص:۱۴۵)

ترجمہ: ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے چوتھی تکبیر کہی پھر تھوڑی دیر ٹھہرے، یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ وہ پانچویں تکبیر کہیں گے؛ مگر پھر انہوں نے دائیں اور بائیں سلام پھیرا۔

اور امام بیہقی نے اس روایت پر یہ باب قائم فرمایا ہے:

بَابُ مَارُوِيَ فِي الْاِسْتِغْفَارِ لِلْمَيِّتِ وَالدُّعَاءِ لَهٗ مَابَيْنَ التَّكْبِيْرَةِ الرَّابِعَةِ وَ السَّلَامِ. (سنن کبریٰ:۴/۴۲)

مگر احناف نے اس روایت کو ضعیف ہونے کی وجہ سے معمول بہ نہیں بنایا، درمختار میں ہے: وَيُسَلِّمُ بِلَا دُعَاءٍ بَعْدَ الرَّابِعَةِ (اور چوتھی تکبیر کے بعد دعا کیے بغیر سلام پھیرے)

اور علامہ شامی بِلَا دُعَاءٍ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قَوْلُه: (بِلَادُعَاءٍ) هُوَظَاهِرُ الْمَذْهَبِ وَقِيْلَ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً اِلخ ، وَقِيْلَ: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا اِلخ ، وَقِيْلَ يُخَيَّرُ بَيْنَ السُّكُوْتِ وَ الدُّعَاءِ. (رَدُّ الْمُحْتَارِ:۱/۵۸۵)

ترجمہ: یہ ظاہر مذہب ہے، اور بعض حضرات نے کہا کہ اَللّٰهُمَّ آتنا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً

الخ پڑھے، اور بعض حضرات نے کہا کہ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا الخ پڑھے، اور بعض حضرات نے کہا اختیار ہے، چاہے خاموش رہے یا دعا کرے۔

نوٹ: رضا خانیوں کے مزید مغالطوں اور ان کے جوابوں کے لیے دیکھئے حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدر کی کتاب ''راہِ سنت'' جس کا عربی نام اَلْمِنْهَاجُ الْوَاضِحُ ہے، یہ کتاب بدعاتِ مروجہ کی تردید میں عمدہ کتاب ہے، اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

(۱۱) جنازہ کے ہمراہ ذکر کرنا

جنازے کے آگے یا پیچھے زور زور سے کلمہ پڑھنا، ذکر کرنا، یا قرآن شریف پڑھنا بھی بدعت ہے، حافظ ابن کثیر ''طبرانی'' کے حوالہ سے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الصَّمْتَ عِنْدَ ثَلَاثٍ : عِنْدَ تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ ، وَ عِنْدَ الزَّحْفِ ، وَ عِنْدَ الْجَنَازَةِ. (تفسیر ابن کثیر:۲/۲۱۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تین موقعوں پر خاموشی کو پسند فرماتے ہیں: (۱) قرآن شریف کی تلاوت کے وقت۔ (۲) دشمن کی طرف پیش قدمی کرتے وقت۔ (۳) اور جنازے کے پاس۔

اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُوْنَ الصَّوْتَ عِنْدَ ثَلَاثٍ: الْجَنَائِزِ وَ الْقِتَالِ وَ الذِّكْرِ .

(السیر الکبیر مع شرح السرخسی، ۱/۸۹، اور البحر الرائق، ۵/۷۶)

ترجمہ: صحابۂ کرام تین موقعوں پر آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے: (۱) جنازے (۲) قتال (۳) اور ذکر اللہ کے وقت۔

یہ روایتیں اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ جنازے کے آگے یا پیچھے زور زور سے کلمہ

طیبہ پڑھنا یا اورکوئی ذکر کرنا مکروہ ہے؛ چنانچہ فقہائے احناف نے پوری وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا، قرآن پاک پڑھنا اور کُلُّ حَیٍّ یَمُوْتُ (ہر زندہ مرنے والا ہے) کے نعرے لگانا مکروہ تحریمی اور بدعت ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وَعَلٰی مُتَّبِعِی الْجَنَازَۃِ الصَّمْتُ ، وَ یُکْرَہُ لَھُمْ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ، وَ قِرَاءَ ۃِ الْقُرْآنِ (عالم گیری، ۱/۱۷۲، مصری)۔

ترجمہ: جنازے کے ساتھ جانے والوں پر لازم ہے کہ خاموش رہیں اور ان کے لیے بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن شریف پڑھنا مکروہ ہے۔

اور امام سراج الدین اودیؒ فرماتے ہیں:

رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ وَ قِرَاءَ ۃِ الْقُرْآنِ ، وَ قَوْلِھُمْ: "کُلُّ حَیٍّ یَمُوْتُ" وَ نَحْوِ ذٰلِکَ خَلْفَ الْجَنَازَۃِ بِدْعَۃٌ. (فتاوی سراجیہ، ص:۲۳، مطبوعہ نول کشور)

ترجمہ: جنازے کے پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنا، قرآن کریم پڑھنا اور یہ کہنا کہ "ہر زندہ مرنے والا ہے" وغیرہ بدعت ہے۔

اور علامہ ابن نجیم حنفی البحر الرائق میں ارقام فرماتے ہیں:

وَ یَنْبَغِيْ لِمَنْ تَبِعَ جَنَازَۃً أَنْ یُطِیْلَ الصَّمْتَ ، وَ یُکْرَہُ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ وَ قِرَاءَ ۃِ الْقُرْآنِ وَغَیْرِھِمَا فِي الْجَنَازَۃِ ، وَ الْکَرَاھَۃُ فِیْھَا کَرَاھَۃُ تَحْرِیْمٍ (البحر الرائق، ۲/ ۱۹۹)

ترجمہ: جو لوگ جنازے کے ساتھ جائیں ان کے لیے مناسب ہے کہ طویل خاموشی اختیار کریں، اور جنازے میں بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن شریف پڑھنا اور ان دونوں کے علاوہ کچھ اور بلند آواز سے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

{۱۲} قبر پر اذان دینا

میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا خلاف سنت اور بدعت ہے، شاہ محمد اسحاق

محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اذان دادن بر قبر بعد دفن مکروہ است کہ معہود از سنت نیست''۔

(مائۃ مسائل، ص:۵۵)

ترجمہ: دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا مکروہ ہے؛ کیونکہ سنت سے ثابت نہیں ہے۔ اور علامہ ابن عابدین شامیؒ ارقام فرماتے ہیں:

لَا يُسَنُّ الْأَذَانُ عِنْدَ إِدْخَالِ الْمَيتِ فِي قَبْرِهٖ كَمَا هُوَ الْمُعْتَادُ الْآنَ ، وَ قَدْ صَرَّحَ ابْنُ حَجَرٍ فِي فَتَاوَاهُ بِأَنَّهٗ بَدْعَةٌ ، وَ قَالَ: وَمَنْ ظَنَّ أَنَّهٗ سُنَّةٌ قِيَاسًا عَلٰى نُدْبِهِمَا لِلْمَوْلُوْدِ إِلْحَاقًا لِخَاتِمَةِ الْأَمْرِ بِابْتِدَائِهٖ فَلَمْ يُصِبْ. (شامی، ۱/۶۰۰، کتاب الجنائز)

ترجمہ: میت کو قبر میں اتارنے کے وقت اذان کہنا مسنون نہیں، جیسا کہ اب اس کا رواج ہو چکا ہے۔ اور ابن حجرؒ نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ یہ بدعت ہے، اور کہا ہے کہ جس شخص نے نومولود بچے کے کان میں اذان واقامت کے مستحب ہونے پر قیاس کر کے اور اختتام امر کو ابتدائے امر کے ساتھ لاحق کرتے ہوئے اذانِ قبر کو سنت خیال کیا ہے، اس نے غلطی کی ہے۔

اور مجالس ابرار میں ہے:

''جس فعل کا سبب آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود ہو، اور کوئی مانع بھی نہ ہو، اس کے باوجود حضور اکرم ﷺ نے اس کو نہ کیا ہو، تو ایسا کام کرنا اللہ کے دین کو بدلنا ہے؛ کیوں کہ اگر اس کام میں کوئی مصلحت ہوتی تو سرورِ کائنات ﷺ اس کو ضرور کرتے یا ترغیب دیتے؛ لیکن جب آپ ﷺ نے نہ خود کیا نہ کسی کو اس کے کرنے کی ترغیب دی، تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی مصلحت نہیں؛ بلکہ وہ بدعت قبیحہ اور سیئہ ہے، اس کی مثال عیدین میں اذان کہنا ہے؛ چنانچہ جب بعض سلاطین نے اس کو ایجاد کیا تو علماء نے اس کو منکر سمجھا، اور اس کے مکروہ ہونے کا حکم لگایا''۔

(مجالس الابرار، مجلس:۱۸، فی اقسام البدع واحکامہا)

ٹھیک یہی حال قبر پر اذان دینے کا ہے؛ کیوں کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں اس کا سبب اور محرک (یعنی میت کی تدفین) موجود تھا؛ اور کوئی مانع بھی نہیں تھا؛ لیکن اس کے باوجود آنحضرت ﷺ نے نہ قبر پر اذان دینے کا حکم دیا نہ ترغیب دی، پس اس کے بدعتِ قبیحہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے حضرت مولانا محمد منظورؒ صاحب نعمانی کا رسالہ اِمعانُ النظر في أذانِ القبر جس میں اس مسئلہ کے علاوہ بدعت کے متعلق نہایت نفیس اصولی بحث بھی کی گئی ہے۔

(۱۳) اذان کے وقت انگوٹھے چومنا

اذان واقامت میں جب مؤذن أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتا ہے تو بعض لوگ انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھتے ہیں، اور اس کو سنت سمجھتے ہیں، یہ بھی بے اصل چیز ہے، خود مولوی احمد رضا خاں بریلوی "ابرُّ المقال" میں لکھتے ہیں:

"اذان میں وقت استماع نام پاک صاحبِ لولاک ﷺ انگوٹھوں کے ناخن چومنا، آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں، جو کچھ اس میں روایات کیا جاتا ہے کلام سے خالی نہیں، پس جو اس کے لیے ایسا ثبوت مانے، یا اس کو مسنون ومؤکد جانے یا نفسِ ترک کو باعثِ زجر وملامت کہے، وہ بے شک غلطی پر ہے"۔

(ابرّ المقال، ص:۱۲)

(۱۴) نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا

ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے، احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے؛ مگر فجر، عصر، جمعہ، اور عیدین کی نمازوں کے بعد جو مصافحہ کیا جاتا ہے، اور اس کو سنت سمجھا جاتا ہے، وہ بدعتِ مذمومہ ہے، شامی میں ہے:

تُكْرَهُ الْمُصَافَحَةُ بَعْدَ أَدَاءِ الصَّلَاةِ بِكُلِّ حَالٍ ، لِأَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ

اللّٰهُ عَنْهُمْ مَا صَافَحُوْا بَعْدَ أَدَاءِ الصَّلَاةِ ،لِأَنَّهَا مِنْ سُنَنِ الرَّوَافِضِ اھ ، ثُمَّ نُقِلَ عَنِ ابْنِ حَجَرٍ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ أَنَّهَا بِدْعَةٌ مَكْرُوْهَةٌ لَا أَصْلَ لَهَا فِي الشَّرْعِ ، وَأَنَّهُ يُنَبَّهُ فَاعِلُهَا أَوَّلًا وَ يُعَزَّرُ ثَانِيًا ، ثُمَّ قَالَ: وَقَالَ ابْنُ الحَاجِّ مِنَ المَالِكِيَّةِ فِي المَدْخَلِ أَنَّهَا مِنَ البِدَعِ، وَمَوْضِعُ الْمُصَافَحَةِ فِي الشَّرْعِ : إِنَّمَا هُوَ عِنْدَ لِقَاءِ الْمُسْلِمِ لِأَخِيْهِ،لَا فِي أَدْبَارِ الصَّلَاةِ ،فَحَيْثُ وَضَعَهَا الشَّرْعُ يَضَعُهَا ،فَيُنْهٰى عَنْ ذٰلِكَ وَ يُزْجَرُ فَاعِلُهَا لِمَا أَتٰى بِهٖ مِنْ خِلَافِ السُّنَّةِ . (شامی،۵/۲۴۴، كتاب الحظر والإباحة باب الاستبراء)

ترجمہ: نماز پڑھنے کے بعد ہر حال میں مصافحہ کرنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نماز پڑھنے کے بعد مصافحہ نہیں کیا کرتے تھے، اور اس لیے بھی مکروہ ہے کہ یہ روافض کا شیوہ ہے۔ اور علامہ ابن حجر شافعیؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا مکروہ بدعت ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، اور ابن حجرؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنے والے کو اولاً تنبیہ کی جائے گی ، اور ثانیاً اس کو سزا دی جائے گی ، اور ابن الحاج مالکیؒ نے مدخل میں فرمایا ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا بدعت ہے اور شریعت میں مصافحہ کرنے کا محل صرف مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کا وقت ہے، نمازوں کے بعد نہیں، پس جہاں شریعت نے مصافحہ رکھا ہے وہیں مصافحہ کرے، اور نماز کے بعد مصافحہ کرنے سے روکا جائے گا اور زجر و توبیخ کی جائے گی؛ کیوں کہ وہ سنت کے خلاف کام کر رہا ہے۔

نیز شامی جلد اول میں ہے:

وَ قَدْ صَرَّحَ بَعْضُ عُلَمَآئِنَا وَ غَيْرُهُمْ بِكَرَاهَةِ الْمُصَافَحَةِ الْمُعْتَادَةِ عَقِبَ الصَّلَوَاتِ مَعَ أَنَّ الْمُصَافَحَةَ سُنَّةٌ ، وَمَا ذَاكَ اِلَّا لِكَوْنِهَا لَمْ تُؤْثَرْ فِيْ خُصُوْصِ هٰذَا الْمَوْضِعِ ، فَالْمُوَاظَبَةُ عَلَيْهَا فِيْهِ تُوهِمُ الْعَوَّامَ بِأَنَّهَا سُنَّةٌ فِيْهِ. (ردالمحتار،۱/۶۰۰)

ترجمہ: ہمارے بعض علماء اور دیگر حضرات نے تصریح فرمائی ہے کہ نمازوں کے بعد مروجہ مصافحہ مکروہ ہے، باوجود یکہ اصل مصافحہ سنت ہے، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ

بالخصوص اس موقع پر مصافحہ کرنا منقول نہیں ہے، پس اس پر مداومت کرنے میں عوام کو غلط فہمی ہوگی کہ اس وقت بھی مصافحہ کرنا سنت ہے۔

اور حضرت ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکاۃ میں ارقام فرماتے ہیں کہ

''مشروع مصافحہ کا محل اول ملاقات ہے اور بعض لوگ مصافحہ کیے بغیر ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اور کافی دیر تک ایک ساتھ بیٹھ کر گفتگو کرتے ہیں، اور علم وغیرہ کا مذاکرہ کرتے ہیں، پھر جب نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں، اس کا مسنون مصافحہ سے کیا تعلق؟ اس لیے ہمارے بعض علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اس وقت مصافحہ کرنا مکروہ ہے اور مذموم بدعتوں میں سے ہے ـــــ ہاں! اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت میں پہنچا کہ لوگ نماز میں تھے، یا نماز شروع کرنے والے تھے، تو نماز کے بعد ان سے مصافحہ کرنا مسنون مصافحہ کے قبیل سے ہے (بہر حال مسئلہ یہی ہے) لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تو اپنا ہاتھ کھینچ کر ایسی شکل پیدا نہیں کرنی چاہیے کہ اس کو رنج و تکلیف اور شکایت ہو''۔

(مرقاۃ، ۹/۴/۷، باب المصافحة و المعانقة)

(۱۵) نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا

بعض مساجد میں لوگ نمازوں کے بعد خصوصاً فجر اور عشاء کی نماز کے بعد سُر میں سُر ملا کر اونچی آواز سے کلمہ شریف یا دُرود شریف پڑھتے ہیں، اور اس کو دین کا اہم شعار سمجھتے ہیں، جو ایسا نہ کرے وہ ان کے خیال میں ''وہابی'' ہے؛ حالانکہ یہ سنتِ نبوی اور مطلوبِ شرعی کے سراسر خلاف اور بدعتِ شنیعہ ہے۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حَرَامٌ ، وَ قَدْ صَحَّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ قَوْمًا اجْتَمَعُوْا فِيْ مَسْجِدٍ يُهَلِّلُوْنَ وَ يُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ جَهْرًا ، فَرَاحَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ :مَا عَهِدْنَا ذٰلِكَ عَلٰى عَهْدِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ لَا أَرَاكُمْ إِلَّا مُبْتَدِعِيْنَ ،فَمَا زَالَ يَذْكُرُ ذَاكَ

حَتّٰی أَخْرَجَهُمْ مِنَ الْمَسْجِدِ.

(بزازیہ حاشیہ بر فتاوی عالم گیری، ۳۷۸/۶)

ترجمہ: بلند آواز سے ذکر کرنا حرام ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے کہ آپ نے سنا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر بلند آواز سے کلمہ طیبہ اور دُرود شریف پڑھتے ہیں، آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ چیز نہیں دیکھی، میں تمہیں بدعتی ہی خیال کرتا ہوں، آپؓ بار بار یہی بات کہتے رہے؛ یہاں تک کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔

اور امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

وَ نَقَلَ ابْنُ بَطَّالٍ وَ آخَرُوْنَ أَنَّ أَصْحَابَ الْمَذَاهِبِ الْمَتْبُوْعَةِ وَ غَيْرِهِمْ مُتَّفِقُوْنَ عَلٰى عَدَمِ اسْتِحْبَابِ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَ التَّكْبِيْرِ. (شرح مسلم شریف، ۲۱۷/۱)

ترجمہ: ابن بطال اور دیگر علماء نے یہ بات نقل کی ہے کہ مذاہبِ اربعہ کے اصحاب اور دیگر حضرات سب اس بات پر متفق ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اور تکبیر کہنا مستحب نہیں ہے۔

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ نہ صرف احناف؛ بلکہ تمام مقلدین کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے، ہاں ابنِ حزم ظاہری جو غیر مقلدین کے امام اور پیشوا ہیں، وہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنے کو مستحب کہتے ہیں۔ (دیکھئے شرح مسلم، ۲۱۷/۱)

(۱۶) نوافل کے بعد اجتماعی دعا کرنا

بعض مساجد میں یہ رواج ہے کہ لوگ سنن و نوافل سے فارغ ہو کر دعاء ثانی کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں، جب سنن و نوافل سب سے فارغ ہو جاتے ہیں تو امام دعا کرتا ہے، اور لوگ اس پر آمین کہتے ہیں ـــــ لوگوں کا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے طریقہ کے خلاف ہے، عام طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سنن و

نوافل مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، بلکہ گھر جا کر سنن ونوافل ادا فرماتے تھے، حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتٰى مَسْجِدَ بَنِي عَبْدِ الْأَشْهَلِ فَصَلّٰى فِيْهِ الْمَغْرِبَ ، فَلَمَّا قَضَوْا صَلَوَاتِهِمْ رَاٰهُمْ يُسَبِّحُوْنَ بَعْدَ هَا ، فَقَالَ : هٰذِهٖ صَلَاةُ الْبُيُوْتِ ، رواه أبوداؤد ، وفي رواية الترمذي والنسائيّ قَامَ نَاسٌ يَتَنَفَّلُوْنَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِهٰذِهِ الصَّلَاةِ فِي الْبُيُوْتِ. (مشکاۃ،ص:۱۰۵،باب السنن)

ترجمہ: نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنو عبدالاشہل کی مسجد میں آئے اور اس میں مغرب کی نماز پڑھی، جب لوگ فرض نماز ادا کر چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرض نماز کے بعد سنن و نوافل پڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ اس نماز کو گھروں میں پڑھنے کا التزام کرو!

اور عطاء تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ مکرمہ میں جمعہ کی نماز پڑھتے تو اپنی جگہ سے آگے بڑھ کر دو رکعت پڑھتے ، پھر اور آگے بڑھ کر چار رکعت ادا فرماتے ـــــ اور جب مدینہ منورہ میں جمعہ کی نماز پڑھتے تو اپنے گھر تشریف لے جاتے اور گھر جا کر پہلے دو رکعت پھر چار رکعت پڑھتے ،حضرت ابن عمرؓ سے دریافت کیا گیا (کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟) تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے (حوالہ سابقہ)

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ سنن ونوافل گھروں میں ادا کرتے تھے، مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ کیوں کہ گھروں میں سنن ونوافل پڑھ کر مسجد میں واپس آنا کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔

اور کبھی کسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام مسجد میں سنن ونوافل ادا فرماتے تھے، تب بھی صحابہ کرامؓ اپنی نمازیں پڑھ کر منتشر ہو جاتے تھے، دعائے ثانی کے انتظار میں بیٹھے نہیں رہتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيْلُ الْقِرَاءَ ةَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ ، حَتّٰى يَتَفَرَّقَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ.

(ابوداؤد، ۱/۱۸۴، باب رکعتی المغرب)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ مغرب کے بعد دو رکعت میں اتنی لمبی قراءت کرتے تھے کہ اہلِ مسجد منتشر ہو جاتے تھے۔

اور حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں آنحضرت ﷺ کے گھر رہا، تو آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر عشاء کے بعد نماز پڑھتے رہے، یہاں تک کہ مسجد میں آپ ﷺ کے سوا کوئی نہ رہا۔

(شرح معانی الآثار، ۱/۲۰۱، باب التطوع في المسجد)

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ سنن ونوافل کے بعد دعاء ثانی کے لیے بیٹھے رہنا، اور سنن ونوافل سے فارغ ہونے کے بعد اجتماعی دعا کرنا، آنحضرت ﷺ کی سنت اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت نہیں ہے، اور جو کام سنت سے ثابت نہ ہو، اس کا التزام اور اس کو ضروری سمجھنا بدعتِ ضلالہ ہے؛ اس لیے سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعا اور سابقہ تمام بدعات سے اجتناب کرنا چاہیے، شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ❁ کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہِ صفا ❁ تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

ترجمہ: جس نے پیغمبر خدا ﷺ کے خلاف راہ اختیار کی، وہ ہرگز منزلِ مقصود کو نہیں پہنچے گا، سعدی! یہ خیال مت کرو کہ سیدھی راہ حضرت محمد ﷺ کے نقش قدم کی پیروی کیے بغیر حاصل ہو سکتی ہے۔ (بوستاں)

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے! آمِيْن يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ .

تمّت بالخير

چھٹا محاضرہ

(عباراتِ اکابر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّابَعْدُ:

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حاسدین نے امام صاحب کو بدنام کرنے کے لیے جس طرح ان کی بعض عبارتوں کو غلط معنی پہنا کر ان پر مُرجیہ ہونے کا الزام لگایا تھا، اسی طرح مولوی احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے متبعین حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ اور اکابر دار العلوم دیوبند کو بدنام کرنے کے لیے ان کی بعض عبارتوں کو غلط معنی پہنا کر ان پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ علمائے دیوبند — نعوذ باللہ — اللہ جل شانہ کو جھوٹا کہتے ہیں، اور سید المرسلین، خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء و اولیاء کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتمِ زمانی ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

حالانکہ اکابر کی طرف رضا خانی جن کفریہ عقائد کی نسبت کرتے ہیں، وہ ان اکابر کے نزدیک بھی کفر ہیں۔ اور اکابر کی جن عبارتوں سے رضا خانی کفریہ عقائد منتزع کرتے ہیں، ان کا صحیح مطلب بار بار بیان کیا جاچکا ہے؛ لیکن اس کے باوجود آج بھی رضا خانی ان کفریہ عقائد کی نسبت اکابر کی طرف کرتے رہتے ہیں، اور ان کی عبارتوں کا غلط مطلب بیان کرکے لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں؛ اس لیے اس محاضرہ میں حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ

اور اکابر دار العلوم دیو بند کی ان عبارتوں کا صحیح مطلب پیش کیا جاتا ہے؛ تاکہ آپ جان لیں کہ حضرت شاہ شہیدؒ اور اکابرِ دار العلوم کی طرف رضا خانی جن کفریہ عقائد کی نسبت کرتے ہیں، ان سے ان کا دامن بالکل پاک ہے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پر بہتان

آپ کا اسم گرامی اسماعیل ہے، آپ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب (متوفی ۱۲۲۷ھ) کے بیٹے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) کے پوتے ہیں، آپ ۱۲/ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے اور ۲۴/ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء بہ وقت ظہر بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے، بالاکوٹ کے عقب میں ایک پہاڑی نالے کے قریب بلند ٹیلے پر آپ کی قبر ہے۔

پہلا بہتان

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ پر ایک بہتان یہ لگایا گیا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جتنی تعظیم وتکریم اپنے بڑے بھائی کی کرنی چاہیے اتنی ہی آنحضرت ﷺ کی کرنی چاہیے، اس میں آنحضرت ﷺ کی توہین ہے۔

خاں صاحب بریلوی اِعلامُ الأعلام بأنَّ ہندوستان دارُ الإسلام میں چند فرقوں کے نظریات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس کی خباثتِ قلبی توہینِ شانِ رفیع المکان واجب الاعظام حضور سید الانام علیہ افضل الصلاۃ والسلام پر باعث ہو کہ حضور کو اپنا بھائی بتائے“ (ص:۱۸) آخر میں لکھتے ہیں کہ ”یہ سب فرقے بالقطع والیقین کافرِ مطلق ہیں“۔ (ص:۲۰)

جواب

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی شرک وبدعت کی تردید میں ایک معرکۃُ الآراء کتاب

"تقویۃ الایمان" ہے جو اردو میں ہے اور نہایت آسان ہے، اسی کتاب کی ایک عبارت سے رضاخانی یہ کفریہ مضمون نکال کر حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ اس لیے پہلے تقویۃ الایمان کی پوری عبارت بعینہٖ ذیل میں نقل کی جاتی ہے:

أَخْرَجَ أَحْمَدُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ الْأَنْصَارِ، فَجَاءَ بَعِيْرٌ فَسَجَدَ لَهُ، فَقَالَ: أَصْحَابُهُ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! تَسْجُدُ لَكَ الْبَهَائِمُ وَالشَّجَرُ فَنَحْنُ أَحَقُّ أَنْ نَسْجُدَ لَكَ، فَقَالَ: اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ أَكْرِمُوْا أَخَاكُمْ.

(مشکاۃ شریف، ص:۲۸۳،باب عشرۃ النّساء،فصل ثالث)

ترجمہ:مشکاۃ شریف کے باب عشرۃ النساء میں لکھا ہے کہ امام احمدؒ نے ذکر کیا کہ بی بی عائشہؓ نے ذکر کیا کہ پیغمبرِ خدا ﷺ مہاجرین اور انصار میں بیٹھے تھے کہ آیا ایک اونٹ پھر اس نے سجدہ کیا پیغمبرِ خدا ﷺ کو، سو ان کے اصحاب کہنے لگے کہ اے پیغمبرِ خدا! تم کو سجدہ کرتے ہیں جانور اور درخت سو ہم کو ضرور چاہیے کہ تم کو سجدہ کریں، سو فرمایا کہ بندگی کرو اپنے رب کی اور تعظیم کرو اپنے بھائی کی۔

فائدہ: یعنی انسان سب آپس میں بھائی ہیں، جو بڑا بزرگ ہے وہ بڑا بھائی ہے، سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجیے اور مالک سب کا اللہ ہے، بندگی اس کو چاہیے ـــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء وانبیاء، امام وامام زادہ، پیر وشہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی؛ مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے، ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے، ہم ان کے چھوٹے ہیں، سو ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہیے نہ خدا کی سی۔

(تقویۃ الایمان، ص:۴۸-۴۹، راشد کمپنی دیوبند)

اس عبارت میں شاہ اسماعیل شہیدؒ نے حضور اکرم ﷺ کو بھائی نہیں کہا؛ بلکہ خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: أَكْرِمُوْا أَخَاكُمْ: (اپنے بھائی کی تعظیم کرو)

شاہ صاحبؒ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ تمام

انسان نفسِ انسانیت وبشریت میں چونکہ شریک ہیں؛ اس لیے تمام انسان آپس میں بھائی ہیں، اور جو انسانوں میں بڑا بزرگ ہے، وہ انسانی ناطے اور بشری اُخوت کے اعتبار سے بڑا بھائی ہے؛ اس لیے اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کرنی چاہیے یعنی بڑے سے بڑے انسان کی بھی ایسی تعظیم کرنی چاہیے جو انسانی تعظیم کے دائرہ میں ہو۔ اس کی ایسی تعظیم نہیں کرنی چاہیے جو خدائی تعظیم کے مشابہ ہو۔

نیز ہر گفتگو کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے، یہاں حضور اکرم ﷺ کے مراتب وفضائل بیان کرنا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ حضور اکرم ﷺ کی ایسی تعظیم وتکریم سے لوگوں کو روکنا مقصود ہے جو انسانی تعظیم کے دائرہ سے بالاتر ہو؛ اس لیے یہاں شاہ صاحب نے حضور اکرم ﷺ کے مراتب وفضائل کو ذکر نہیں کیا؛ بلکہ پورا زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ایسی تعظیم نہیں کرنی چاہیے جو خدا کی تعظیم کے مشابہ ہو؛ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شاہ صاحب حضور اکرم ﷺ کے تمام مراتب وفضائل کا انکار کرتے ہیں، اور آپ ﷺ کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں بلکہ آپ کا عقیدہ اس سلسلہ میں وہی ہے جو تمام اہل سنت والجماعت کا ہے؛ چنانچہ آپ تقویۃ الایمان کے صفحہ: ۵۲ پر اِرقام فرماتے ہیں:

''سو اسی طرح سے ہمارے پیغمبر ﷺ سارے جہاں کے سردار ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا رتبہ سب سے بڑا ہے''۔

اس تصریح کے بعد بھی یہ کہنا کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ حضور اکرم ﷺ کا مرتبہ صرف بڑے بھائی جتنا تسلیم کرتے ہیں، سراسر بہتان اور صریح ظلم نہیں تو کیا ہے؟

دوسرا بہتان

خان صاحب بریلوی اور ان کے متبعین حضرت شاہ اسماعیل صاحب شہیدؒ پر دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ شاہ صاحب نے ''تقویۃ الایمان'' میں آنحضرت ﷺ کی شان میں یہ گستاخی کی ہے کہ آپ وفات پانے کے بعد قبر میں مٹی ہو گئے ہیں؛ حالانکہ خود

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیائے کرام کے اجساد کو کھائے، إنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الأَنْبِيَآءِ (حدیث)

خاں صاحب بریلوی الکوکبۃ الشّھابیۃ میں لکھتے ہیں کہ ''تقویۃ الایمان، صفحہ:۶۰ پر حدیث تو یہ لکھی :اَرَأَيْتَ لَوْمَرَرْتَ بِقَبْرِيْ أَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ خود ہی اس کا ترجمہ یوں کہا کہ بھلا خیال تو کر جو تو گذرے میری قبر پر کیا سجدہ کرے تو اس کو؟ — آگے گستاخی کی رگ اُچھلی جھٹ آفت کی (ف) فائدہ لکھ کر یہ جڑ دیا: یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں — اس کے حامی اس کے پیر وایمان سے بتائیں، یہ حدیث کے کس لفظ کا مطلب ہے، کہاں تو وہ لفظِ حدیث کہ اگر تو میری قبر پر گذرے، کہاں یہ فائدۂ خبیث کہ مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں کیوں یہ کیسا کھلا ہوا افتراء ہے محمد رسول اللہ ﷺ پر — ہمارے نبی ﷺ فرماتے ہیں: إنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الأَنْبِيَاءِ''

(الکوکبۃ الشّھابیۃ، ص:۲۷)

پھر آگے اسی صفحہ میں لکھتے ہیں: وہابی صاحبو! تمہارے پیشوا نے ہمارے نبی ﷺ کی جناب میں کیسی صریح گستاخی کی!!

جواب

پہلے ''تقویۃ الایمان'' کی پوری عبارت دیکھئے:

أَخْرَجَ أَبُوْدَاوُدَ عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: أَتَيْتُ الْحِيْرَةَ ، فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانَ لَهُمْ ، فَقُلْتُ: لَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَقُّ أَنْ يُسْجَدَ لَهُ، فَأَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: إِنِّيْ أَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانَ لَهُمْ فَأَنْتَ أَحَقُّ أَنْ نَسْجُدَ لَكَ، فَقَالَ لِيْ:أَرَأَيْتَ لَوْمَرَرْتَ بِقَبْرِيْ أَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ فَقُلْتُ: لَا، فَقَالَ: لَا تَفْعَلُوْا . (مشکاۃ شریف، ص:۲۸۲، باب عشرۃ النساء، فصل ثالث)

ترجمہ: مشکاۃ کے باب عشرۃ النساء میں لکھا ہے کہ ابوداوٗد نے ذکر کیا کہ قیس بن

سعد رضی اللہ عنہ نے نقل کیا کہ گیا میں ایک شہر میں جس کا نام ''حیرہ'' ہے، سو دیکھا میں نے وہاں کے لوگوں کو کہ سجدہ کرتے تھے اپنے راجہ کو، سو کہا میں نے: البتہ پیغمبرِ خدا ﷺ زیادہ لائق ہیں کہ سجدہ کیجیے ان کو، پھر آیا میں پیغمبرِ خدا ﷺ کے پاس، پھر کہا میں نے کہ گیا تھا میں ''حیرہ'' میں، سو دیکھا میں نے ان لوگوں کو کہ سجدہ کرتے ہیں اپنے راجہ کو، سو تم بہت لائق ہو کہ سجدہ کریں ہم تم کو، تو فرمایا مجھ کو بھلا خیال تو کر جو تو گذرے میری قبر پر کیا سجدہ کرے تو اس کو؟ کہا میں نے نہیں، فرمایا: تو مت کرو۔

فائدہ: یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں تو کب سجدہ کے لائق ہوں، سجدہ تو اسی پاک ذات کو ہے کہ نہ مرے کبھی — اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ نہ کسی زندہ کو کیجیے نہ کسی مُردہ کو، نہ کسی قبر کو کیجیے، نہ کسی تھان کو؛ کیوں کہ جو زندہ ہے سو ایک دن مرنے والا ہے اور جو مر گیا سو کبھی زندہ تھا، اور بشریت کی قید میں گرفتار، پھر مر کر خدا نہیں بن گیا ہے، بندہ ہی بندہ ہے۔ (تقویۃ الایمان، ص: ۴۹-۵۰، راشد کمپنی دیوبند)

رضاخانیوں کے مذکورہ بالا اعتراض کا مدار شاہ صاحب کے اس جملہ پر ہے کہ ''میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں''؛ حالانکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جسمِ اطہر بھی مٹی ہو جائے گا، جس طرح اکثر مردوں کا جسم مٹی ہو جاتا ہے؛ بلکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی وفات کے بعد مٹی میں مدفون ہونے والے ہیں، اور آپ کا جسمِ اطہر قبر کی مٹی سے متصل اور ملنے والا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ وفات کے بعد زیرِ زمین روضۂ اقدس میں آرام فرما ہیں، صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ سے کسی نے ''تقویۃ الایمان'' کی مذکورہ بالا عبارت کے بارے میں استفسار کیا تھا تو حضرت نے درج ذیل جواب ارقام فرمایا ہے:

الجواب

الجواب: مٹی میں ملنے کے دو (۲) معنی ہیں: ایک یہ کہ مٹی ہوکر زمین کے ساتھ خلط ہوجائے، جیسا کہ سب اشیاء زمین میں پڑکر خاک ہوکر زمین بن جاتی ہیں۔ دوسرے: مٹی سے ملاقی و متصل ہوجانا، یعنی مٹی سے مل جانا، تو یہاں مراد دوسرے معنی ہیں، اور جسدِ انبیاء علیہم السلام کے خاک نہ ہونے کے مولانا مرحوم بھی قائل ہیں، چونکہ مُردے کو چاروں طرف سے مٹی احاطہ کرلیتی ہے اور نیچے مُردے کے مٹی سے جسد مع کفن ملاحق ہوتا ہے، یہ مٹی میں ملنا اور مٹی سے ملنا کہلاتا ہے، کچھ اعتراض نہیں، فقط واللہ اعلم، رشید احمد عفی عنہ۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص:۱۱۲، مطبوعہ: جسیم بک ڈپو، دہلی)

تیسرا بہتان

رضاخانیوں نے شاہ صاحب پر تیسرا صریح بہتان یہ باندھا ہے کہ شاہ صاحب نے تقویۃ الایمان میں حضراتِ انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو ''چوہڑے، چمار'' کہا ہے، اس میں انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی کھلی توہین ہے، خان صاحب بریلوی الکوکبۃ الشّہابیۃ میں لکھتے ہیں:

''تقویۃ الایمان، پہلی فصل میں اس دعوے کا کہ انبیاء و اولیاء کو پکارنا شرک ہے، ثبوت سنئے! صفحہ:۱۹، ہمارا جب خالق اللہ ہے، اور اس نے ہم کو پیدا کیا، تو ہم کو بھی چاہیے کہ اپنے تمام کاموں پر اسی کو پکاریں، اور کسی سے ہم کو کیا کام؟ جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہوچکا تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اسی سے رکھتا ہے، دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا، اور کسی چوہڑے چمار کا تو ذکر کیا ہے؟!

مسلمانو! ایمان سے کہنا حضراتِ انبیاء و اولیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی نسبت ایسے ناپاک ملعون الفاظ کسی ایسے کی زبان سے نکل سکتے ہیں، جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہو''! (ص:۲۹)

جواب

''تقویۃ الایمان'' کی جس عبارت کی بنا پر یہ بہتان باندھا گیا ہے، وہ درجہ ذیل ہے:

أَخْرَجَ الشَّيْخَانِ عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَيُّ الذَّنْبِ أَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ؟ قَالَ: أَنْ تَدْعُوْا اللّٰهَ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ. (مشکاۃ شریف، ص:۱۶، باب الکبائر)

ترجمہ: مشکاۃ کے باب الکبائر میں لکھا ہے کہ بخاری و مسلم نے ذکر کیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نقل کیا کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! کونسا گناہ بہت بڑا ہے اللہ کے نزدیک؟ فرمایا: یہ کہ پکارے تو کسی کو اللہ کی طرح کا ٹھہرا کر، اور حالانکہ اللہ ہی نے تجھ کو پیدا کیا۔

فائدہ: یعنی جیسے کہ اللہ کو سمجھتے ہیں کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور سب کام اس کے اختیار میں ہیں، سو ہر مشکل کے وقت یہی سمجھ کر اس کو پکارتے ہیں، سو کسی اور کو اس طرح سمجھ کر پکارنا نہ چاہیے کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے، اول تو یہ کہ یہ بات خود غلط ہے کہ کسی کو کچھ حاجت برلانے کی طاقت ہووے، یا ہر جگہ حاضر و ناظر ہو، دوسرے یہ کہ ہمارا جب خالق اللہ ہے، اور اس نے ہم کو پیدا کیا تو ہم کو بھی چاہیے کہ اپنے تمام کاموں پر اسی کو پکاریں، اور کسی سے ہم کو کیا کام؟ ـــ جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اسی سے رکھتا ہے، دوسرے بادشاہ سے نہیں رکھتا اور کسی چوہڑے، چمار کا تو ذکر کیا ہے۔ (تقویۃ الایمان، ص:۱۴۰، راشد کمپنی، دیوبند)

اس عبارت کو غور سے دیکھئے! پوری عبارت میں کہیں شاہ صاحب نے حضرات انبیاء و اولیاء کا نام نہیں لیا ہے، وہ تو ایک عام بات کہہ رہے ہیں، اور عام الفاظ استعمال کر رہے ہیں کہ ''کسی اور کو اس طرح سمجھ کر پکارنا نہ چاہیے کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے، اور اپنے تمام کاموں پر اسی کو پکاریں، اور کسی سے ہم کو کیا کام؟'' ـــ اور اخیر میں شاہ صاحب نے جو یہ فرمایا ہے کہ ''کسی چوہڑے چمار کا تو ذکر کیا ہے'' اس کا تعلق مُمَثَّلٌ لَہٗ سے نہیں ہے بلکہ مثال سے ہے، اور مثال کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا وہ اپنے تمام

کاموں میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کے سوا کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، حتی کہ دوسرے بادشاہ سے بھی تعلق نہیں رکھتا، پس کسی چوہڑے چمار سے وہ غلام کیا تعلق رکھے گا۔

اس مثال سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ شاہ صاحب نے معاذ اللہ! حضرات انبیاء واولیاء کو چوہڑے چمار کہا ہے، "ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ" کا مصداق ہے — اس افتراء کی اصل وجہ یہ ہے کہ رضا خانی انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو حاضر و ناظر اور حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں، اور شاہ صاحب نے اس فائدہ میں اللہ کے سوا کسی ہستی کو حاضر و ناظر اور حاجت روا سمجھ کر پکارنے کو سب سے بڑا گناہ کہا ہے، اور متفق علیہ حدیث کے حوالہ سے شاہ صاحب نے یہ بات لکھی ہے۔ رضا خانی قیامت تک اس کا توڑ نہیں کر سکتے؛ اس لیے انہوں نے پینترا بدل کر حملہ کیا، اور شاہ صاحب پر یہ الزام لگایا کہ معاذ اللہ! انہوں نے "تقویۃ الایمان" میں حضراتِ انبیاء واولیاء کو چوہڑے چمار کہا ہے؛ تاکہ لوگ شاہ صاحب سے بدظن ہو جائیں، اور "تقویۃ الایمان" کو نہ پڑھیں۔

رہا خاں صاحب بریلوی کا یہ خیال کہ شاہ صاحب نے یہ مثال چوں کہ اس دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہے کہ انبیاء واولیاء کو پکارنا شرک ہے؛ اس لیے کسی چوہڑے چمار سے مراد معاذ اللہ! حضراتِ انبیاء واولیاء ہی ہیں تو یہ بالکل بے بنیاد خیال ہے، اگر اس طرح عموم کو خصوص کے قالب میں ڈھال کر توہینِ انبیاء کو ثابت کرنا درست ہو تو پھر معاذ اللہ! ارشاد خداوندی: ﴿اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ (بلاشبہ انسان بڑا ظالم اور جاہل تھا) سے بھی توہینِ انبیاء کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔

ایک اہم ضابطہ

یہاں پر یہ ضابطہ یاد رکھنا چاہیے کہ بسا اوقات عموم واجمال کا حکم اور ہوتا ہے اور خصوص وتفصیل کا حکم دوسرا ہوتا ہے، اجمالی اور عمومی حکم درست ہوتا ہے؛ مگر تفصیلی اور خصوصی حکم حرام اور ناجائز ہوتا ہے؛ چنانچہ علمِ کلام کی مشہور ومعروف کتاب "مسامرہ" میں ہے:

وَمَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ صِحَّةِ الإِطْلَاقِ اجْمَالاً لَا تَفْصِيلاً كَمَا يَصِحُّ بِالْإِجْمَاعِ وَ النَّصِّ أَنْ يُقَالَ: اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ، وَلَا يَصِحُّ أَنْ يُقَالَ: خَالِقُ القَاذُوْرَاتِ وَخَالِقُ القِرَدَةِ وَالْخَنَازِيْرِ مَعَ كَوْنِهَا مَخْلُوْقَةً لَهُ اِتِّفَاقًا وَكَمَا يُقَالُ: لَهُ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَيْ مَالِكُهُمَا، وَلَا يُقَالُ: لَهُ الزَوْجَاتُ وَالْأَوْلَادُ لِإِيْهَامِهِ إِضَافَةَ غَيْرِ المِلْكِ إِلَيْهِ.

(مسامرہ، ص:۱۲۰،مصري)

ترجمہ: جو بات ہم نے ذکر کی کہ اجمالاً یہ کہنا (کہ تمام کائنات اللہ کی مراد ہے) صحیح ہے، لیکن تفصیلاً (یہ کہنا کہ کفر وظلم اور فسق وفجور اللہ کی مراد ہے) صحیح نہیں ہے، جیسے اجماعِ امت اور نصِ قرآنی کی بنا پر یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہیں، لیکن (تفصیلاً) یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ گندگیوں، بندروں، اور خنزیروں کے پیدا کرنے والے ہیں؛ حالانکہ بالاتفاق یہ چیزیں بھی اسی کی پیدا کردہ ہیں، اور جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اس کے لیے ہے یعنی وہ ان کا مالک ہے؛ لیکن یہ نہیں کہا جاتا کہ اس کے لیے بیویاں اور اولاد ہے؛ کیوں کہ اس میں غیر ملک (یعنی زوجیت اور ابنیت) کی اس کی طرف نسبت کرنے کا وہم پیدا ہوتا ہے۔

الحاصل بسا اوقات اجمال وابہام کا حکم تفصیل وتفسیر کے حکم سے متفاوت ہوتا ہے؛ اس لیے اجمال کی اپنی طرف سے تفصیل کر کے دوسروں پر حضراتِ انبیاء واولیاء کی توہین کا الزام لگانا اور عوام کو ان سے متنفر کرنا سراسر ظلم اور بد دیانتی ہے۔

چوتھا بہتان

اسی سے ملتا جلتا ایک بہتان شاہ اسماعیل شہیدؒ پر یہ باندھا گیا ہے کہ شاہ صاحب نے ''تقویۃ الایمان'' میں تمام انبیاء واولیاء کو چمار سے بھی زیادہ ذلیل کہا ہے، یہ توہینِ انبیاء کی بدترین مثال ہے، مولوی محمد عمر صاحب ''مقیاسِ حنفیت'' میں لکھتے ہیں:

’’دیوبندی وہابیوں کے نزدیک بقانونِ مذکورہ عین اسلام یہ ہے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اور بڑے چھوٹے کی شرح ’’تقویۃ الایمان‘‘ ص:۶۸ پر اولیاء وانبیاء سے تعبیر کی ہے، اور وہاں بڑے بھائی کا مرتبہ دیا اور یہاں تمام انبیاء واولیاء کو چمار سے بھی زیادہ ذلیل کہہ دیا، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ!‘‘ (مقیاس حنفیت، ص:۲۰۵)

جواب

شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ہرگز یہ نہیں کہا ہے، یہ بہتان رضاخانیوں کے گستاخ تخیل نے گھڑا ہے، تقویۃ الایمان کی عبارت دیکھئے:

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِہٖ وَھُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ (سورۂ لقمان، آیت:۱۳)

ترجمہ: اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے (یعنی سورۂ لقمان میں) جب کہا: لقمان نے اپنے بیٹے کو، اور وہ نصیحت کرتا تھا اس کو: اے بیٹے میرے! مت شریک بنا اللہ کا بے شک شریک بنانا بڑی بے انصافی ہے۔

فائدہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے لقمان کو عقلمندی دی تھی، سوانہوں نے اس سے سمجھا کہ بے انصافی یہی ہے کہ کسی کا حق اور کسی کو پکڑا دینا، اور جس نے اللہ کا حق اس کی مخلوق کو دیا تو بڑے سے بڑے کا حق لے کر ذلیل سے ذلیل کو دے دیا، جیسے بادشاہ کا تاج ایک چمار کے سر پر رکھ دیجیے، اس سے بڑی بے انصافی کیا ہوگی اور یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا، وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔

(تقویۃ الایمان، ص:۱۱، راشد کمپنی دیوبند)

اس عبارت سے انبیاء واولیاء کی تحقیر وتوہین ہرگز مقصود نہیں؛ بلکہ شرک کی قباحت و شناعت کو واضح کرنا ہے، اور خالقِ ارض وسماء کے سامنے ساری مخلوق کی جو حیثیت ہے اس کو اُجاگر کرنا ہے کہ جس طرح بادشاہ کے سامنے چمار بے بس اور مجبور ولاچار ہوتا ہے، اس سے کہیں زیادہ ساری مخلوق اللہ جل شانہٗ کے سامنے عاجز و بے بس اور مجبور ولاچار ہے؛

کیونکہ بادشاہ اور چمار نفسِ انسانیت میں تو شریک ہیں؛ لیکن خالق اور مخلوق کے درمیان تو کسی بات میں اشتراک نہیں ـــــ الغرض شاہ صاحب کسی نبی یا ولی کا نام لیے بغیر ایک عام بات بیان فرما رہے ہیں، اس عموم کو خصوص کے قالب میں ڈھال کر توہینِ انبیاء کو ثابت کرنا رضاخانیوں کے گستاخ تخیل کا نتیجہ ہے، اگر اسی طرح عموم کو خصوص کے قالب میں ڈھال کر توہینِ انبیاء کو ثابت کرنا درست ہو تو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (متوفی ۶۳۲ھ) کے بارے میں آپ کیا فتوی صادر فرمائیں گے، جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے:

بَلَغَنَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: لَا يَكْمُلُ إِيْمَانُ الْمَرْءِ حَتّٰى يَكُوْنَ النَّاسُ عِنْدَهُ كَالْأَبَاعِرِ.

(عوارف المعارف علی هامش إحياء العلوم: ۳۴۲/۴)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ سے ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی کا ایمان کامل نہیں ہوسکتا؛ جب تک کہ تمام لوگ اس کے نزدیک مینگنیوں کی طرح نہ ہوجائیں۔

پانچواں بہتان

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ پر پانچواں بہتان رضاخانیوں نے یہ باندھا ہے کہ شاہ صاحب نے "صراطِ مستقیم" میں لکھا ہے کہ نماز میں محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف خیال لے جانا ظلمت بالائے ظلمت ہے، کسی فاحشہ رنڈی کے تصور اور اس کے ساتھ زنا کا خیال کرنے سے بھی برا ہے، اپنے بیل یا گدھے کے تصور میں ہمہ تن ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے، خاں صاحب بریلوی "صراط مستقیم" کی فارسی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

مسلمانو! مسلمانو! خدارا ان ناپاک ملعونی شیطانی کلموں کو غور کرو! محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف نماز میں خیال لے جانا ظلمت بالائے ظلمت ہے، کسی فاحشہ رنڈی کے

تصور اور اس کے ساتھ زنا کا خیال کرنے سے بھی برا ہے، اپنے بیل یا گدھے کے تصور میں ہمہ تن ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے، ہاں! واقعی رنڈی نے تو دل نہ دُکھایا، گدھے نے تو اندورونی صدمہ نہ پہنچایا، نیچا تو محمد رسول اللہ ﷺ نے دکھایا کہ قرآن عظیم میں ﴿وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ﴾ پڑھ کر تازی نبوتوں کا دربار جلایا، ان کا خیال آنا کیوں نہ قہر ہو، ان کی طرف سے دل میں کیوں نہ زہر ہو، مسلمانو! للہ انصاف! کیا ایسا کلمہ کسی اسلامی زبان سے نکلنے کا ہے، حاش للہ! (الکوکبۃ الشھابیۃ، ص:۲۹-۳۰)

تمہید جواب

پہلے تمہید کے طور پر چند باتیں عرض کی جاتی ہیں، بعد میں ''صراط مستقیم'' کی عبارت کا مطلب بیان کیا جائے گا، اور مذکورہ بہتان کا جواب دیا جائے گا۔

(۱) ''صراطِ مستقیم'' اصل فارسی میں ہے اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تالیف وتصنیف نہیں ہے؛ بلکہ ان کے شیخ حضرت سید احمد شہید صاحب رائے بریلویؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جس کو شاہ اسماعیل شہیدؒ نے مرتب فرمایا ہے؛ اس لیے شاہ صاحب اس کے منصف نہیں؛ بلکہ جامع اور مرتب ہیں، کتاب کے سرورق پر اس کی تصریح موجود ہے۔

(۲) ''صراطِ مستقیم'' میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے سارے ملفوظات حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ ہی کے جمع کردہ نہیں ہیں؛ بلکہ ان میں سے کچھ ملفوظات شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے داماد حضرت مولانا عبدالحئیؒ صاحب کے جمع کردہ ہیں، ترتیب کے وقت شاہ صاحب نے ان کو کتاب کے دوسرے اور تیسرے باب میں بعینہٖ درج کردیا ہے، اصل کتاب میں اس کی تصریح موجود ہے۔

(۳) ''صراطِ مستقیم'' کی جس عبارت کی بنا پر شاہ اسماعیل شہیدؒ پر بے بنیاد الزام لگایا جاتا ہے، وہ باب دوم کی ہے جو فارسی نسخہ کے ص:۴۳ سے شروع ہوکر ص:۱۰۲ پر ختم ہوتا ہے۔ اس لیے ہوسکتا ہے کہ باب دوم کی یہ عبارت ان اوراق کی ہو جن کو حضرت مولانا

عبدالحی صاحبؒ نے قلم بند کیا تھا، ایسی صورت میں علی التّعیین یقین کے ساتھ اس کو شاہ اسماعیل شہیدؒ کی طرف منسوب کرنا اور اس عبارت کو قطعی طور پر ان کے کفریات میں شمار کرنا سراسر ظلم ہے، اگر اس عبارت میں کوئی توہین کی بات ہے تو پہلے حضرت سید احمد شہیدؒ صاحب رائے بریلویؒ کو کافر قرار دینا چاہیے کیوں کہ ملفوظات تو ان کے ہیں، اور اگر جامع ہونے کی وجہ سے کافر قرار دینا ہے تو حضرت مولانا عبدالحی صاحب کے کافر ہونے کا بھی احتمال ہے کہ شاید یہ عبارت ان اوراق کی ہو جو انہوں نے جمع کیے ہیں؛ لیکن عموماً اہلِ بدعت اس عبارت کی وجہ سے صرف حضرت مولانا اسماعیل شہید کو کافر کہتے ہیں —— یہ عجیب ماجرا ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔

(۴) تصوف کے بعض سلسلوں میں سالک کی تربیت کا ایک طریقہ رائج ہے، جس کو ''صَرفِ ہمت'' کہا جاتا ہے، یہ صوفیہ کی خاص اصطلاح ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ سالک کی توجہ کو یکسو کرنے کے لیے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ مراقبہ میں پوری عظمت و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے شیخ کا تصور کرے، یعنی تمام خیالات سے اپنے دل کو خالی کرکے دل میں شیخ کی صورت کو جمائے اور اسی کا دھیان باندھے گویا وہ حاضر ہے —— اور کبھی یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ اسی طرح مراقبہ میں سالک رسول اللہ ﷺ کا تصور کرے، اور اپنے دل کو ہر قسم کے خیالات وخطرات سے خالی کرکے دل میں رسول اللہ کا دھیان باندھے حتیٰ کہ اس وقت دل میں اللہ کا بھی دھیان نہ ہو؛ تاکہ پوری یکسوئی اور دلجمعی حاصل ہو —— اس کو صوفیہ کی اصطلاح میں ''شغلِ برزخ'' بھی کہا جاتا ہے اور خود ''صراطِ مستقیم'' میں اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

فائدہ : اشغالِ مبتدعہ میں سے ''شغلِ برزخ'' بھی ہے جو کہ اکثر متاخرین میں مشہور ہوگیا ہے .... اور شغلِ مذکور کی صورت یہ ہے کہ وسوسوں کو دور کرنے اور ارادے جمع ہونے کے لیے پوری تعیین اور تشخیص کے ساتھ شیخ کی صورت کو خیال میں حاضر کرتے ہیں، اور خود بہ نہایت ادب اور تعظیم اپنی پوری ہمت سے اس صورت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، گویا بڑے ادب اور تعظیم کے ساتھ شیخ کے سامنے بیٹھے ہیں، اور دل کو اسی

کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔

(صراطِ مستقیم مترجم، ص:۱۳۴-۱۳۵، صراط مستقیم فارسی، ص:۱۱۸)

(۵) فارسی محاورے میں متاعِ دنیا کو ''گاؤ خر'' سے تعبیر کرتے ہیں، فارسی کا مشہور شعر ہے:

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر ❁ ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

ترجمہ: زبان پر تسبیح اور دل میں گاؤ خر ایسی تسبیح سے کیا فائدہ؟!

ظاہر ہے کہ اس شعر میں ''گاؤ خر'' سے صرف گدھا اور بیل مراد نہیں؛ بلکہ تمام وہ چیزیں مراد ہیں جو انسان کو خدا سے غافل کرنے والی ہیں، گاؤ خر کے یہ معنی خود ''صراط مستقیم'' میں بیان کیے گئے ہیں: گاؤ خر تمثیل است ہر چہ سوائے حضورِ حق است، گاؤ باشد یا خر، فیل باشد یا شتر۔ (صراطِ مستقیم، ص:۸۵)

جواب

ان تمہیدی باتوں کے بعد جاننا چاہیے کہ ''صراطِ مستقیم'' میں یہ نہیں ہے کہ نماز میں رسولِ اکرم ﷺ کی طرف خیال لے جانا، بیل اور گدھے کے تصور میں ہمہ تن ڈوب جانے سے بدر جہا بدتر ہے —— صراطِ مستقیم کی عبارت غور سے پڑھئے:

''آرے بہ مقتضائے ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ از وسوسۂ زنا خیال مجامعتِ زوجۂ خود بہتر است —— وصرفِ ہمت بسوئے شیخ وامثالِ آں از معظمین گو جنابِ رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق درصورتِ گاؤ وخر خود است کہ خیالِ آں باتعظیم واجلال بسویدائے دل انسان می چسپد، بخلاف خیالِ گاؤ وخر کہ نہ آں قدر چسپیدگی می بود ونہ تعظیم؛ بلکہ مہان ومحقّر می بود وایں تعظیم واجلالِ غیر کہ درنماز ملحوظ ومقصود می شود بشرک می کشد''۔ (صراط مستقیم، ص:۸۶)

ترجمہ: ہاں بہ مقتضائے ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ (اوپر تلے بہت سے اندھیرے ہیں) زنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے —— اور شیخ یا اسی جیسے

بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ﷺ ہوں، صرفِ ہمت کرنا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بدر جہا بدتر ہے؛ کیونکہ شیخ کا خیال تو تعظیم و تکریم کے ساتھ انسان کے دل کی گہرائی میں پیوست ہوجاتا ہے، اور بیل اور گدھے کے خیال کو نہ اس قدر چسپیدگی (تعلق اور لگاؤ) ہوتی ہے اور نہ تعظیم؛ بلکہ وہ خیال حقیر اور ذلیل ہوتا ہے اور غیر اللہ کی یہ تعظیم و تکریم جو نماز میں ملحوظ و مقصود ہوتی ہے، شرک کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں اللہ جل شانہ کی طرف سے دھیان کو ہٹا کر کسی اور چیز کی طرف لے جانا بُرا ہے؛ کیونکہ ہیئاتِ نماز میں جو خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ مطلوب ہے اس کے منافی ہے؛ لیکن تمام وساوس اور خیالات کا حکم یکساں نہیں ہے؛ بلکہ بعض وساوس بعض سے زیادہ برے ہیں، مثلاً اپنی بیوی کے ساتھ جماع کا خیال اتنا برا نہیں جتنا زنا کا خیال برا ہے —— اسی طرح نماز میں اپنے شیخ یا کسی بزرگ یا رسول اللہ ﷺ کی طرف صرفِ ہمت کرنا، یعنی اپنے دل کو تمام خیالات حتی کہ توجہ الی اللہ سے بھی قصداً خالی کر کے شیخ یا رسول اللہ ﷺ کی طرف ہمہ تن متوجہ کرنا اور اسی کو مرکزِ توجہ بنانا یہ زیادہ برا ہے دنیوی وساوس میں مستغرق ہونے سے؛ کیونکہ دنیوی وساوس قصد و اختیار سے نہیں لائے جاتے بلکہ خود بہ خود آجاتے ہیں، اور نمازی کو ان سے ایسی دلچسپی نہیں ہوتی جو مفضی الی التعظیم ہو بلکہ ان کی حقارت پیش نظر رہتی ہے؛ اسی لیے جب نمازی کو اس کا خیال آتا ہے تو تمام وساوس کو دل سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اور خشوع و خضوع پیدا کر لیتا ہے، برخلاف "صرفِ ہمت" کے کہ اس میں بالقصد اپنی توجہ کا مرکز شیخ یا رسولِ خدا کو بنایا جاتا ہے اور ان کے تصور کے سوا ہر خیال کو حتیٰ کہ اللہ جل شانہ کے خیال کو بھی دل سے نکال کر شیخ یا رسالت مآب ﷺ کی خیالی صورت کو تعظیم و تکریم کے ساتھ ملحوظ و مقصود بنایا جاتا ہے؛ اس لیے نمازی توجہ الی اللہ سے محروم ہوجاتا ہے، اور اس کی تعظیم و تکریم یعنی قیام، رکوع اور سجدہ وغیرہ سب غیر اللہ کے لیے ہوجاتا ہے، اور ایسی تعظیم و تکریم انسان کو شرک کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے؛ اسی لیے صرفِ ہمت کو دنیوی وساوس

سے بدر جہا بدتر کہا گیا ہے۔ فَافْهَمْ وَتَدَبَّرْ!

لیکن صرفِ ہمت اور شغلِ برزخ کے بغیر نماز میں رسول اللہ ﷺ کا خیال آجائے یا التحیات اور دُرود شریف پڑھتے وقت آنحضرت ﷺ کی طرف خیال چلا جائے، اس طرح پر کہ توجہ الی اللہ میں کوئی خلل واقع نہ ہو تو اس کی نماز نہ صرف کامل بلکہ اکمل ہوگی، ''خود صراطِ مستقیم'' میں اس مقام پر تصریح ہے کہ اگر حالتِ نماز میں ملائکہ اور انبیاء واولیاء کی ارواح کا انکشاف ہو جائے تو وہ قبیح اور مذموم نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کا جلیل القدر انعام ہے، جو اللہ کے مخصوص بندوں کو عطا کیا جاتا ہے''صراطِ مستقیم'' میں ہے:

''نباید دانست کہ سنوحِ مسائلِ غریبہ وکشف ارواح وملائکہ در نماز قبیح است؛ بلکہ توجیہِ ہمت وقصد ایں کار در طویّت وامتزاج ایں مدعا در نیت، مخالفِ خلوص مخلصان است، واما سنوح وکشف مذکورَین پس از قبیل خلعتہائے فاخرہ است کہ مخلصان مستغرق حضورِ حق را بسبب وفور عنایتہا بآں می نوازند، پس در حق ایشاں کمالے است کہ در موطن مثال مجسّم گردیدہ، ونماز ایشاں عبادتے ست کہ ثمرہ اش بمنظر رسیدہ''۔ (صراطِ مستقیم، ص:۸۵)

ترجمہ: یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ غریب مسائل کا سمجھ میں آجانا اور ارواح وفرشتوں کا کشف نماز میں بُرا ہے؛ بلکہ اپنی ہمت کو اس کی طرف متوجہ کرنا اور دل میں اس کام کا ارادہ کرنا اور نیت میں اس مقصد کو ملا دینا مخلص لوگوں کے اخلاص کے مخالف ہے، اور خود بخود مسائل کا دل میں آجانا اور ارواح اور فرشتوں کا کشف ان فاخرہ نعمتوں میں سے ہے جو حضورِ حق میں مستغرق حضرات کو نہایت مہربانیوں کی وجہ سے نوازا جاتا ہے، پس یہ ان کے حق میں ایسا کمال ہے جو کہ عالمِ مثال میں مجسم ہو گیا ہے اور ان کی نماز ایسی عبادت ہے کہ اس کا ثمرہ ان کی آنکھوں کے سامنے آگیا ہے۔

حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ پر بہتان

آپ کا اسم گرامی: محمد قاسم، والد بزرگوار کا نام: اسد علی، جد امجد کا نام: غلام شاہ ہے اور تاریخی نام: ''خورشید حسین'' ہے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے

ملتا ہے، شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ میں قصبہ ''نانوتہ'' میں پیدا ہوئے جو دیوبند سے بارہ کوس مغرب میں واقع ہے، ۱۵/ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی، جو آج ایشیاء کا عظیم ترین دینی ادارہ ہے، ۴/ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۰ھ جمعرات کے دن بعد نماز ظہر انتقال فرمایا، دارالعلوم دیوبند سے متصل ''قبرستانِ قاسمی'' میں مدفون ہیں۔

پہلا بہتان

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ پر رضا خانیوں نے یہ بہتان باندھا ہے کہ حضرت نانوتویؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتمِ زمانی ہونے کے منکر ہیں، اور یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پچھلے نبی نہیں ہیں، آپ کے بعد بھی دوسرے نبی کا آنا ممکن ہے ــــ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم زمانی ہونا ضروریات دین میں سے ہے؛ لہٰذا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پچھلا نبی نہ جانے وہ مسلمان نہیں، خاں صاحب بریلوی ''حسام الحرمین'' میں لکھتے ہیں:

''اور قاسمیہ، قاسم نانوتویؒ کی طرف منسوب جس کی ''تحذیر الناس'' ہے، اور اس نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے: بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو، جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے؛ بلکہ بالفرض اگر بعد زمانۂ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب میں آخری نبی ہیں؛ مگر اہل فہم پر روشن کہ تقدم یا تأخرِ زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں ــــ حالانکہ فتاویٰ تتمہ اور الاشباہ والنظائر وغیرہما میں تصریح فرمائی کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پچھلا نبی نہ جانے تو مسلمان نہیں؛ اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر الانبیاء ہونا، سب انبیاء سے زمانہ میں پچھلا ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، اور یہ وہی نانوتویؒ ہے جسے محمد علی کانپوری (۱) ناظم ندوہ نے ''حکیم امتِ محمدیہ'' کا لقب دیا ہے، پاکی ہے اسے جو دلوں اور آنکھوں کو پلٹ دیتا ہے، وَلَاحَوْلَ وَلَا

(۱) محمد علی کان پوری سے حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ مراد ہیں۔ ۱۲

قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ“ (حسام الحرمین، ص:۱۳)

تمہید جواب

جواب سے پہلے چند باتیں تمہید کے طور پر جان لینی چاہئیں؛ تاکہ حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی عبارتوں کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے:

(۱) سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ ”تحذیر الناس“ کا موضوع کیا ہے؟ — تحذیر الناس کا موضوع یہ ہے کہ قرآن کریم میں سورۂ طلاق میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں پیدا فرمائی ہیں، اس ارشاد خداوندی کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک اثر مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں پیدا فرمائی ہیں اور ہر زمین میں مخلوق ہے، اور آدم ہیں تمہارے آدم کی طرح، نوح ہیں تمہارے نوح کی طرح، ابراہیم ہیں تمہارے ابراہیم کی طرح، عیسیٰ ہیں تمہارے عیسیٰ کی طرح، اور محمد ہیں تمہارے محمد کی طرح۔ (الدر المنثور: ۶/ ۲۳۸)

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر ہے، بعض لوگوں نے اس اثر کا یہ خیال کرتے ہوئے انکار کیا ہے کہ اگر اس زمین کے علاوہ دیگر زمینوں میں بھی محمد ہوں گے تو وہ بھی خاتم النبیین ہوں گے جب کہ قرآن کہتا ہے کہ خاتم النبیین صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، لہٰذا یہ روایت غلط ہے، کسی نے اس سلسلہ میں حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ سے سوال کیا، تو حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے اس کا جواب ارقام فرمایا، کتاب کا پورا نام فتوٰی تحذیر النّاس من إنکار أثر ابن عباس ہے، اس کتاب میں حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر کو صحیح مان کر نہایت وضاحت کے ساتھ یہ ثابت فرمایا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس زمین کے انبیاء کے خاتم نہیں ہیں؛ بلکہ تمام زمینوں کے انبیاء کے خاتم ہیں۔

(۲) حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے تحذیر الناس میں ختم نبوت کی تین قسمیں بیان

فرمائی ہیں: (۱) ختمِ نبوت رتبی (۲) ختمِ نبوت زمانی (۳) اور ختمِ نبوت مکانی اور دلائل سے ثابت فرمایا ہے کہ آپ ﷺ تینوں اعتبار سے خاتم النبیین ہیں۔

ختمِ نبوت رتبی

ختم نبوت رتبی کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ وصفِ نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہیں اور دیگر انبیائے کرام وصفِ نبوت کے ساتھ بالعرض متصف ہیں، یعنی آپ ﷺ پر نبوت کے کمالات و مراتب تمام ہوگئے ہیں؛ اس لیے آپ ﷺ مراتب کے اعتبار سے خاتم النبیین ہیں۔

ختمِ نبوت زمانی

ختم نبوت زمانی کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور ﷺ تمام انبیائے کرام کے آخر میں تشریف لائے ہیں، آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا؛ اس لیے آپ ﷺ زمانہ کے اعتبار سے بھی خاتم النبیین ہیں۔

ختمِ نبوت مکانی

ختم نبوت مکانی کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور ﷺ سات زمینوں میں سے سب سے افضل اور اعلیٰ زمین میں تشریف لائے ہیں، اس کو حضرت نانوتویؒ نے تفصیل سے سمجھایا ہے؛ اس لیے آپ ﷺ مکان یعنی زمینوں کے اعتبار سے بھی خاتم النبیین ہیں۔

(۳) وصف نبوت کے ساتھ بالذات اور بالعرض متصف ہونے کی وضاحت یہ ہے کہ دنیا میں جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں، وہ دو طرح کی ہیں: ایک ذوات، دوسری صفات، جیسے کاغذ کی سفیدی میں سفیدی وصف ہے اور کاغذ ذات ہے، اسی طرح دنیا میں جتنے اوصاف پائے جاتے ہیں وہ بھی دو طرح کے ہیں: بالذات اور بالعرض، مثلاً: جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی روشنی درو دیوار پر پڑتی ہے اور سورج کی طرح درودیوار بھی روشن

ہوجاتے ہیں، مگر درودیوار کی روشنی بالعرض ہے؛ اس لیے سورج کے غروب ہونے پر درو دیوار پر تاریکی چھاجاتی ہے، اور سورج کی روشنی ذاتی ہے اس لیے سورج ہر وقت چمکتا رہتا ہے ـــــ یہی حال تمام اوصاف کا ہے کہ جتنی صفات بالعرض ہوتی ہیں وہ کسی موصوف بالذات پر جاکر منتہی ہوتی ہیں اور موصوف بالذات سے تجاوز نہیں کرسکتیں، جیسے درودیوار کی روشنی سورج کا فیض ہے، مگر سورج کی روشنی اس کی ذاتی ہے۔

اب دیکھئے کہ نبوت کسی ذات کا نام نہیں ہے؛ بلکہ نبوت ایک وصف ہے اور نبی ذات مع الوصف کا نام ہے، یعنی نبی وہ شخصیت ہے جو وصفِ نبوت کے ساتھ متصف ہے، پھر مزید غور کیجیے کہ سارے انبیاء جو تعداد میں ایک لاکھ سے زیادہ ہیں، وہ وصفِ نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہیں یا بالعرض؟ یا بعض بالذات اور بعض بالعرض؟ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ ان میں سے کوئی ایک نبی وصفِ نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہے اور باقی سارے انبیاء وصف نبوت کے ساتھ بالعرض متصف ہیں، یہی مضمون خاتم النبیین میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضور ﷺ کی نبوت تو بالذات ہے اور دیگر انبیائے کرام کی نبوت آپ کی نبوت کا فیض ہے، جہاں جہاں آپ کا فیض پہنچا، وہ وصف نبوت کے ساتھ متصف ہوگئے، یعنی حضور اکرم ﷺ تمام انبیائے کرام کی نبوت کا منبع اور سرچشمہ ہیں، آپ کی نبوت کے طفیل میں سارے انبیاء کی نبوت وجود میں آئی ہے، لہٰذا تمام انبیاء کی نبوت چاہے وہ رسول ہوں یا نبی ہوں، خاتم النبیین کی نبوت کا فیض ہے ـــــ یہی آپ ﷺ کا سب سے بڑا کمال ہے اور عام لوگ جو خاتم النبیین کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ تمام انبیاء کے آخر میں تشریف لائے ہیں اور آپ ﷺ صرف زمانہ کے اعتبار سے خاتم النبیین ہیں، یہ صرف سرسری بات ہے کیوں کہ زمانہ کے اعتبار سے آگے پیچھے ہونا کوئی کمال نہیں ہے، حضرت نانوتوی کتاب کے آغاز میں تحریر فرماتے ہیں:

''عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ ﷺ سب میں آخری نبی ہیں؛ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تأخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں''۔ (تحذیر الناس، ص:۳) اور

اسی صفحہ کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

''بلکہ بناء خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تأخرِ زمانی اور سد باب مذکور خود بہ خود لازم آجاتا ہے، اور فضیلت نبوی دوبالا ہوجاتی ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہوجاتا ہے، جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے، موصوف بالذات کا وصف ـــ جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہے ـــ کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا، مثال درکار ہوتو لیجیے زمین و کہسار اور درودیوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہے تو آفتاب کا نور کسی اور کا فیض نہیں''۔ (تحذیر الناس، ص:۳-۴)

پھر صفحہ:۴ اپر تحریر فرماتے ہیں:

''اطلاق خاتم اس بات کو مقتضی ہے کہ تمام انبیاء کا سلسلۂ نبوت آپ ﷺ پر ختم ہوتا ہے، جیسے انبیائے گذشتہ کا وصف نبوت میں حسب تقریر مسطور اس لفظ سے آپ کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے اور آپ ﷺ کا اس وصف میں کسی کی طرف محتاج نہ ہونا، اس میں انبیائے گذشتہ ہوں یا کوئی اور، اسی طرح اگر فرض کیجیے آپ کے زمانہ میں بھی اس زمین میں یا کسی اور زمین یا آسمان میں کوئی نبی ہوتو وہ بھی اس وصف نبوت میں آپ ہی کا محتاج ہوگا، اور اس کا سلسلۂ نبوت بہر طور آپ پر مُختتم ہوگا، اور کیوں نہ ہو عمل کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے، جب علم ممکن للبشر ہی ختم ہولیا تو پھر سلسلہ علم وعمل کیا چلے! غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیائے گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا؛ بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ (تحذیر الناس، ص:۱۴)

اس کے بعد صفحہ:۲۸ پر ارقام فرماتے ہیں:

''اگر خاتمیت بمعنی اتصافِ ذاتی بوصف نبوت لیجیے ـــ جیسا کہ اس ہیچمداں نے عرض کیا ہے ـــ تو پھر سوائے رسول اللہ ﷺ اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی نہیں کہہ سکتے، بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افرادِ خارجی ہی پر آپ کی

افضلیت ثابت نہ ہوگی افرادِ مقدرہ پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہو جائے گی؛ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجیے اسی زمین پر کوئی اور نبی تجویز کیا جائے"۔ (تحذیر الناس، ص:۲۸)

(۴) حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے "تحذیر الناس" میں یہ مسئلہ بھی واضح فرمادیا ہے کہ ختم نبوت رُتبی کے لیے ختم نبوت زمانی لازم ہے، کیوں کہ جو ہستی وصف نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہے، اگر وہ تمام نبیوں سے پہلے آئے یا ان کے درمیان میں آئے تو محذور لازم آئے گا — اور وہ محذور اور خرابی یہ ہے کہ خاتم النبیین کے بعد جو انبیاء آئیں گے اگر ان کے پاس وحی نہ آئے اور ان کو نئے علوم سے نہ نوازا جائے تو وہ نبی نہیں ہوں گے، اور اگر ان انبیاء متاخرین کے پاس وحی تو آئے؛ مگر اس میں علومِ جدیدہ نہ ہوں تو وہ وحی تحصیل حاصل ہوگی، اور اگر ان کے پاس وحی آئے اور ان کو نئی شریعت اور نئے علوم سے نوازا جائے تو موصوف بالذات کی شریعت کا موصوف بالعرض کی شریعت سے منسوخ ہونا لازم آئے گا؛ حالانکہ ناسخ کے لیے منسوخ سے افضل ہونا یا منسوخ کے مساوی ہونا ضروری ہے، مفضول؛ افضل کے لیے ناسخ نہیں بن سکتا، خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا﴾ (سورۂ بقرہ، آیت:۱۰۶)

ترجمہ: ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا اس آیت ہی کو (ذہنوں سے) فراموش کر دیتے ہیں، تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کے مثل لے آتے ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ناسخ ہمیشہ منسوخ سے بہتر یا منسوخ کے مانند ہوتا ہے، پس اگر خاتم النبیین شروع میں تشریف لائیں یا درمیان میں آجائیں تو بعد میں آنے والے نبیوں کی شریعت ان کی شریعت کو منسوخ کر دے گی اور یہ بات ناممکن ہے؛ اسی لیے حضرت نے فرمایا ہے کہ خاتم النبیین کے لیے سب سے آخر میں آنا ضروری ہے، اور ختم نبوت رتبی کے لیے تاخر زمانی لازم ہے۔

حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ تحریر فرماتے ہیں:

''بالجملہ رسول اللہ ﷺ وصف نبوت میں موصوف بالذات ہیں، اور سوا آپ کے اور انبیاء موصوف بالعرض'' اس صورت میں اگر رسول اللہ ﷺ کو اول یا اوسط میں رکھتے تو انبیاءِ متاخرین کا دین اگر مخالفِ دینِ محمدی ہوتا، تو اعلیٰ کا ادنیٰ سے منسوخ ہونا لازم آتا؛ حالانکہ خود فرماتے ہیں: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا﴾ اور کیوں نہ ہو! یوں نہ ہو تو اعطائے دین من جملۂ رحمت نہ رہے، آثارِ غضب میں سے ہو جائے، ہاں اگر یہ بات متصور ہوتی کہ اعلیٰ درجہ کے علماء کے علوم ادنیٰ درجہ کے علماء کے علوم سے کمتر اور ادوَن ہوتے ہیں تو مضائقہ بھی نہ تھا، پر سب جانتے ہیں کہ کسی عالم کا عالی مراتب ہونا علومِ مراتب علوم پر موقوف ہے، یہ نہیں تو وہ بھی نہیں۔

اور انبیاء متاخرین کا دین اگر مخالف نہ ہوتا تو یہ بات تو ضرور ہے کہ انبیاء متاخرین پر وحی آتی، اور افاضۂ علوم کیا جاتا، ورنہ نبوت کے پھر کیا معنی؟ سو اس صورت میں اگر وہی علوم محمدی ہوتے تو بعد وعدۂ محکم ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ کے جو بہ نسبت اس کتاب کے جس کو قرآن کہیے، اور بشہادتِ آیت ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ جامع العلوم ہے، کیا ضرورت تھی؟ اور اگر علوم انبیاء متاخرین، علومِ محمدی کے علاوہ ہوتے تو اس کتاب کا ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ ہونا غلط ہو جاتا۔

بالجملہ جیسے ایسے نبی جامع العلوم کے لیے ایسی ہی کتاب جامع چاہیے تھی؛ تا کہ علوم مراتب نبوت جو لا جرم علوم مراتب علمی ہے ــــ چنانچہ معروض ہو چکا ــــ میسر آئے، ورنہ یہ علوم مراتب نبوت بیشک ایک قولِ دروغ اور حکایتِ غلط ہوتی، ایسے ہی ختم نبوت بمعنی معروض کو تأخر زمانی لازم ہے''۔ (تحذیر الناس، ص:۸)

جواب

ان تمہیدی مقدمات کے بعد خاں صاحب بریلوی کے بہتان کا جواب سنئے! خاں صاحب بریلوی نے ''تحذیر الناس'' کے مختلف صفحات کی عبارتیں آگے پیچھے کر کے پیش کی ہیں، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی مذموم سعی کی ہے کہ

حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ معاذ اللہ! آنحضور ﷺ کے خاتم زمانی ہونے کے منکر ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ سب سے پچھلے نبی نہیں ہیں، آپ کے بعد بھی نبی کا آنا ممکن ہے ـــــ حالانکہ حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے خود ''تحذیر الناس'' میں تحریر فرمایا ہے کہ آنحضور ﷺ سب سے پچھلے نبی ہیں، جو آپ کو سب سے پچھلا نبی نہ مانے وہ کافر ہے، حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ ارقام فرماتے ہیں:

''اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوتِ خاتمیتِ زمانی ظاہر ہے، ورنہ تسلیم لزوم خاتمیتِ زمانی بدلالت التزامی ضرور ہے، ادھر تصریحاتِ نبوی مثل اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ، اَوْ کَمَا قَالَ جو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے، اس باب میں کافی؛ کیوں کہ یہ مضمون درجۂ تواتر کو پہنچ گیا ہے، پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا، گو الفاظ مذکورہ بہ سند متواتر منقول نہ ہوں، سو یہ عدم تواترِ الفاظ باوجود تواترِ معنوی، یہاں ایسا ہی ہوگا جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ، باوجودیکہ الفاظ احادیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں، جیسا اس کا منکر کافر ہے، ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا''۔ (تحذیر الناس، ص:۱۰)

اس عبارت میں حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے تین بلکہ چار دلیلوں سے آنحضرت ﷺ کا خاتم زمانی ہونا ثابت فرمایا ہے، اور یہ بھی صراحۃً لکھ دیا ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کے خاتم زمانی ہونے کا منکر ہو، وہ ایسا ہی کافر ہے، جیسا فرائض و وتر وغیرہ کی رکعات کی تعداد کا منکر کافر ہے، چاروں دلیلوں کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے:

پہلی دلیل

پہلی دلیل یہ ہے کہ ''خاتم النبیین'' میں جو لفظ خاتم ہے، اس کو عام اور مطلق رکھئے اور ختم نبوت کی تینوں قسموں میں سے کوئی خاص قسم مراد نہ لیجئے، تو ختم نبوت رُتبی، ختم نبوت زمانی، اور ختم نبوت مکانی تینوں طرح کی ختم نبوت آپ ﷺ کے لیے قرآن کریم سے صراحۃً ثابت ہوں گی، حضرت ''مناظرۂ عجیبہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''اگر خاتم کو مطلق رکھیے، تو پھر خاتمیت مرتبی اور خاتمیت زمانی اور خاتمیتِ مکانی تینوں اس سے اسی طرح ثابت ہوجائیں گے، جس طرح آیت ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ (سورۂ مائدہ، آیت: ۹۰) میں لفظ ﴿رِجْسٌ﴾ سے نجاستِ معنوی اور نجاستِ ظاہری دونوں ثابت ہوتی ہیں، اور اس ایک مفہوم کا انواعِ مختلفہ پر محمول ہونا ظاہر ہوتا ہے''۔ (مناظرۂ عجیبہ، ص: ۳۷)

دوسری دلیل

خاتم النبیین میں جو لفظ خاتم ہے، اس سے صرف ختم نبوت رتبی مراد لیجیے، اس صورت میں بھی ختم نبوت زمانی دلالت التزامی کے طور پر ثابت ہوگی اور اس کو تسلیم کرنا ضروری ہوگا؛ کیوں کہ ختم نبوت رتبی کے لیے تأخر زمانی لازم ہے، اس کی تفصیل تمہید میں گذر چکی ہے۔

تیسری اور چوتھی دلیل

احادیث متواترہ اور اجماعِ امت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آنحضور ﷺ سب سے آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا؛ اس لیے اس کا منکر کافر ہے، اگرچہ احادیث کا تواتر لفظی نہیں معنوی ہے؛ مگر جب اس پر اجماع ہو چکا اور پوری امت کا اتفاق ہو چکا تو اب کسی کے لیے انکار کی گنجائش باقی نہ رہی۔

الحاصل حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے ''تحذیر الناس'' میں خاتمیتِ زمانی کا انکار نہیں کیا ہے؛ بلکہ خاتمیتِ زمانی کے ساتھ خاتمیتِ رُتبی اور خاتمیتِ مکانی کو ثابت فرما کر آنحضور ﷺ کی افضلیت کو بامِ عروج تک پہنچا دیا ہے، حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ ''مناظرۂ عجیبہ'' پر فرماتے ہیں:

''حاصل مطلب یہ ہے کہ خاتمیت زمانی سے مجھ کو انکار نہیں؛ بلکہ یوں کہیے کہ منکروں کے لیے گنجائشِ انکار نہ چھوڑی، افضلیت کا اقرار ہے؛ بلکہ اقرار کرنے والوں کے

پاؤں جمادیئے، اور نبیوں کی نبوت پر ایمان ہے، پر رسول اللہ ﷺ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتا، یہی وجہ ہے کہ ان کو دربارۂ نبوت رسول اللہ ﷺ سے مستفید کہا، ورنہ بروئے تحقیق سب برابر ہو جاتے اور کسی کو کسی پر افضلیت نہ رہتی یا رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی اور نبی کو ماننا پڑتا"۔ (مناظرۂ عجیبہ، ص:۵۰)

خاں صاحب کی خیانت

خاں صاحب بریلوی نے "تحذیر الناس" کے حوالہ سے حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی جو عبارت "حسام الحرمین" میں نقل کی ہے، وہ تین الگ الگ صفحوں کی عبارتیں ہیں، جن کو آگے پیچھے کر کے خاں صاحب نے پیش کیا ہے، پہلا فقرہ صفحہ:۱۴ کا ہے، دوسرا صفحہ:۲۸ کا، تیسرا صفحہ:۳ کا ہے، اور کوئی قرینہ ایسا نہیں جس سے کوئی دیکھنے والا یہ سمجھ سکے کہ یہ عبارت مختلف صفحوں کی ہے، یہ کتنی بڑی علمی خیانت ہے، اس کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں ایک اور خیانت ملاحظہ فرمائیے کہ سب سے پہلے صفحہ:۱۴ کا یہ فقرہ نقل کیا ہے: "بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو، جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے ـــــــ پھر صفحہ:۲۸ کا یہ فقرہ نقل کیا ہے: "بلکہ بالفرض اگر بعد زمانۂ نبویؐ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا" ـــــــ پھر صفحہ:۳ کی یہ عبارت نقل کی ہے: "عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا، الخ"۔

کیا کوئی بھی عقل مند خاں صاحب کو ان کی اس نازیبا حرکت پر معذور کہہ سکتا ہے؟ اگر پہلے صفحہ:۳، پھر صفحہ:۱۴ پھر صفحہ:۲۸ کی عبارت نقل کرتے تب بھی کچھ گنجائش ہو سکتی تھی کہ بالترتیب مختلف صفحوں کی عبارت نقل کرتے چلے گئے؛ مگر اب تو یہ عذر بھی نہیں ہو سکتا، لامحالہ کفریہ مضمون بنانے کے لیے خاں صاحب نے جان بوجھ کر ترتیب کو بدلا ہے اور کفریہ مضمون تراشا ہے۔

لیکن آپ غور کیجیے! صفحہ:۱۴ کی عبارت میں حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ تحریر فرماتے

ہیں: ''بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے'' اور صفحہ: ۲۸ پر تحریر فرماتے ہیں: ''بلکہ اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا''، ہر دو مقام پر حضرت خاتمیت کا اقرار فرما رہے ہیں اور یہ امر پیش نظر ہے کہ خاتمیتِ محمدی جو قطعی ہے، وہ باقی رہنی چاہیے، پھر حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ پر یہ الزام لگانا کہ وہ خاتمیت کے منکر ہیں کس قدر دھوکا ہے؟ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ حضرت خاتمیت کے منکر بھی ہوں اور یہ بھی فرمائیں کہ ''خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے'' اور خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا''، ہر شخص ادنیٰ غور سے سمجھ سکتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ اس مقام پر کوئی اور خاتمیت ثابت فرما رہے ہیں، جو خاتمیت زمانی کے علاوہ ہے، اور اسی خاتمیت کا یہ حال بیان فرما رہے ہیں کہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں یا بالفرض آپ کے بعد بھی کوئی نبی فرض کیا جائے تب بھی خاتمیتِ محمدی میں کوئی فرق نہ آئے گا، وہ خاتمیت کونسی ہے؟ وہ خاتمیتِ رتبی ہے ـــــ اور صفحہ: ۳۰ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کو صرف خاتم زمانی ماننا یہ عوام کا خیال ہے، محققین کے نزدیک آپ جیسے خاتم زمانی ہیں، ویسے ہی خاتمِ رُتبی بھی ہیں۔

دوسرا بہتان

حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ پر دوسرا الزام یہ لگایا گیا ہے کہ وہ امتیوں کو عمل میں انبیائے کرام کے مساوی بلکہ بڑھا ہوا تسلیم کرتے ہیں، یہ انبیائے کرام کی شان میں گستاخی ہے، مولوی محمد عمر صاحب تحذیر الناس کی عبارت اور قرآن پاک کی یہ آیت: ﴿النَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ نقل کر کے لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ تمام عالمیاں کی جانوں کے مقابلہ میں نبی ﷺ کو اولیٰ فرماویں اور تم اپنی جانوں کے اعمال کو نبی ﷺ کے اعمال سے برتر سمجھو، کیا دیوبندی فرقہ کو قرآنی تعلیم کا اور نبی ﷺ کی غلامی کا یہی اثر ہے کہ اپنے آقا سے غلامی کو اعمال میں بالا سمجھتے ہو''۔

(مقیاس حنفیت، ص: ۲۱۰)

جواب

''تحذیر الناس'' کی جس عبارت کی وجہ سے حضرت نانوتویؒ پر الزام لگایا گیا ہے وہ یہ ہے: ''انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات ''بظاہر'' امتی مساوی ہو جاتے ہیں؛ بلکہ بڑھ جاتے ہیں''۔
(تحذیر الناس، ص:۵)

دیکھئے! تحذیر الناس کی عبارت میں ''بہ ظاہر'' کا لفظ موجود ہے جس پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے، اس لفظ سے مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ عمل میں امتی کا نبی کے برابر ہو جانا یا بڑھ جانا صرف ظاہری اعتبار سے ہوتا ہے، حقیقت میں نہیں یعنی کمیت اور مقدار کے اعتبار سے کبھی امتی عمل میں نبی سے بڑھ جاتے ہیں؛ لیکن کیفیت کے اعتبار سے کبھی امتی عمل میں نبی سے بڑھ نہیں سکتے۔

الغرض حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے جو بات بیان فرمائی ہے، وہ اتنی واضح اور بدیہی ہے کہ کوئی شخص اس کا انکار نہیں کر سکتا، دیکھئے! شبِ معراج میں پانچ (۵) نمازیں فرض ہوئیں، اس کے بعد آنحضرت ﷺ معتبر روایات کے مطابق تقریباً پندرہ (۱۵) برس دنیا میں رونق افروز رہے، جس کے تقریباً پانچ ہزار چار سو (۵۴۰۰) دن ہوتے ہیں، اور ستائیں ہزار (۲۷۰۰۰) نمازیں، گویا آنحضرت ﷺ نے تقریباً ستائیس ہزار فرض نمازیں اپنی حیات طیبہ میں ادا فرمائیں؛ لیکن فرض کیجیے کہ آپ ﷺ کا ایک امتی بلوغ کے بعد سو (۱۰۰) سال کی عمر پاتا ہے، اور اللہ کی توفیق سے تمام فرض نمازیں ادا کرتا ہے، تو اس کی فرض نمازوں کی تعداد پونے دو لاکھ کے قریب ہوگی، اور کمیت و مقدار میں اس امتی کی فرض نمازیں آنحضرت ﷺ کی فرض نمازوں سے زیادہ ہوں گی، اس کا کون انکار کر سکتا ہے؟! اگرچہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور اکرم ﷺ کے ایک سجدہ کا جو وزن ہے، وہ اُن پونے دو لاکھ نمازوں کا نہیں ـــــ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں صرف ایک فرض حج کیا ہے؛ لیکن امتِ محمدیہ میں بہت سے

حضرات ایسے ہیں، جنہوں نے اللہ کی توفیق سے تیس چالیس حج کیے ہیں —— یہی مطلب ہے حضرت نانوتوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی عبارت کا، اوراس میں کسی نبی کی شان میں ادنیٰ درجہ کی گستاخی نہیں؛ لیکن ساون کے اندھے کو ہرا ہی سوجھتا ہے۔

حضرت گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ پر بہتان

(آپ کے حالات پہلے محاضرہ کے آخر میں مذکور ہیں)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ پر رضا خانیوں نے یہ بے بنیاد بہتان باندھا ہے کہ معاذ اللہ! وہ خدا کو جھوٹا مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولا، خاں صاحب بریلوی ''حسام الحرمین'' میں لکھتے ہیں:

''پھر تو ظلم و گمراہی میں اس کا حال یہاں تک بڑھا کہ اپنے ایک فتوی میں —— جو اس کا مہری دستخطی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، بمبئی وغیرہ میں بارہا مع رد کے چھپا —— صاف لکھ دیا: جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو بالفعل جھوٹا مانے اور تصریح کرے کہ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ جھوٹ بولا، اور یہ بڑا عیب اس سے صادر ہو چکا تو اس سے کفر بالائے طاق گمراہی درکنار فاسق بھی نہ کہو؛ اس لیے کہ بہت سے امام ایسا کہہ چکے ہیں جیسا اس نے کہا'' (ص:۱۵)

جواب

یہ خالص بہتان ہے، اس میں رتی بھر بھی صداقت نہیں، بلکہ اس کے برخلاف حضرت گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے، یا کہے کہ خدا جھوٹا ہے، وہ ہرگز مؤمن نہیں، وہ قطعًا کافر ہے، ملعون ہے، فتاوی رشیدیہ میں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ''ذاتِ باری تعالیٰ عزاسمہ موصوف بہ صفتِ کذب ہے یا نہیں؟ اور خدائے تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے یا نہیں؟ اور جو شخص

خدائے تعالیٰ کو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے، وہ کیسا ہے؟''

الجواب: ذاتِ پاک حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک ومنزّہ ہے اس سے کہ متصف بہ صفتِ کذب کیا جاوے، معاذ اللہ تعالیٰ! اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب کا نہیں ہے، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴾ — جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے؛ وہ ہرگز مؤمن نہیں ہے، وہ قطعًا کافر ہے، ملعون ہے، اور مخالف قرآن اور حدیث کا اور اجماعِ امت کا ہے، وہ ہرگز مؤمن نہیں، تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا، البتہ یہ عقیدہ اہلِ ایمان سب کا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مثل فرعون وہامان وابی لہب کو قرآن میں جہنمی ہونے کا ارشاد فرمایا ہے، وہ حکمِ قطعی ہے، اس کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرے گا؛ مگر وہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اس بات پر کہ ان کو جنت دیدیوے، عاجز نہیں ہوگیا، قادر ہے، اگرچہ ایسا اپنے اختیار سے نہ کرے گا، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ وَلَوْشِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ ﴾.

اس آیت سے واضح ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو سب کو مؤمن کر دیتا؛ مگر جو فرما چکا ہے اس کے خلاف نہ کرے گا اور یہ سب اختیار سے ہے اضطرار سے نہیں، وہ فاعلِ مختار ہے فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ہے، یہ عقیدہ تمام علمائے امت کا ہے؛ چنانچہ بیضاوی میں تحت تفسیر قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿إِنْ تَغْفِرْلَهُمْ إلخ﴾ لکھا ہے کہ عدمِ غفران شرک کا مقتضا وعید کا ہے، ورنہ کوئی امتناع ذاتی نہیں، اور یہ ہے عبارت اس کی: وَعَدَمُ غُفْرَانِ الشِّرْكِ مُقْتَضَى الْوَعِيْدِ فَلَا اِمْتِنَاعَ فِيْهِ لِذَاتِهٖ، واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(فتاوی رشیدیہ، ص:۹۳-۹۴، مطبوعہ: جسیم بک ڈپو، دیوبند)

رہا خاں صاحب بریلوی کا یہ کہنا کہ حضرت گنگوہیؒ کا مہری دستخطی فتویٰ بمبئی وغیرہ میں بارہا طبع ہوا ہے، اس میں انہوں نے معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کو بالفعل جھوٹا کہا ہے، تو یہ بھی خالص بہتان اور سفید جھوٹ ہے، حضرت گنگوہی قُدِّسَ سِرُّهٗ کے سب سے بڑے خلیفہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری تحریر فرماتے ہیں:

''اور یہ جو بریلوی کہتا ہے کہ اس کے پاس مولانا (گنگوہی) کے فتوے کا فوٹو ہے، جس میں ایسا لکھا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا قُدِّسَ سِرُّہٗ پر بہتان باندھنے کو یہ جعل ہے، جس کو گھڑ کر اپنے پاس رکھ لیا ہے، اور ایسے جھوٹ اور جعل اسے آسان ہیں؛ کیوں کہ وہ اس میں استاذوں کا استاذ ہے اور زمانہ کے لوگ اس کے چیلے؛ کیوں کہ تحریف و تلبیس و دجل و مکر کی اس کو عادت ہے، اکثر مہریں بنالیتا ہے، مسیح قادیانی سے کچھ کم نہیں؛ اس لیے کہ وہ رسالت کا کھلم کھلا مدعی تھا اور یہ مجددیت کو چھپائے ہوئے ہے، علمائے امت کو کافر کہتا رہتا ہے۔ (المہند علی المفند، ص:۳۷)

امکانِ کذب اور امکانِ نظیر کی مختصر وضاحت

دراصل یہ مسئلہ ''تقویۃ الایمان'' کی ایک عبارت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، وہ عبارت یہ ہے:

''اس شاہنشاہ (یعنی اللہ تعالی) کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کُن سے اگر چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن و فرشتہ جبرئیل اور محمد ﷺ کے برابر پیدا کر ڈالے''۔

(تقویۃ الایمان، ص:۲۷، دارالکتاب دیوبند)

اس پر پیر پرستوں نے کہا کہ اللہ جلَّ شانہ ہرگز محمد ﷺ کے مثل پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے، آپ کی نظیر محال بالذات ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں آپ کو خاتم النبیین فرمایا ہے، اگر آپ کا مثل ممکن ہو تو امکانِ کذب باری تعالیٰ اور قرآن کریم کی تکذیب لازم آئے گی اور یہ محال ہے، پس آپ کی نظیر بھی محال ہے کہ مستلزم محال کا محال ہوتا ہے، لہٰذا امکانِ نظیر کا عقیدہ کفر ہے۔

اہلِ حق نے اس کا جواب یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ حضورِ اکرم ﷺ کے مثل پیدا کرنے پر قادر ہیں، عاجز نہیں؛ کیوں کہ آپ کی نظیر ممکن بالذات ہے اور خدا تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہے، ہاں اپنے وعدہ کے مطابق آپ کا مثل ہرگز ہرگز پیدا نہیں کرے گا۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ﴾ و ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا﴾

لہٰذا آپ کا مثل پیدا کرنا محال بالغیر ہے، محال بالذات نہیں، جو قدرتِ خداوندی کے تحت داخل نہ ہو؛ کیوں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس ممکن ہے، واجب اور ممتنع نہیں، تو آپ کی نظیر بھی ممکن ہے؛ کیوں کہ ممکن کی نظیر ممکن ہی ہوسکتی ہے اور واجب بالذات یا ممتنع بالذات ممکن بالذات کی نظیر نہیں ہوسکتی۔

یہ ہے امکان کذب اور امکان نظیر کی مختصر وضاحت، اگر آپ مزید تفصیل جاننا چاہتے ہیں تو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی کتاب جُھْدُ المُقِل کا مطالعہ کریں۔

حضرت سہارنپوری پر بہتان

(آپ کا تعارف پہلے محاضرہ کے آخر میں گزر چکا)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قُدِّسَ سِرُّہٗ پر رضاخانیوں نے یہ الزام لگایا ہے کہ آپ نے ''براہینِ قاطعہ'' میں صراحۃً لکھا ہے کہ شیطان کا علم آنحضور ﷺ کے علم سے زیادہ ہے، خاں صاحب بریلوی ''حسام الحرمین'' میں لکھتے ہیں:

''اور یہ بھی اسی تکذیب خدا کرنے والے گنگوہیؒ کے دم چھلے ہیں کہ اس نے اپنی کتاب ''براہینِ قاطعہ'' میں تصریح کی کہ ان کے پیر ابلیس کا علم نبی ﷺ کے علم سے زیادہ ہے، اور یہ اس کا براقول خود اس کے بدالفاظ میں صفحہ: ۴۷ پر ہے، شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخرِ عالم کی وسعتِ علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے''۔ (ص: ۱۵)

تمہید جواب

(۱) جواب سے پہلے جان لینا چاہیے کہ ''براہین قاطعہ'' حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے؛ بلکہ مولوی عبدالسمیع صاحب رام پوری (صاحبِ حمدِ باری) نے بدعاتِ مروجہ کی تائید میں اور حضرت گنگوہی قُدِّسَ

سرہٗ کے رد میں ایک کتاب لکھی تھی، جس کا نام انہوں نے ''انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ'' رکھا تھا، اس کے رد میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے یہ کتاب لکھی ہے، اس کا پورا نام ''براہین قاطعہ علیٰ ظلام انوارِ ساطعہ'' ہے۔

(۲) خاں صاحب بریلویؒ کی عادت یہ ہے کہ کسی کتاب کی ناقص اور ادھوری عبارت پیش کر کے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتے رہتے ہیں، یہاں بھی اپنی عادت کے مطابق ایسا ہی کیا ہے؛ اس لیے جواب سے پہلے مسئلہ کی پوری حقیقت جان لینی چاہیے ـــــ اصل مسئلہ محفل میلاد میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کا ہے، مولوی عبدالسمیع صاحب نے محفلِ میلاد میں آنحضور ﷺ کے حاضر ہونے کو اس طرح ثابت کیا ہے کہ موت کا فرشتہ روحوں کو قبض کرنے کے لیے ہر جگہ حاضر ہے، اور شیطان لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ہر جگہ موجود ہے، اسی طرح چاند سورج ہر جگہ موجود ہے، تو آنحضور ﷺ محفل میلاد میں کیوں حاضر نہیں ہوسکتے؟ جب مفضول ہر جگہ حاضر ہوسکتا ہے، تو افضل کیوں نہیں ہوسکتا؟ مولوی عبدالسمیع صاحب انوارِ ساطعہ میں چند احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملک الموت ہر جگہ حاضر ہے، بھلا ملک الموت علیہ السلام تو ایک فرشتۂ مقرب ہے، دیکھو! شیطان ہر جگہ موجود ہے، درمختار کے مسائلِ نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولادِ آدم کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے، علامہ شامیؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام نبی آدم کے ساتھ رہتا ہے؛ مگر جس کو اللہ نے بچالیا، بعد اس کے لکھا ہے: وَ اَقْدَرَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ کَمَا اَقْدَرَ مَلَکَ الْمَوْتِ عَلٰی نَظِیْرِ ذٰلِکَ، یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دیدی ہے، جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کردیا ہے''۔ انتھٰی کلامُہٗ.

اب عالم اجسامِ محسوسہ میں اس کی مثال سمجھئے! کوئی آدمی مشرق سے مغرب تک آبادیِ دنیا کی اگر سیر کرے، جہاں جاوے چاند کو موجود پاوے گا، اور سورج کو بھی پاوے گا، پھر اگر وہ کہے کہ ایک چاند سب جگہ موجود ہے اور ایک سورج سب جگہ موجود، تمہارے

قاعدے سے چاہیے کہ وہ کافر ہو جائے کہ اس نے چاند کو ہر جگہ موجود کہا؛ حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ نہ وہ مشرک ہے نہ کافر، خاصہ مسلمان ہے، پس اسی طرح سمجھو کہ جب سورج سب جگہ موجود ہو کر وہ چوتھے آسمان پر ہے، روحِ نبی ﷺ جو ساتویں آسمان پر علیین میں موجود ہے، اگر وہاں سے آپ کی نظرِ مبارک کل زمین پر یا زمین کے چند مواضع و مقامات پر پڑ جائے اور ترشحِ انوارِ فیضانِ احمدی سے کل مجالسِ مطہرہ کو ہر طرف سے مثل شعاعِ شمس محیط ہو جائے کیا محال اور بعید ہے؟" (انوار ساطعہ مع براہینِ قاطعہ، ص:۵۲)

تحقیقی جواب

خاں صاحب بریلوی نے براہین قاطعہ کی جس عبارت کو پیش کیا ہے، اس میں حضرت سہارنپوری قُدِّسَ سِرُّہٗ انوارِ ساطعہ کی مذکورہ بالا عبارت کا رد فرما رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی صفات حقیقی اور ذاتی ہیں اور مخلوق کی صفات مجازی اور عطائی ہوتی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جس کو جتنی وسعت علم اور قدرت عطا فرمائی ہے، اس سے زیادہ وہ ایک ذرہ بھر آگے نہیں بڑھ سکتا، لہٰذا افضل کو مفضول پر قیاس کر کے افضل میں مفضول کے برابر یا اس سے زیادہ وسعتِ علم ثابت کرنا صحیح نہیں ہے، اولاً اس وجہ سے کہ عقائد کے مسائل قیاسی نہیں۔ ثانیاً اس وجہ سے کہ قرآن وحدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے۔ اور ثالثاً اس وجہ سے کہ اگر یہ قیاس صحیح مان لیا جائے تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام مسلمان خصوصاً مولوی عبدالسمیع صاحب شیطان سے زیادہ غیب کا علم رکھتے ہیں؛ کیوں کہ ہر مسلمان چاہے فاسق ہی کیوں نہ ہو شیطان سے بہر حال افضل ہے۔

پھر اخیر میں یہ بات بیان فرمائی ہے کہ جب تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ مخلوق کی صفات عطائی ہوتی ہیں تو پھر ملک الموت اور شیطان کی عطائی وسعتِ علم پر قیاس کر کے آنحضرت ﷺ کے لیے پوری زمین کا علمِ ذاتی غیر عطائی ثابت کرنا شرک نہیں تو کیا ہے؟ دیکھئے! براہینِ قاطعہ کی پوری عبارت یہ ہے:

عقیدہ اہلِ سنت کا یہ ہے کہ کوئی صفت صفاتِ حق تعالیٰ کی بندہ میں نہیں ہوتی، اور جو

کچھ اپنی صفات کا ظل کسی کو عطا فرماتے ہیں، اس سے زیادہ کسی میں ہونا ہرگز ممکن نہیں، سمع و بصر و علم و تصرف حق تعالیٰ کا حقیقی ہے، اور مخلوق کا مجازی ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ الآية﴾

پھر جس کو جس قدر کوئی علم و قدرت وغیرہ عطا فرمادیا ہے، اس سے زیادہ وہ ہرگز ذرہ بھر نہیں بڑھ سکتا، شیطان کو جس قدر وسعت دی، اور ملک الموت کو اور آفتاب و ماہتاب کو جس وضع پر بنایا ہے، اس سے زیادہ کی ان کو کچھ قدرت نہیں، اور زیادہ کوئی ان سے کام نہیں نکلتا اور نہ اس کثرت و قلت پر فضل کی کمی زیادتی موقوف ہے — حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے بہت اعلیٰ و افضل ہیں، مع ہذا علمِ مکاشفہ ان کا حضرت خضر علیہ السلام سے بہت کم تھا، اور پھر جس قدر حضرت خضر علیہ السلام کو ملا، اس سے زیادہ پر وہ قادر نہ تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو باوجود افضلیت کے نہ ملا، تو وہ حضرت خضر علیہ السلام مفضول کی برابر بھی اس علمِ مکاشفہ کو پیدا نہ کر سکے، پس آفتاب و ماہتاب کو جو اس ہیئت وسعت نور پر بنایا، اور ملک الموت اور شیطان کو جو یہ وسعتِ علم دی، اس کا حال مشاہدہ اور نصوصِ قطعیہ سے معلوم ہوا۔

اب اس پر کسی افضل کو قیاس کر کے اس میں بھی مثل یا زائد اس مفضول سے ثابت کرنا کسی عاقل ذی علم کا کام نہیں، اول تو عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جاویں بلکہ قطعی ہیں، قطعیات نصوص سے ثابت ہوتے ہیں کہ خبر واحد بھی یہاں مفید نہیں۔ لہٰذا اس کا اثبات اس وقت قابلِ التفات ہو کہ مؤلف قطعیات سے اس کو ثابت کرے، اور خلاف تمام امت کے ایک قیاس فاسد سے عقیدہ خلق کا اگر فاسد کیا چاہے تو کب قابل التفات ہوگا؟ — دوسرے قرآن و حدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے، پس اس کا خلاف کس طرح قبول ہو سکتا ہے؛ بلکہ یہ سب قول مؤلف کا مردود ہوگا، فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں: وَاللّٰهِ! لَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ. (الحدیث) اور شیخ عبد الحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں، اور مجلسِ نکاح کا مسئلہ بھی البحر الرائق وغیرہ کتب سے لکھا گیا(۱)

---

(۱) جس مسئلہ کا حضرت نے حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے: اور مسئلہ مشہور بحر الرائق اور عالم گیریہ و ═

تیسرے اگر افضلیت ہی موجب اس کی ہے، تو تمام مسلمان اگر چہ فاسق ہوں اور خود مؤلف بھی شیطان سے افضل ہیں، تو مؤلف سب عوام میں بسببِ افضلیت کے شیطان سے زیادہ نہیں تو اس کی برابر تو علمِ غیب بہ زعمِ خود ثابت کر دیوے، اور مؤلف خود اپنے زعم میں تو بہت بڑا اکمل الایمان ہے، تو شیطان سے ضرور افضل ہو کر اَعْلَم من الشّیطان ہوگا! معاذ اللہ! مؤلف کے ایسے جہل پر تعجب بھی ہوتا ہے اور رنج بھی ہوتا ہے کہ ایسی نالائق بات مُنہ سے نکالنا کس قدر دور از علم وعقل ہے۔

الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان وملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم ﷺ کو [1] خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاسِ فاسد سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے؟! شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخرِ عالم ﷺ کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ (براہین قاطعہ، ص: ۵۰-۵۱)

یہاں یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیے کہ حضرت نے آنحضور ﷺ کے لیے ساری زمین کا علم ثابت کرنے کو جو شرک کہا ہے، اس سے مرادِ علمِ ذاتی ہے، عطائی نہیں، خود حضرت اسی بحث کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:

''اور یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ ﷺ کو [1] کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے، جیسا کہ جہلاء کا یہ عقیدہ ہے: اگر یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دے کر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں؛ مگر بدون ثبوتِ شرعی کے اس پر عقیدہ درست بھی نہیں اور بدون حجت ایسی بات کو عقیدہ کرنا موجب معصیت کا ہے''۔

(براہین قاطعہ، ص: ۵۲-۵۳)

= درمختار وغیرہ میں ہے کہ اگر کوئی نکاح کرے بہ شہادت حق تعالیٰ اور فخرِ عالم علیہ السلام کے، کافر ہو جاتا ہے، بہ سبب اعتقادِ علم غیب کے فخر عالم علیہ السلام کی نسبت (براہین قاطعہ، ص: ۴۹)

(۱) کو یعنی کے لیے۔

الغرض براہینِ قاطعہ میں جس علم کے اثبات کو شرک کہا ہے، وہ علم ذاتی ہے جس کے بارے میں خود خاں صاحب بریلوی خالص الاعتقاد میں لکھتے ہیں:

''علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے، اس کے غیر کے لیے محال ہے، جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لیے مانے، وہ یقیناً کافر ومشرک ہے''۔ (خالص الاعتقاد، ص:۲۶، بحوالہ السحاب المدرار)

مسکت جواب

یہ خاں صاحب کے الزام کا تحقیقی جواب ہے، اور مسکت جواب یہ ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے ''براہینِ قاطعہ'' کیا اپنی کسی بھی تصنیف میں یہ نہیں لکھا ہے کہ شیطان کا علم حضور ﷺ کے علم سے زیادہ ہے؛ بلکہ اس کے برخلاف حضرت نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ معاذ اللہ! شیطان کا علم حضور اکرم ﷺ کے علم سے زیادہ ہے، وہ کافر ومرتد اور ملعون ہے؛ چنانچہ خود حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ المُھَنَّدُ علَی المُفَنَّد میں اہلِ حرمین کے انیسویں سوال کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں:

''اس مسئلہ کو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا علم؛ حکم واسرار وغیرہ کے متعلق مطلقاً تمامی مخلوقات سے زیادہ ہے، اور ہمارا یقین ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی کریم علیہ السلام سے اعلم ہے وہ کافر ہے، اور ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کا فتوی دے چکے ہیں جو یوں کہے کہ شیطان معلون کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے، پھر بھلا ہماری کسی تصنیف میں یہ مسئلہ کہاں پایا جاسکتا ہے؟''۔ (المھنّد علی المفنّد، ص:۲۵)

نیز حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوریؒ نے خاں صاحب بریلوی کے الزام کے تعلق سے حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ سے چند سوالات کیے تھے، حضرت نے ان سوالوں کا جو جواب تحریر فرمایا ہے، اس میں بھی اس بات کی صراحت ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ شیطان کا علم حضور اکرم ﷺ کے علم سے زیادہ ہے وہ کافر ومرتد ہے، وہ سوال و جواب یہ ہیں:

استفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بہ خدمت شریف مخدوم ومکرم جناب مولانا خلیل احمد صاحب مدرس اول مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ساکن انبیٹھہ - دامت برکاتہم۔

بعد عرض تحیہ ماثورہ عرض ہے: مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی ''حسام الحرمین'' میں آپ کی نسبت یہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''اپنی کتاب ''براہینِ قاطعہ'' میں تصریح کی کہ ابلیس کا علم نبی ﷺ کے علم سے زیادہ ہے''، امورِ ذیل دریافت طلب ہیں:

(۱) کیا اس مضمون کی آپ نے ''براہینِ قاطعہ'' یا کسی دوسری کتاب میں تصریح فرمائی ہے؟

(۲) اگر تصریح نہیں تو بطریق لزوم کے اشارۃً یا کنایۃً بھی یہ مضمون آپ کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے یا نہیں؟

(۳) اگر یہ مضمون صراحۃً مفہوم نہیں ہوتا اور لزوماً مفہوم ہوتا ہے تو یہ معنی آپ نے مراد لیے ہیں یا نہیں؟

(۴) اگر یہ مضمون آپ نے نہ صراحۃً بیان فرمایا نہ اشارۃً نہ کنایۃً آپ کے کلام کو لازم، نہ آپ کی مراد تو جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا کہے کہ سرور عالم ﷺ کے علم سے ابلیس کا علم زیادہ ہے، اس کو آپ مسلمان جانتے ہیں یا کافر؟

(۵) جس عبارت کو خاں صاحب ''براہینِ قاطعہ'' سے نقل کرتے ہیں اور اس مضمون مذکورہ کو اس کا مفاد صریحی بیان کرتے ہیں، اس عبارت کا صحیح مطلب کیا ہے؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا، بندہ: محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ

الجواب

وَمِنْهُ الْوُصُوْلُ إِلَى الصَّوَابِ: مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے جو

بندہ پر یہ الزام لگایا ہے بالکل بے اصل اور لغو ہے، میں اور میرے اساتذہ ایسے شخص کو کافر و مرتد و ملعون جانتے ہیں جو شیطان علیہ اللعن کیا کسی مخلوق کو بھی جناب سرور عالم ﷺ سے علم میں زیادہ کہے؛ چنانچہ ''براہین'' کے صفحہ:۴۷، میں یہ عبارت موجود ہے: ''پس کوئی ادنیٰ مسلم بھی فخرِ عالم علیہ الصلاۃ کے تقرب وشرفِ کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا''۔ انتھی۔

خاں صاحب بریلوی نے یہ مجھ پر محض اتہام لگایا ہے، اس کا حساب روز جزاء ہوگا، یہ کفری مضمون کہ شیطان علیہ اللعن کا علم نبی ﷺ سے زیادہ ہے، ''براہین'' کی کسی عبارت میں نہ صراحۃً ہے نہ کنایۃً، اور جس عبارت کو خاں صاحب ''براہین'' سے نقل کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں وہ یہ ہے:

''شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم علیہ السلام کو وسعتِ علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے''، (براہین، ص:۴۷) اس مبحث میں یہ عبارت بھی ''براہین'' کی ملاحظہ ہو: ''تمام امت کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب فخرِ عالم علیہ السلام کو اور سب مخلوقات کو جس قدر علم حق تعالیٰ نے عنایت کردیا اور بتلا دیا، اس سے ایک ذرہ بھی زیادہ کا علم ثابت کرنا شرک ہے، براہین، ص:۴۴، پھر جس کو جس قدر کوئی علم وقدرت وغیرہ عطا فرما دیا ہے اس سے زیادہ ہرگز ذرہ بھر بھی نہیں بڑھ سکتا، شیطان کو جس قدر وسعت دی، اور ملک الموت کو اور آفتاب و ماہتاب کو جس وضع پر بنایا ہے، اس سے زیادہ کی ان کو کچھ قدرت نہیں۔ (براہین، ص:۴۶)

ان عبارات سے ظاہر ہوگیا کہ عبارتِ مذکورہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نعوذ باللہ شیطان کا علم آپ ﷺ کے علم کے مساوی بھی ہو، چہ جائے کہ زیادہ! بلکہ عباراتِ مذکورہ کا یہ مطلب ہے کہ شیطان وملک الموت کو یہ وسعت (یعنی جس قدر علم ان کو بہ اعطائے الٰہی ملا ہے) نص سے ثابت ہے، فخر عالم علیہ السلام کی وسعت علم (یعنی وسعت ذاتی) کی کونسی نص قطعی ہے؟ (جس سے یہ ثابت ہو کہ آپ ﷺ کو علمِ ذاتی بغیر عطائے الٰہی حاصل ہے) جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔

یہ عبارت ایسی صاف ہے کہ اس میں آپ ﷺ کی نہ توہین، نہ شیطان کی فضیلت ہاں! شاید مولوی احمد رضا خاں صاحب اوران کے ہوا خواہ یہ فرماویں کہ یہ مطلب کہاں سے نکال لیا کہ مراد علمِ ذاتی کی نفی ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ بات بھی براہین کے اسی قول میں مذکور ہے ملاحظہ ہو۔(ص:۴۸) اور یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ ﷺ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے، جیسا جہلاء کا یہ عقیدہ ہے، اگر یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دے کر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں؛ مگر بدون ثبوت شرعی کے یہ عقیدہ درست بھی نہیں اور بدونِ حجت ایسی بات کو عقیدہ کرنا موجب معصیت کا ہے، انتہی ــــ اس صاف اور صریح عبارت کے بعد بھی کیا کسی شخص کو کوئی شبہ رہ سکتا ہے؟!

غرض خاں صاحب بریلوی نے محض اتہام اور کذبِ خالص بندہ کی طرف منسوب کیا ہے، مجھ کو تو مدت العمر کبھی وسوسہ بھی اس کا نہیں ہوا کہ شیطان کیا، کوئی ولی فرشتہ بھی آپ ﷺ کے علوم کی برابری کر سکے، چہ جائے کہ علم میں زیادہ ہو، یہ عقیدہ جو خاں صاحب نے بندہ کی طرف منسوب کیا ہے کفرِ خالص ہے، اس کا مطالبہ خاں صاحب سے روزِ جزاء ہوگا، میں اس سے بالکل بری ہوں اور پاک وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ــــ اہلِ اسلام عباراتِ براہین کو بغور ملاحظہ فرماویں، مطلب صاف اور واضح ہے، حررہ: خلیل احمد (السحاب المدرار في توضيح أقوال الاخيار، مصنفہ: مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری، ص:۴۹-۵۰)

ایک وسوسہ کا ازالہ

علاوہ ازیں ''براہینِ'' قاطعہ کی عبارت میں نہ مطلق علم کی بحث ہے، نہ علومِ نبوت اور علوم کمالیہ کی بحث ہے؛ بلکہ صرف زمین کے علم کی بحث ہے، جس کو نہ نبوت ورسالت سے کوئی خاص تعلق، نہ اس پر کمالِ انسانی کا مدار، ایسے علومِ غیر کمالیہ اگر انبیائے کرام کو عطا نہ ہوں اور دوسری مخلوق کو دے دیئے جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور نہ اس سے انبیائے کرام کی شان میں کوئی کمی آتی ہے، جیسے ایک فقیر کے گھر میں پھٹے پرانے کپڑے

اور ناکارہ ساز وسامان ہو، اور شاہی خزانہ میں یہ چیزیں نہ ہوں ؛ بلکہ لعل وجواہر اور قیمتی کپڑے اور عمدہ ساز وسامان ہو، جو شاہی خزانہ کے مناسب ہے تو اس سے شاہی خزانہ کی شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ؛ بلکہ پھٹے پرانے کپڑے اور ناکارہ ساز وسامان کا شاہی خزانہ میں ہونا جس طرح شاہی خزانہ کی شان کو گھٹاتا ہے، اسی طرح علوم شیطانی کی انبیائے کرام کی طرف نسبت کرنے میں انبیائے کرام کی شان کو گھٹانا ہے۔

الغرض جو علوم شانِ نبوت سے تعلق نہ رکھتے ہوں، وہ اگر انبیائے کرام کو حاصل نہ ہوں، اور غیر انبیاء کو حاصل ہو جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں —— اور یہ سمجھنا کہ انبیائے کرام کا علم شیطانی باتوں کو بھی محیط ہونا چاہیے، اور معاذ اللہ! علوم شیطانی میں بھی ان کا دائرہ سب سے وسیع ہونا چاہیے، خالص شیطانی وسوسہ ہے جو صرف ان کور دِماغوں کو ہوسکتا ہے، جو علوم نبوت اور علومِ شیطنت میں فرق نہ سمجھتے ہوں، اور ان کے نزدیک گھی اور گوبر، ہیرے اور پتھر کی قیمت ایک ہو، دیکھئے! رضاخانیوں کے پیشوا مولوی عبدالسمیع صاحب بھی اس فرق کا لحاظ کرتے ہوئے ''انوارِ ساطعہ'' میں لکھتے ہیں:

''اور تماشا یہ کہ اصحابِ محفلِ میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک ناپاک مجالس مذہبی وغیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ ﷺ کا نہیں دعوی کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا تو اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک ناپاک، کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے''۔

(انوار ساطعہ مع براہین قاطعہ ص:۵۲-۵۳)

اب رضاخانی حضرات غور کر کے بتائیں کہ ان کے پیشوا مولوی عبدالسمیع صاحب نے آنحضرت ﷺ پر ابلیس کی برتری اور وسعت کو تسلیم کر کے حضورِ اکرم ﷺ کی توہین کی یا نہیں؟ ع

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا!

حضرت تھانویؒ پر بہتان

(آپ کا تعارف پہلے محاضرہ کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں)

پہلا بہتان

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قُدِّسَ سِرُّہ پر رضا خانیوں نے ایک بہتان یہ باندھا ہے کہ حضرت تھانویؒ نے ''حفظ الایمان'' میں صراحۃً لکھا ہے کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ ﷺ کو ہے ایسا تو ہر بچہ اور پاگل؛ بلکہ ہر حیوان اور چوپائے کو بھی حاصل ہے، خاں صاحب بریلوی ''حسام الحرمین'' میں لکھتے ہیں:

''اور اس فرقۂ وہابیہ شیطانیہ کے بڑوں میں ایک اور شخص اسی گنگوہی کے دُم چھلوں میں ہے، جسے اشرف علی تھانویؒ کہتے ہیں، اس نے ایک چھوٹی سی رسلیا تصنیف کی، چار ورق کی بھی نہیں، اور اس میں تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ ﷺ کو ہے ایسا تو ہر بچہ اور پاگل؛ بلکہ ہر جانور اور چوپائے کو حاصل ہے اور اس کی ملعون عبارت یہ ہے:

''آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا، اگر بہ قول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے کیا مراد ہے؟ بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ﷺ کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید و عمرو؛ بلکہ ہر صبی و مجنون؛ بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے ـــ الی قولہ ـــ اور اگر تمام علومِ غیب مراد ہیں، اس طرح کہ اس کا ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیلِ نقلی و عقلی سے ثابت ہے''۔

''میں (احمد رضا) کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی مہر کا اثر دیکھو! یہ شخص کیسے برابری کر رہا ہے رسول اللہ ﷺ اور چنیں اور چناں میں'' (حسام الحرمین، ص:۲۱)

جواب

واقعہ ہے کہ کسی شخص نے حضرت تھانوی قُدِّس سِرُّہٗ سے تین سوال کیے تھے، ان میں تیسرا سوال یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ ''حفظ الایمان'' کی عبارت یہ ہے:

اور (زید) کہتا ہے کہ علمِ غیب کی دو قسمیں ہیں: (۱) بالذات اس معنی کر عالم الغیب خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا، (۲) اور بواسطہ اس معنی کر رسول اللہ ﷺ ''عالم الغیب'' تھے، زید کا یہ استدلال اور عقیدہ اور عمل کیسا ہے؟ (حفظ الایمان، ص:۳۰)

حضرت تھانوی قُدِّس سِرُّہٗ نے اس کے جواب میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ''عالم الغیب'' کہنا جائز نہیں، اور اس کی دو (۲) دلیلیں تحریر فرمائی ہیں:

پہلی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ شرعی محاورہ میں، عالم الغیب صرف اسی ہستی کو کہا جاتا ہے جس کو ذاتی طور پر بلا واسطہ غیب کا علم ہو، اور یہ شان صرف اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی ہے؛ اس لیے رسول اللہ ﷺ کو ''عالم الغیب'' کہنا موہمِ شرک ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا۔

اور دوسری دلیل کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ''عالم الغیب'' کہنے والا اگر اس لیے ''عالم الغیب'' کہتا ہے کہ اس کے نزدیک رسول اکرم ﷺ کو تمام غیوب کا تفصیلی علم ہے، جیسا کہ خدا تعالیٰ کو ہے تو یہ خیال قرآن وحدیث کے خلاف ہے؛ اس لیے اس کی بنا پر کسی کو ''عالم الغیب'' کہنا درست نہیں ـــــ اور اگر تمام غیوب کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض غیوب کے جاننے کی وجہ سے یہ شخص حضور اکرم ﷺ کو ''عالم الغیب'' کہتا ہے اور اس کا یہی نظریہ ہے کہ جس کو بھی غیب کی کچھ باتوں کا علم ہو، اس کو عالم الغیب کہہ سکتے ہیں تو پھر اس میں رسول اللہ ﷺ کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب یعنی غیب کی کچھ باتوں کا علم تو ہر کس و ناکس کو حاصل ہے؛ کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے سے مخفی ہے، پس اس غلط نظریہ پر یہ لازم آئے گا کہ آنحضرت ﷺ کی طرح ہر انسان کو بلکہ ہر حیوان کو بھی ''عالم الغیب'' کہا جائے، دوسری دلیل کی عبارت

(جس پر خاں صاحب نے اعتراض کیا ہے) یہ ہے:

''پھر یہ کہ آپ ﷺ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بہ قول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب؟ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور اکرم ﷺ کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید و عمرو؛ بلکہ ہر صبی و مجنون؛ بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے؛ کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے، جو دوسرے شخص سے مخفی ہے؛ تو چاہیے کہ سب کو ''عالم الغیب'' کہا جاوے، پھر اگر زید اس کا التزام کرلے کہ ہاں میں سب کو ''عالم الغیب'' کہوں گا، تو پھر علم غیب کو منجملہ کمالاتِ نبویہ شمار کیوں کیا جاتا ہے؟ جس امر پر مؤمن؛ بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالاتِ نبوت سے کب ہوسکتا ہے؟ اور اگر التزام نہ کیا جاوے تو نبی، غیر نبی میں وجہِ فرق بیان کرنا ضرور ہے ـــــ اور اگر تمام علومِ غیب مراد ہیں، اس طرح کہ اس کا ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیلِ نقلی و عقلی سے ثابت ہے۔ (حفظ الایمان، ص:۹، امدادیہ دیوبند)

خود حضرت تھانوی قُدِّسَ سِرُّہٗ ''بسط البنان'' میں اس عبارت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

وہ عبارت (جس پر خاں صاحب نے اعتراض کیا ہے) دوسری دلیل کی ہے جو اس لفظ سے شروع ہوتی ہے: ''پھر یہ کہ آپ ﷺ کی ذاتِ مقدسہ پر'' مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا، یعنی محض اس بناء پر کہ آپ ﷺ کو علومِ غیبیہ بواسطہ حاصل ہیں، آپ کو ''عالم الغیب'' کہنا اگر صحیح ہو تو اس سے اگر کل غیر متناہیہ مراد ہوں تو وہ نقلاً و عقلاً محال ہے، اور اگر بعض علوم مراد ہوں، گو وہ ایک ہی چیز کا علم ہو، اور گو وہ چیز ادنیٰ ہی درجہ کی ہو تو اس میں حضور سرورِ عالم ﷺ کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید و عمرو وغیرہ کے لیے بھی حاصل ہے تو لفظ ''ایسا'' کا یہ مطلب نہیں کہ جیسا علم واقع میں حضور ﷺ کو حاصل ہے الخ نعوذ باللہ منہا؛ بلکہ مراد اس لفظ ''ایسا'' سے وہی ہے جو اوپر مذکور ہے، یعنی مطلق بعض علم گو وہ ایک ہی چیز کا ہو، اور گو وہ چیز

ادنیٰ ہی درجہ کی ہو؛ کیوں کہ اوپر بھی مذکور ہو چکا ہے کہ بعض سے مراد عام ہے، اور عبارت آئندہ بھی اس کی دلیل ہے، وہو قولہ: ''کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے''۔ پس اگر زید ہر مخفی ادنیٰ چیز کے علم حاصل ہونے کو بھی ''عالم الغیب'' کے اطلاق کے صحیح ہونے کا سبب بتلاتا ہے تو زید کو چاہیے کہ ان سب کو ''عالم الغیب'' کہا کرے؛ کیوں کہ ان کو بھی بعض مخفی چیزیں معلوم ہیں، خود اس عبارت میں سرسری نظر کرنے سے یہ مطلب واضح ہو رہا ہے۔

پھر اس عبارت سے چند سطر بعد دوسری عبارت میں تصریح ہے کہ نبوت کے لیے جو علوم لازم وضروری ہیں، وہ آپ کو بتمامہا حاصل ہوگئے تھے — انصاف شرط ہے جو شخص آپ ﷺ کو جمیع علوم عالیہ شریفہ متعلقہ نبوت کا جامع کہہ رہا ہے کیا وہ نعوذ باللہ! زید وعمرو وصبی ومجنون وحیوانات کے علم کو مماثل آپ ﷺ کے علم کے بتلادے گا! کیا زید وعمرو وغیرہ کو یہ علوم حاصل ہیں؟ یہ علوم تو آپ ﷺ کے مثل دوسرے انبیاء وملائکہ علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں۔

اس تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ عبارتِ مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ کے علم کے مشابہ معاذ اللہ! علم زید، عمرو وغیرہ کو نہیں کیا گیا — اور لفظ ''ایسا'' ہمیشہ تشبیہ کے لیے نہیں آتا، بلغائے اہل لسان اپنے محاوراتِ فصیحہ میں بولتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ ایسا قادر ہے'' مثلاً، تو کیا یہاں خدائے تعالیٰ کے قادر ہونے کو دوسروں کے قادر ہونے سے تشبیہ دینا مقصود ہے؟ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں — بلکہ اس شق پر جو محذور لازم کیا گیا ہے، اس میں غور کرنے سے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ مشابہت کی نفی کی گئی ہے، چنانچہ بعض مطلق علوم غیبیہ کے مراد لینے پر یہ خرابی بتلائی ہے کہ اس میں حضور ﷺ کی کیا تخصیص ہے الخ؟ یعنی اس صورت میں آپ ﷺ کی تخصیص نہ رہے گی؛ بلکہ زید وعمرو وغیرہ بھی اس صفت میں آپ ﷺ کے شریک ومشابہ ہو جائیں گے؛ حالانکہ آپ ﷺ کی صفاتِ خاصہ کمالیہ میں کوئی آپ کا شریک ومشابہ نہیں ہے؛ اس لیے یہ شق باطل ہوئی''۔

(بسط البنان مع حفظ الایمان، ص:۱۱-۱۲)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ "حفظ الایمان" کی عبارت بالکل واضح اور صاف ہے اور "ایسا علم غیب" سے غیب کی کچھ باتوں کا علم مراد ہے، اور اس کا واضح قرینہ حضرت کا یہ جملہ ہے:
"کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے"——
لیکن خاں صاحب بریلوی نے اپنی عادت کے مطابق "حسام الحرمین" میں اس جملہ کو حذف کرکے آگے پیچھے کی عبارت نقل کی ہے، اور قائل کی مراد کے خلاف لفظ "ایسا علم غیب" سے حضور اکرم ﷺ کا علم شریف مراد لے کر ایک کفریہ مضمون کشید کیا ہے، اور الزام حضرت تھانوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے سر تھوپا ہے، حضرت تھانوی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ نے اپنی کسی تصنیف میں ہرگز یہ نہیں لکھا ہے کہ جیسا علم رسول اللہ ﷺ کو ہے ویسا تو ہر بچہ اور ہر پاگل کو بلکہ ہر جانور اور ہر چوپائے کو بھی حاصل ہے؛ بلکہ اس کے برخلاف حضرت تھانوی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحۃً یا کنایۃً ایسی بات کہے وہ کافر ہے۔ حضرت خود ارقام فرماتے ہیں:

یہ خبیث مضمون کسی کتاب میں نہیں لکھا، اور لکھنا تو در کنار، میرے قلب میں بھی اس مضمون کا خطرہ نہیں گذرا —— جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحۃً یا اشارۃً یہ بات کہے، میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں کہ وہ تکذیب کرتا ہے نصوصِ قطعیہ کی اور تنقیص کرتا ہے حضور سرورِ عالم فخرِ بنی آدم ﷺ کی (بسط البنان مع حفظ الایمان ص:۱۱) پھر "بسط البنان" کے بالکل آخر میں لکھتے ہیں:

"بہ فضلہ تعالیٰ میرا اور میرے سب بزرگوں کا عقیدہ ہمیشہ سے آپ ﷺ کے افضلُ المخلوقات في جميع الكمالات العلميّة والعمليّة ہونے کے باب میں یہ ہے کہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"۔

دوسرا بہتان

رضاخانی کہتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ کے ایک ارادت مند نے خواب میں یوں کلمہ پڑھا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، اَشْرَفُ عَلِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ، پھر اس نے بیداری کی حالت میں

دُرود شریف اس طرح پڑھا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَمَوْلَانَا اَشْرَفْ عَلِی اور حضرت تھانویؒ نے خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ اس واقعہ میں تسلی ہے کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبعِ سنت ہے —— اس سے ثابت ہوا کہ مولانا اشرف علی نبوت ورسالت کے دعوے دار ہیں اوران کے مریدان کا کلمہ پڑھتے ہیں اوران پر دُرود شریف بھیجتے ہیں، اور جواُن کا کلمہ پڑھتا ہے، اوران پر دُرود بھیجتا ہے، اس کو بجائے کافر کہنے کے تسلی دیتے ہیں، گویا اس کے کفر پر وہ خوش ہیں، لہٰذا وہ بھی کافر ومرتد کیونکہ رضا بالکفر کفر ہے۔

تمہیدِ جواب

جواب سے پہلے خواب کی تفصیل جاننا ضروری ہے، خود خواب دیکھنے والے کے الفاظ میں خواب کی تفصیل یہ ہے:

ایک روز کا ذکر ہے کہ ''حسن العزیز'' دیکھ رہا تھا، اور دوپہر کا وقت تھا کہ نیند نے غلبہ کیا اور سو جانے کا ارادہ کیا، رسالہ ''حسن العزیز'' کو ایک طرف رکھ دیا؛ لیکن جب بندہ نے دوسری طرف کروٹ بدلی تو دل میں خیال آیا کہ کتاب کو پشت ہوگئی؛ اس لیے رسالہ ''حسن العزیز'' کو اٹھا کر اپنے سر کی جانب رکھ لیا اور سو گیا، کچھ عرصہ کے بعد خواب دیکھتا ہوں کہ کلمہ شریف لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتا ہوں؛ لیکن مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی جگہ حضور کا نام لیتا ہوں، اتنے میں دل کے اندر خیال پیدا ہوا کہ تجھ سے غلطی ہوئی کلمہ شریف پڑھنے میں، اس کو صحیح پڑھنا چاہیے، اس خیال سے دوبارہ کلمہ شریف پڑھتا ہوں، دل پر تو یہ ہے کہ صحیح پڑھا جائے؛ لیکن زبان سے بے ساختہ بجائے رسول اللہ ﷺ کے نام کے اشرف علی نکل جاتا ہے؛ حالانکہ مجھ کو اس بات کا علم ہے کہ اس طرح درست نہیں؛ لیکن بے اختیار زبان سے یہی کلمہ نکلتا ہے، دو تین بار جب یہی صورت ہوئی تو حضور (۱) کو اپنے سامنے دیکھتا ہوں، اور بھی چند شخص حضور (۱) کے پاس تھے؛ لیکن اتنے میں میری یہ

(۱) ''حضور'' سے مراد حضرت تھانوی قُدِّسَ سِرُّہٗ ہیں۔۱۲

حالت ہوگئی کہ میں کھڑا کھڑا بوجہ اس کے کہ رقت طاری ہوگئی زمین پر گر گیا، اور نہایت زور کے ساتھ ایک چیخ ماری، اور مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ میرے اندر کوئی طاقت باقی نہیں رہی، اتنے میں بندہ خواب سے بیدار ہوگیا؛ لیکن بدن میں بدستور بے حسی تھی، اور وہ اثرِ ناطاقتی بہ دستور تھا؛ لیکن حالتِ خواب اور بیداری میں حضور (۱) کا ہی خیال تھا؛ لیکن حالتِ بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر جب خیال آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دُور کیا جائے، اس واسطے کہ پھر کوئی ایسی غلطی نہ ہوجاوے، بایں خیال بندہ بیٹھ گیا، اور پھر دوسری کروٹ لیٹ کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ ﷺ پر دُرود شریف پڑھتا ہوں؛ لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا وَمَوْلَانَا اَشْرَف عَلٰی حالانکہ اب بیدار ہوں خواب نہیں؛ لیکن ''بے اختیار ہوں، مجبور ہوں، زبان اپنے قابو میں نہیں'' اس روز ایسا کچھ خیال رہا تو دوسرے روز بیداری میں رقت رہی، خوب رویا اور بھی بہت سی وجوہات ہیں جو حضور (۱) کے ساتھ باعث محبت ہیں، کہاں تک عرض کروں!

جواب: اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بِعَوْنِہٖ تَعَالٰی متبعِ سنت ہے، ۲۴/شوال ۱۳۳۵ھ۔

(رسالہ الامداد، بابت: ماہ صفر ۱۳۳۶ھ، ص: ۳۴-۳۵)

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ خواب کی ایک ظاہری صورت ہوتی ہے اور اس میں پنہاں ایک حقیقت ہوتی ہے، جس کو ''تعبیر'' کہتے ہیں، کبھی خواب بڑا اچھا ہوتا ہے؛ لیکن اس کی حقیقت اور تعبیر بالکل اس کے برعکس ہوتی ہے، اور بسا اوقات خواب وحشت انگیز اور خراب دکھائی دیتا ہے؛ مگر اس کی تعبیر بڑی اچھی اور خوش کن ہوتی ہے، اس قسم کے دو تین خواب ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) آنحضرت ﷺ کی چچی حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا نے ایک خواب دیکھا، وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا: یا

(۱) ''حضور'' سے مراد حضرت تھانوی قُدِّسَ سِرُّہٗ ہیں۔۱۲

رسول اللہ! آج رات میں نے ایک برا خوب دیکھا ہے، آنحضور ﷺ نے پوچھا: وہ خواب کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ بہت سنگین ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بتاؤ تو سہی وہ کیا ہے؟ حضرت ام الفضلؓ نے عرض کیا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ آپ کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے، آنحضرت ﷺ نے اس کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

رَأَيْتِ خَيْرًا، تَلِدُ فَاطِمَةُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ غُلَامًا يَكُوْنُ فِيْ حِجْرِكِ : تم نے اچھا خواب دیکھا، ان شاء اللہ میری لختِ جگر فاطمہ ایک لڑکا جنے گی، جو تمہاری گود میں ہوگا۔(مشکاۃ، ص:۵۷۲)

(۲) امام اعظم ابوحنیفہؒ جب مکتب میں پڑھتے تھے، اس وقت انہوں نے یہ خواب دیکھا کہ وہ مدینہ منورہ گئے، اور وہاں پہنچ کر انہوں نے آنحضور ﷺ کے مزارِ اقدس کو اُکھاڑا —— یہ پریشان کن اور وحشت انگیز خواب امام صاحب نے اپنے استاذ محترم کو بتایا، استاذ محترم نے تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر واقعی یہ خواب تمہارا ہے تو تم شریعتِ محمدیہ کی کھود کرید کر کے سنتِ نبوی کی پیروی کروگے۔

مختلف الفاظ کے ساتھ یہ واقعہ الخیرات الحسان ص:۶۴، مناقبِ کردری ص:۳۳ جلد:۱، مفتاح السعادۃ، ص:۸۲، جلد:۲، اور خطیب کی تاریخ بغداد، ص:۳۳۵، جلد:۱۳، مصری میں موجود ہے۔

(۳) تاریخ کی بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ خلیفہ ہارونُ الرشید کی بیوی زُبیدہ خاتون نے یہ خواب دیکھا کہ بہت سے آدمی جمع ہو کر سب باری باری اس سے جماع کرتے ہیں، جب بیدار ہوئی تو بہت پریشان ہوئی، گھبراہٹ کی کوئی انتہا نہ تھی، آخر کار جب خواب کی تعبیر سامنے آئی تو معلوم ہوا کہ ان سے کوئی کام ایسا کام وجود میں آئے گا، جس سے بے شمار لوگ فیض یاب ہوں گے۔

چنانچہ انہوں نے ''نہر زبیدہ'' کھدوائی جو عراق وعرب کے ایک بہت بڑے حصہ کو سیراب کرتی ہے، اور بے شمار لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

دیکھئے! یہ تمام خواب بہ ظاہر کتنے خراب اور پریشان کن ہیں؛ لیکن ان کی تعبیر کس قدر اچھی اور خوش کن ہے۔

جواب

خواب ہمیشہ نیند کی حالت میں دیکھا جاتا ہے، اور نیند کی حالت میں جو کلمات زبان سے سرزد ہوتے ہیں، شریعت میں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا حتی کہ اگر کسی کی زبان سے نیند کی حالت میں کفریہ کلمات سرزد ہوں، تب بھی اس پر کفر کا حکم نہیں لگ سکتا؛ کیوں کہ وہ شخص شرعاً مرفوع القلم ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الْمُبْتَلٰى حَتّٰى يَبْرَأَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَكْبُرَ. (جامع صغیر: ۲/۲۴)

ترجمہ: تین شخص مرفوع القلم ہیں: ایک سونے والا جب تک بیدار نہ ہوجائے، دوسرا جنون میں مبتلا، یہاں تک کہ اس کو افاقہ ہو، اور تیسرا بچہ جب تک کہ بالغ نہ ہوجائے۔

اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَ فِي التَّحْرِيرِ: وَتَبْطُلُ عِبَارَاتُهُ مِنَ الْإِسْلَامِ وَالرِّدَّةِ وَالطَّلَاقِ، وَلَمْ تُوْصَفْ بِخَبَرٍ وَإِنْشَاءٍ وَصِدْقٍ وَكِذْبٍ كَأَلْحَانِ الطُّيُوْرِ.

(شامي: ۲/۴۲۷، تحت قوله وَالنَّائِم بعد مطلب في طلاق المدهوش)

ترجمہ: تحریر الوصول میں ہے کہ سونے والے کی باتیں مثلاً اسلام لانا، مرتد ہوجانا، اور طلاق دینا سب باطل اور لغو ہیں، سونے والے کی باتوں کو نہ خبر کہہ سکتے ہیں، نہ انشاء، نہ سچی کہہ سکتے ہیں نہ جھوٹی، جیسے پرندوں کی آواز کو (نہ خبر کہہ سکتے ہیں، نہ انشاء، نہ سچا، نہ جھوٹا)

آگے مزید فرماتے ہیں:

وَ مِثْلُهُ فِي التَّلْوِيْحِ ، فَهٰذَا صَرِيْحٌ فِي أَنَّ كَلَامَ النَّائِمِ لَا يُسَمّٰى

كَلَامًا لُغَةً وَلَا شَرْعًا بِمَنْزِلَةِ الْمُهْمَلِ. (حوالۂ بالا)

ترجمہ: اور تلویح میں بھی ایسا ہی ہے، پس یہ عبارت اس سلسلہ میں صریح ہے کہ سونے والے کے کلام کو نہ لغوی اعتبار سے کلام کہہ سکتے ہیں، نہ شرعی اعتبار سے، جیسے مہمل لفظ (کو کلام نہیں کہہ سکتے)

اسی طرح بیداری کی حالت میں بلا قصد وارادہ غیر اختیاری طور پر زبان سے جو باتیں سرزد ہو جاتی ہیں گو وہ بات کفر ہی کیوں نہ ہو، اس پر کفر وارتداد کا حکم نہیں لگ سکتا، خادمِ رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں، جو کسی بے آب وگیاہ بیابان میں سفر کر رہا ہو، اور اچانک اس کی سواری کا اونٹ جس پر اس کے کھانے پینے کا سامان بھی لدا ہوا ہے، گم ہو جائے، اور وہ تلاشِ بسیار کے بعد ناامید ہو کر کسی درخت کے سائے میں آ لیٹے، پھر اسی ناامیدی کی حالت میں اچانک دیکھے کہ اس کا اونٹ مع ساز وسامان کے اس کے سامنے کھڑا ہے، پھر اس کی لگام پکڑ کر فرطِ مسرت میں کہتا ہے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِيْ وَ اَنَا رَبُّكَ: "اے اللہ آپ میرے بندے ہیں اور میں آپ کا رب ہوں!"

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ. (مشکوٰۃ، ص:۲۰۳)

ترجمہ: بے انتہا خوشی کی وجہ سے اس سے خطا ہوگئی۔

یعنی بے چارہ کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ اے اللہ! آپ میرے رب ہیں اور میں آپ کا بندہ ہوں؛ مگر بے انتہا خوشی کی وجہ سے زبان قابو میں نہ رہی، اور بلا قصدہ وارادہ غیر اختیاری طور پر اس کی زبان سے یہ بات نکل گئی کہ اے اللہ! آپ میرے بندے ہیں اور میں آپ کا رب ہوں۔

دیکھئے! یہ شخص نہ دیوانہ ہے، نہ سویا ہوا ہے، جو کچھ کہہ رہا ہے، وہ بیداری کی حالت میں کہہ رہا ہے؛ مگر اس کے باوجود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کفر کا حکم نہیں لگاتے؛ بلکہ أَخْطَأَ

مِنْ شِدَّةِ الفَرْحِ فرما کر، اس کو بے گناہ قرار دیا۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ بیداری کی حالت میں بھی اگر زبان سے بلا قصد وارادہ غیر اختیاری طور پر کوئی کفریہ بات سرزد ہو جائے تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

فقہائے کرام نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے، فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

وَ أَمَّا الْخَاطِئُ :إِذَا جَرٰى عَلٰى لِسَانِهٖ كَلِمَةُ الْكُفْرِ خَطَأً بِأَنْ كَانَ أَرَادَ أَنْ يَتَكَلَّمَ بِمَا لَيْسَ بِكُفْرٍ، فَجَرٰى عَلٰى لِسَانِهٖ كَلِمَةُ الْكُفْرِ خَطَأً لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ كُفْرًا عِنْدَ الْكُلِّ ...... وَالْخَاطِئُ: مَنْ يَجْرِيْ عَلٰى لِسَانِهٖ مِنْ غَيْرِ قَصْدٍ كَلِمَةٌ مَكَانَ كَلِمَةٍ . (فتاوی قاضی خان مع فتاوی عالم گیری:۳/۵۷۷، کتاب السّیر ، باب ما یکون کفرا من المسلم و ما لا یکون)

ترجمہ: خاطی کی زبان پر جب بلا قصد وارادہ کفر کی بات جاری ہو جائے اس طرح کہ وہ ایسی بات کہنا چاہتا تھا جو کفر نہیں ہے؛ لیکن بلا قصد وارادہ اس کی زبان پر کفر کی بات جاری ہو گئی تو تمام فقہائے کے نزدیک وہ کفر نہیں ہوگا .... اور ''خاطی'' وہ ہے جس کی زبان پر بلا قصد وارادہ ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ جاری ہو جائے۔

سابقہ باتوں کو پیش نظر رکھ کر انصاف سے کہئے! کہ جو شخص خود چلا چلا کر کہتا ہے کہ بے اختیار ہوں مجبور ہوں، زبان قابو میں نہیں، اور اس پر بعد میں روتا بھی ہے، ایسے شخص کو کافر کہنا کس کا کام ہے؟ اور جب خواب دیکھنے والا کافر نہیں تو رضا بالکفر (کفر پر خوش ہونے) کا ثبوت کس طرح ہو! اور حضرت تھانوی قُدِّسَ سِرُّهٗ کیوں کر کافر قرار پائے؟

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ﴾

نیز غور کر کے بتائے کہ حضرت تھانوی قُدِّسَ سِرُّهٗ کے اس جملے سے کہ ''جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے''، نبوت ورسالت کے دعوے کی تردید ہو رہی ہے یا اثبات؟ جو شخص اپنے آپ کو متبع سنت کہہ رہا ہے اور آنحضور ﷺ کی سنت پر چلنا اپنے لیے باعثِ نجات سمجھتا ہے، اس پر مدعی نبوت ہونے کا الزام لگانا کتنا بڑا ظلم اور صریح بہتان ہے! ﴿سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾

بحمد اللہ اکابر کی اہم اور بنیادی عبارتوں کے مطالب اور رضاخانیوں کے الزاموں کے جوابات تفصیل سے پیش کر دیئے گئے، ان کے علاوہ اکابر کی دیگر عبارتوں پر رضاخانی جو اعتراضات کرتے ہیں، ان کے جوابات آپ کے لیے چنداں مشکل نہیں؛ اس لیے ان کو ترک کیا جاتا ہے اور اخیر میں حضور اکرم ﷺ کی تین حدیثیں پیش کر کے اس محاضرہ کو ختم کرتا ہوں۔

کسی مسلمان کو کافر کہنے کا انجام

(۱) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ كَافِرٌ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا. متفق عليه .

(مشکاۃ شریف، ص:۴۱۱، باب حفظ اللسان)

ترجمہ: جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہے تو یقیناً ان دونوں میں سے ایک اس کلمہ (کے وبال) کے ساتھ لوٹتا ہے۔

(۲) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَرْمِيْ رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوْقِ وَلَا يَرْمِيْهِ بِالْكُفْرِ إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذٰلِكَ. (رواه البخاري) (حوالۂ بالا)

ترجمہ: کوئی شخص کسی شخص پر نہ فسق کی تہمت لگاتا ہے، نہ کفر کی، مگر وہ (تہمت) تہمت لگانے والے پر لوٹ جاتی ہے، اگر اس کا ساتھی اس طرح کا نہ ہو۔

(۳) نیز حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ أَوْ قَالَ: عَدُوُّ اللّٰهِ! وَلَيْسَ كَذٰلِكَ إِلَّا حَارَ عَلَيْهِ. متفق عليه . (حوالۂ بالا)

ترجمہ: جو شخص کسی کو کفر کے ساتھ پکارے (یعنی کافر کہے) یا کہے خدا کا دشمن، حالانکہ وہ شخص اس طرح کا نہیں تو وہ بات اس پر لوٹ جاتی ہے۔

ان تینوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ جس کو کافر، فاسق یا خدا کا دشمن کہا ہے اگر واقع میں وہ ایسا نہیں ہے تو اس کا وبال کہنے والے پر ہوگا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ .

تمّت بالخير

محمد امین پالن پوری
خادم حدیث وفقہ ومرتب فتاوی دار العلوم دیوبند
۱۳/ ذی القعدہ سنہ ۱۴۳۴ھ
۲۰/ ستمبر سنہ ۲۰۱۳ء
بروز جمعہ

طابع : ایچ.ایس.آفسیٹ، پرنٹرس، نئی دہلی۔2 9811122549
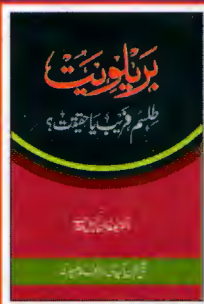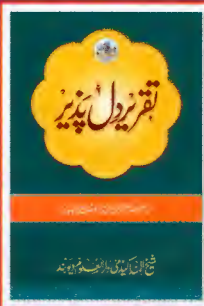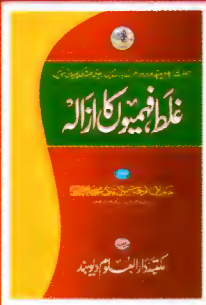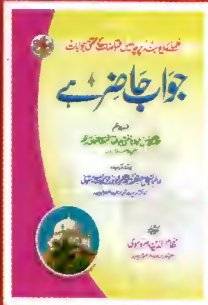
MAKTABA DARUL-ULOOM
DEOBAND-247554 (U.P.)INDIA
مکتبہ دار العلوم دیوبند